

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

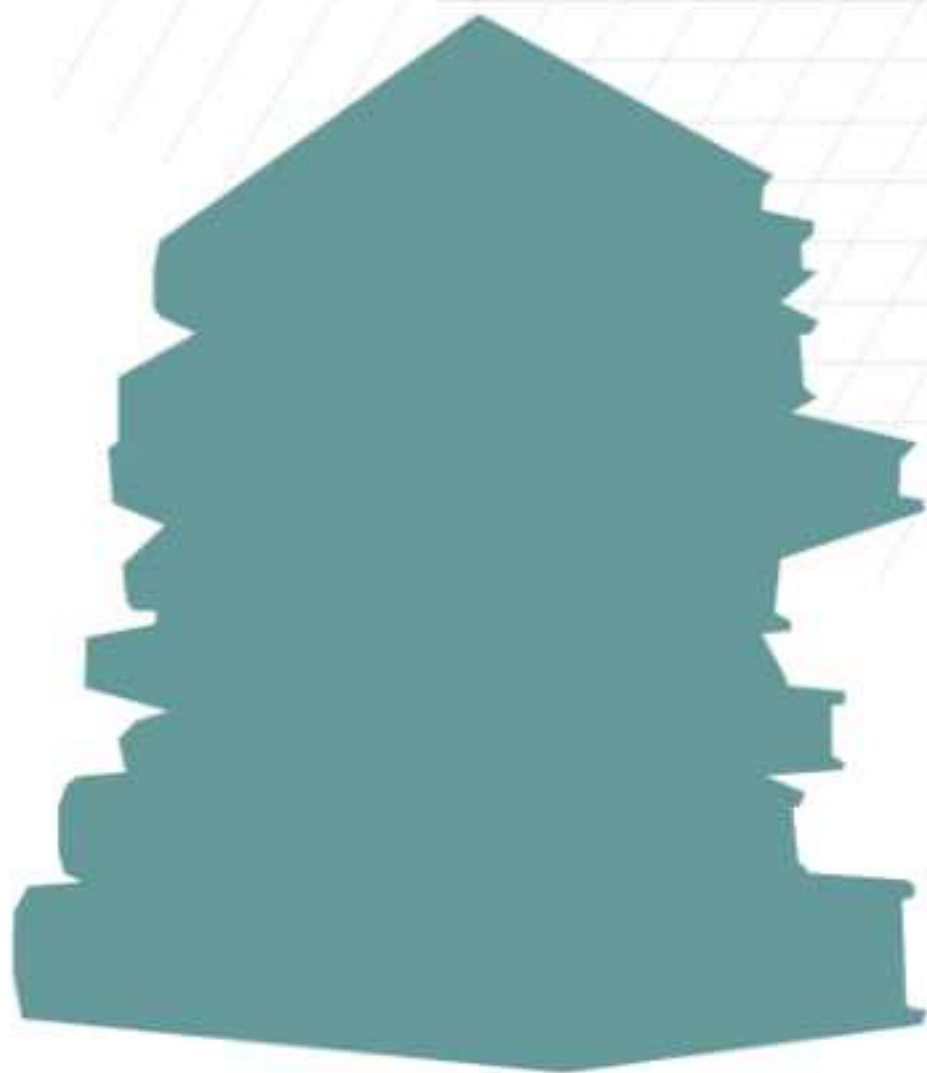
مقالات ابوالبيان

رشحاتِ قلم

حضرت علامہ
ابوالبیان پیر محمد سعید احمد مدنی

**Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.**

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ





ترغبات پر بیان



رشحاتِ قلم

حضرت علامہ
ابوالبیان پیر محمد سعید احمد راجدی مدظلہ العالی

تنظیم اسلام پبلیکیشنز

مرکزی جامع مسجد نقشبندیہ 121- بی ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ

☎: 0431-841160, 259575

جُمْلہ حقوق بحقِ ادارہ محفوظ

131260



بار اول دسمبر 2001 تعداد 1100

بار دوم ستمبر 2003 تعداد 1100

حصہ 200 روپے

ناشر
تنظیم الاسلام پبلی کیشنز

مرکزی جامع مسجد نقشبندیہ 121-بی ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ

Tanzeem-ul-Islam Publications

121-B Model Town Gujranwala, Pakistan

Ph # : +92-431-841160, 259575

URL: www.tanzeemulislam.org

E-mail: info@tanzeemulislam.org

الْأَهْلَاءُ

قائد تحریک ختم نبوت قافلہ سالار تحریک حریت
گلشن مجددیت کی بہار نازش اولیائے آسمان

خطیب الام

حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ قدس سرہ الاحسن

دارت مسند آسمان شریف سابق صدر جمعیت العلماء پاکستان

جنکے ۲۵ سالہ فیضان صحبت و رفاقت سے
مجھے قلم و قسطاس کی آبرو معلوم ہوئی اور جن کی
فکری و ادبی تربیت کو کبھی بھی نہیں بھلا سکتا۔

العبد الفقیر

ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی مدظلہ



حرفِ آغاز

شارح مکتوباتِ امام ربانی 'سراج العارفین' شہباز طریقت حضرت علامہ ابوالبلیان پیر محمد سعید احمد مجددی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ کا شمار عصر حاضر کی ان نابعد روزگار اور نادر الوجود علمی و روحانی شخصیات میں ہوتا تھا جن پر بجا طور پر ناز کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات کو گونا گوں صفات کا مرقع بنایا تھا۔ بلاشبہ آپ شریعت کے عالم بھی تھے اور طریقت کے حامل بھی..... سنت کے عامل بھی تھے اور شیخ کامل بھی..... عاشق رسول اللہ بھی تھے اور مجاہد فی سبیل اللہ بھی..... مرد فقیر بھی تھے اور پیر روشن ضمیر بھی..... مایہ ناز خطیب بھی تھے اور بلند پایہ ادیب بھی..... آپ کا مجموعہء تقاریر "البلیان" کے نام سے شائع ہو کر زبردست عوامی پذیرائی حاصل کر چکا ہے۔ واللہ علی ذلک

"مقالات ابوالبلیان" حضرت علامہ ابوالبلیان محمد سعید احمد مجددی رحمۃ اللہ علیہ کے وقتاً فوقتاً لکھے گئے علمی جواہر پاروں کا مجموعہ ہے جنہیں تنظیم الاسلام پبلی کیشنز نے نہایت سلیقہ شعاری اور عرق ریزی سے ایک خوبصورت گلدستہ میں تشکیل دیا ہے۔ یہ مقالات علم و ادب کا بے مثال شاہکار اور تحقیق و جستجو کے آئینہ دار ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ اہل علم حضرات ان میں اپنے ذوق کی تسکین کا مکمل سامان پائیں گے اور ہماری اس کاوش کو سراہیں گے۔ اس کی ترتیب و تسوید اور پروف ریڈنگ میں علامہ صاحبزادہ سید احمد فاروق شاہ مجددی، علامہ غلام مرتضیٰ ساقی مجددی، علامہ محمد نوید اقبال مجددی، علامہ محمد بشارت علی مجددی اور حافظ محمد تنویر حسین مجددی نے خصوصی تعاون فرمایا اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

قارئین سے التماس ہے کہ اگر اس مجموعہ میں کوئی فروگزاشت پائیں تو نشاندہی فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ وہ ہمارے آقائے ولی نعمت، شہباز طریقت حضرت ابوالبلیان قدس سرہ السبحان کی کامل بخشش فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

اللهم امین بجاہ النبی الکریم الامین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

صاحبزادہ محمد رفیق احمد مجددی

سجادہ نشین درگاہ حضرت ابوالبلیان رحمۃ اللہ علیہ

امیر اعلیٰ عالمی ادارہ تنظیم الاسلام

فہرست

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
47	توحید باللہ اور ایمان باللہ میں فرق	15	کلمہ طیبہ اور اس کے تقاضے
48	ایمان بالرسول کا مفہوم	18	کلمہ طیبہ درس توحید ہے
55	ایمان کا لغوی مفہوم	19	توحید کے چار درجات
57	ایمان کا شرعی و اصطلاحی مفہوم	21	توحید اور شرک
58	ایمان کے شعبے اور حیا	22	کلمہ طیبہ اور سکون قلب
59	حسن اخلاق	23	ذکر خفی کی افضلیت
59	ہمسایوں کے حقوق	24	کلمہ طیبہ اور قرآن مجید
60	امانتداری اور عہد کی پابندی	25	کلمہ طیبہ اور حدیث
60	غصہ اور ظلم ایمان کو ضائع کر دیتے ہیں	27	کلمہ طیبہ اور تجدید ایمان
62	محبت رسول ثمرات ایمان کی جان ہے	29	تلقین کلمہ طیبہ
65	لذت ایمان کیا ہے؟	30	کلمہ طیبہ کے پانچ تقاضے
71	قرآنیات	30	1- ایمان اور اعمال صالحہ
73	حقیقت وحی	32	2- انقلاب
75	ضرورت وحی	32	3- اخلاص
76	حصول علم کے ذرائع	34	4- حب خدا اور عشق مصطفیٰ ﷺ
82	وحی، حصول علم کا یقینی ذریعہ	35	5- استقامت
85	حقیقت کائنات کا علم	39	ایمان اور اس کے ثمرات
86	فلسفہ اور سائنس کی بے بسی	43	ایمان مجمل اور ایمان مفصل
89	اثبات وحی کے عقلی دلائل	44	ایمان تقلیدی اور ایمان تحقیقی

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
110	اختلاف قراءت	95	کیفیات وحی
110	آئمہ قراءت	95	حکمت کیفیات
112	جمع وتدوین قرآن	96	نزول وحی کی اقسام
112	ترتیب توقیفی	96	مکالمات
112	جمع قرآن عہد نبوی میں	96	الهام
114	حفاظ صحابہ کرام	97	منامات صادقہ
115	کتابت قرآن	97	نزول جبرئیل
116	کاتبین وحی	97	صلصلۃ الجرس
117	جمع قرآن عہد صدیقی میں	98	جبرئیل کا حقیقی صورت میں نزول
118	کتابت قرآن	99	جبرئیل کا انسانی صورت میں نزول
119	ترتیب کتابت	99	دویۃ النحل
120	مصحف ابوبکر کی خصوصیات	99	خفیہ طریقہ سے نزول وحی
121	جمع وتدوین قرآن کا مقصد	100	وحی بواسطہ اسرافیل
121	پہلا جامع قرآن	101	نزول قرآن
122	جمع قرآن عہد عثمانی میں	102	تدریجی نزول کی حکمتیں
123	حضرت عثمان غنی کا کارنامہ	104	مدت نزول
124	تدوین ثالث	104	آغاز وحی
124	مصحف عثمانی کی خصوصیات	105	انقطاع وحی
125	احراق مصاحف کی روایت		حروف سبعہ پر قرآن کا نزول
126	جواز احراق	106	اور اس کا مفہوم
126	مسک احناف		سات حروف پر قرآن پڑھنے کی
127	صحابہ کرام کی تائید	107	اجازت کا فلسفہ



صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
156	آیت کو پہچاننے کا طریقہ	128	تدوین ثالث کا مقصد
157	قرآنی آیات کی تعداد	129	اعراب قرآن
157	قرآنی آیات کی ترتیب		قرآن کی سورتوں کی آیات اور کلمات و
158	ایک غلط فہمی کا ازالہ	131	حروف کی تعداد
160	قرآنی سورتوں کی ترتیب	132	اعجاز قرآن
160	لفظ سورۃ کا معنی	132	معجزہ کی تعریف
161	قرآنی سورتوں کے نام	133	معجزات عقلیہ
162	قرآنی سورتوں کی ترتیب	133	قرآن عقلی معجزہ ہے
163	موجودہ ترتیب کا احترام واجب ہے	134	امہات معجزات
164	قرآن یکبارگی کیوں نازل نہ ہوا؟	135	وجوہ اعجاز
	قرآن پاک کے تدوین کے نزول کی حکمتیں	136	اعجاز الفاظ
165	روح	138	اعجاز ترکیب
167	ذوالقرنین	142	اعجاز نظم
167	ناسخ و منسوخ	144	اعجاز اسلوب
168	نسخ کا معنی و اقسام	148	شان نزول
168	وہ آیت جس پر صرف ایک صحابی نے عمل کیا اور منسوخ ہو گئی	148	قرآنی آیات کی قسمیں
171	نسخ کی حکمتیں	148	شان نزول کے علم کی اہمیت و فوائد
172	تفسیر قرآن	151	اسباب مختلف ہوں لیکن آیت ایک ہی
174	لفظ تفسیر کا لغوی مفہوم	154	سبب نزول ایک ہو لیکن آیات مختلف ہوں
174		156	قرآنی آیات کی ترتیب
		156	آیت کا معنی



صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
	اسلام میں عید میلاد النبی ﷺ	174	لفظ تفسیر کا اصطلاحی مفہوم
219	کی حیثیت	174	اجزائے علم تفسیر
	قرآن حکیم کی روشنی میں دن منانے کی	175	تفسیر اور تاویل میں فرق
219	حیثیت و اہمیت	175	ضرورت تفسیر
	احادیث مبارکہ کی روشنی میں دن	178	اقسام تفسیر
221	منانے کی حیثیت و افادیت	179	مآخذ تفسیر
223	میلاد اور قرآن حکیم	179	تفسیر القرآن بالقرآن
225	میلاد النبی ﷺ اور حدیث	180	تفسیر القرآن بالحدیث
227	صحابہ کرام اور میلاد	182	تفسیر القرآن باقوال الصحابہ
228	میلاد اور بزرگان امت	187	تفسیر القرآن باقوال التابعین
234	یوم ولادت اور یوم وصال کی تحقیق	189	تذکار رسالت ﷺ
239	بارہ ربیع الاول تاریخ ولادت ہے	191	حدیث کی ضرورت و اہمیت
245	یوم ولادت کو یوم عید کہنا درست ہے	191	منصب رسالت
247	محفل میلاد کی اصل حیثیت	194	قرآن کی تشریح و تفسیر کے طریقے
255	تصوف	195	قرآن کا اصلی مفہوم سمجھنے کا طریقہ
257	بیعت کی شرعی حیثیت	200	پیکر جمال
260	حقیقت بیعت		انسانی حقوق سیرت النبی ﷺ
261	خلاصۃ المرام	203	کی روشنی میں
262	آداب طریقت		حضور ماہ رمضان المبارک
263	اوصاف مرشد	215	کیسے گزارتے تھے
263	مرید کیسا ہونا چاہیے		



صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
289	طریقہ جذبہ صوری	264	پیر اور مرید کا باہمی رشتہ
291	توجہ شیخ	265	یاران طریقت کا باہمی رشتہ
291	توجہ شیخ کا مفہوم	269	صحبت پیر کے آداب
291	توجہ کا ثبوت قرآن و حدیث سے	274	مرید پیر کے تابع رہنا چاہئے
293	اقسام توجہ	275	سچا مرید کون؟
294	طریق توجہ	276	ناقص پیر کاخذ طریقہ کے نقصانات
295	تصور شیخ	278	پیر کے حقوق
295	تصور شیخ کا مفہوم	280	لطاائف عشرہ
296	تصور شیخ کے فوائد	280	انسان لطائف عشرہ سے مرکب ہے
298	تصور شیخ کے طریقے	280	لطیفہ کا مفہوم
299	افکار مجدد الف ثانی قدس سرہ	281	لطاائف کے نام قرآن میں
301	سرمایہ ملت کا نگہبان	281	مقامات لطائف عالم امر
301	نام و نسب	283	مقامات لطائف عالم خلق
301	خطہ سرہند شریف کا پس منظر	284	مقامات لطائف کا ثبوت
301	مجدد الف ثانی رسالت مآب ﷺ کی نظر میں	286	لطیفہ جاری ہونے کا مطلب
303	حضرت مجدد الف ثانی اولیائے سابقین کی نظر میں	287	جذب و سلوک
306	کی نظر میں	287	جذب کا معنی
308	علوم شریعت میں آپ کا مقام	287	سلوک کا معنی
309	علوم طریقت میں آپ کا مقام	288	اقسام سالک
313	حضرت شیخ مجدد کے تجدیدے کا رنامے	288	اقسام جذبہ
		288	جذبہ صوری
		289	جذبہ حقیقی



صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
353	حدیث اور سنت کا فرق		عصر حاضر میں شیخ مجدد کے
354	حجیت سنت	322	کردار کی ضرورت
	حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ	331	علم، عمل اور اخلاص
356	اور اہل سنت	331	شریعت کی جامعیت و اہمیت
357	مسک اہل السنۃ والجماعۃ ہی معیار حق ہے		عقائد کی درستگی کے بغیر شریعت کا علم
358	اہل سنت کی تاریخی حیثیت		مفید نہیں
360	اہل سنت یا اہل حدیث	335	قرآن و حدیث میں اہل علم کی فضیلت
361	ایک غلط فہمی کا ازالہ	336	علم کی اقسام
361	بدعت کا مفہوم	337	عمل کے بغیر علم بے سود ہے
363	حضرت امام ربانی اور امور بدعت	339	قرآن و حدیث میں بے عمل علماء کی مذمت
367	تقسیم بدعت سے انکار کی توجیہات	339	بے عمل علماء حضرت امام ربانی کی نظر میں
369	بدعت حسنہ رافع سنت ہے	340	اکبر بادشاہ کی گمراہی کا سبب علماء سوتھے
373	امام ربانی اور معمولات اہل سنت	341	اخلاص کی حقیقت و ضرورت
373	محفل میلاد	343	قرآن اور اخلاص
374	عرس منعقد کرنا	344	حدیث اور اخلاص
375	ایصال ثواب	345	حضرت امام غزالی اور اخلاص
377	قبروں پر غلاف ڈالنا	345	حضرت امام ربانی اور اخلاص
378	تصور شیخ	346	اخلاص اور احسان
379	استمداد اور تصرفات اولیاء	347	اعمال جسم ہیں اور اخلاص روح ہے
380	ناجی گروہ اور بدعتی فرقے	348	اہل سنت اور اہل بدعت
382	بدعات کے خلاف جہاد	350	(مکتوبات کی روشنی میں)
		352	سنت کا مفہوم

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
409	آپ کے خلفاء	383	شخصیات
	حضرت خطیب الاسلام کی یاد میں		حضرت امام اعظم ابوحنیفہ <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
411	چند آنسو..... چند آہیں	385	کا علمی و فقہی مقام
413	تعلیمی و خاندانی پس منظر	386	بشارت اور علمی مقام
414	حسین یادیں	387	امام اعظم
414	خطیب الاسلام	388	اساتذہ
417	شہر یار اقلیم خطابت	390	تلامذہ
418	مجاہد اول تحریک ختم نبوت	391	حاکم فی الحدیث
419	شیخ طریقت	392	امام اعظم کا فقہی مقام
420	شیخ مجدد علیہ الرحمۃ سے قلبی رابطہ	394	اختلاف فقہاء کی حکمت
421	عاشق مدینہ	397	کون امام اعظم.....؟
421	چورہ شریف کا احترام		قطب العالمین حضرت باواجی
422	سات ولیوں کی گود میں	400	سید نور محمد چورہ، ہی علیہ الرحمۃ
423	پیر لاٹانی علیہ الرحمۃ کا فرمان	400	چورہ شریف کا محلہ وقوع
423	مسلکی خدمات	400	بانی چورہ شریف
426	سنی مؤرخین سے شکوہ	401	ولادت باسعادت
426	شاعر مشرق سے تعلق	401	بشارت
427	علامہ اقبال آلومہار شریف میں	402	شجرہ نسب
	حضرت خطیب الاسلام کی	403	تعلیم و تربیت
429	سیرت کا ایک باب	404	تیرہویں صدی کے مجدد طریقت
	جہاد کشمیر کیلئے پچیس ہزار رضا کاروں	405	ارشادات قدسیہ
431	کا اعلان	408	وفات حسرت آیات

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
	پاکستان لادینی یلغار اور مغربی افکار	434	صدر جمعیتہ العلمائے پاکستان
459	کی لپیٹ میں	434	وصال پر ملال
460	اور پاکستان دو ٹکڑے ہو گیا		حضرت خطیب الاسلام حقائق
460	آج کا پاکستان		کے آئینے میں
462	سوال یہ ہے	436	
463	حکمرانوں کی ذمہ داری	437	خطیب الاسلام اور تحریک پاکستان
463	علماء و مشائخ کی ذمہ داری	438	ایک اور ستم ظریفی
464	سیاسی قائدین و ارباب دانش کی ذمہ داری		ایوب خان کی حمایت سیاسی عمل نہ تھا
464	پاکستانی عوام	442	بلکہ حقوق اہل سنت کا تقاضا تھا
465	تصویر کا دوسرا رخ	443	شیخ الاسلام کا اعتراف
465	نئی قوم اور نئی قیادت	443	خطیب الاسلام کے حامی علماء و مشائخ
468	خطیب الاسلام کا نتیجہ خیز بیان	445	سنی جرائد و رسائل
469	اسلامی طرز انتخاب		حضرت خواجہ صوفی محمد علی نقشبندی
	فضائل و برکات شب برأت	448	رحمۃ اللہ علیہ
472			شیخ الحدیث حافظ محمد عالم نقشبندی
483	سفر حرمین	452	رحمۃ اللہ علیہ
	کسب معاش اور طلب حلال	455	متفرقات
491	کی فضیلت		ہمارا قومی بگاڑ اور اس کا علاج
494	اسلام میں عورت کا مقام	457	گم کردہ راہ قافلہ
496	سچائی دی و ڈیائی	457	پاکستان تو بن گیا
500	دورہ آسٹریلیا و ملائیشیا کی روئیداد	458	ہماری بے تدبیری



لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

نہیں کوئی معبود (مقصود) سوائے اللہ تعالیٰ کے محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں

کلمہ طیبہ اسلام کے پانچ ارکان میں سے پہلا رکن ہے اور اسلام کی عمارت کا پہلا دروازہ ہے۔ گویا اس کے بغیر کوئی انسان اسلام کے محل میں داخل نہیں ہو سکتا۔
کلمہ طیبہ: بظاہر چند الفاظ کا مجموعہ ہے مگر حقیقت میں بیشمار حقائق و دقائق اور لاتعداد اسرار و رموز پر مشتمل ہے۔

کلمہ طیبہ: وہ لاہوتی نغمہ ہے جو فکر و نظر میں عظیم انقلاب برپا کر دیتا ہے اور کفر و شرک کے اندھیروں میں بھٹکنے والوں کو ایک خدا اور ایک رسول (ﷺ) سے آشنا کر دیتا ہے۔ وہ شخص جو چند لمحے پہلے اسلام کا دشمن تھا یا اسلام کے خلاف تھا۔ کلمہ پڑھنے کے بعد اسی کے تحفظ اور پاسبانی کی خاطر جان و مال تک نثار کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے۔

کلمہ طیبہ: وہ انقلابی نعرہ ہے جو برسوں کے کافر کو آتش دوزخ سے بچا لیتا ہے اور جنت الفردوس کا حقدار بنا دیتا ہے۔

کلمہ طیبہ: وہ آبِ طہور ہے جو سات سمندروں سے صاف نہ ہونے والی کفر و شرک کی کثافتوں اور نجاستوں کو ایک ہی بار پڑھنے سے صاف اور پاک بنا دیتا ہے۔

کلمہ طیبہ: وہ بیج ہے جس سے شریعت محمدیہ (علیٰ صاحبھا الصلوٰۃ والتسلیمات) کا پورا درخت بنتا ہے اور جس پر شریعت کے پھل اور طریقت کے پھول لگتے ہیں۔

کلمہ طیبہ: وہ قانون فطرت ہے جو مادی اور دنیاوی اقتدار کے برعکس روحانی اور اسلامی اقتدار کا مفہوم واضح کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کی حاکمیت کا اعلان کرتا ہے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم ۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے

حکمران ہے اک وہی باقی بتانِ آزاری

کلمہ طیبہ: وہ دعوت اتحاد ہے جو نوع انسانی کو ایک مرکز پر جمع کرنے کا سب سے بڑا اور مؤثر ذریعہ ہے۔

کلمہ طیبہ: وہ پیغام وصل ہے جو انسان کے دل کو لا الہ کے ذریعے غیر کے خیال سے پاک کر کے الا اللہ کے ذریعے واصل باللہ کر دیتا ہے۔
حضرت خواجہ سنائی علیہ الرحمہ نے خوب فرمایا۔

تا بہ جاروب لا نہ روبی راہ

کے رسی در مقام الا اللہ

کلمہ طیبہ: توحید و رسالت کا وہ مہکتا ہوا سدا بہار گلدستہ ہے جس کی بوئے دلنواز سے عاشقان ذات ہر آن نئی جان حاصل کرتے ہیں۔
کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

کلمہ طیبہ: پڑھتے ہی انسان تین چیزوں کا اقرار کر لیتا ہے۔ ایمان، اسلام، دین، ایمان قلبی اعتقادات کا نام ہے۔ اسلام ظاہری اعمال کا نام ہے اور دین ان دونوں کے مجموعے کو کہتے ہیں اور کلمہ طیبہ ان تینوں پر مشتمل ہے۔

کلمہ طیبہ درس توحید ہے

توحید اللہ تعالیٰ کو معبود برحق اور وحدہ لا شریک ماننے کا نام ہے۔ توحید کا

ترجمہ ہے اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا اور ایک جاننا۔

توحید کے اجمالی طور پر چار درجے ہیں

- ❖ پہلا درجہ زبان سے اقرار اور دل سے انکار ایسے لوگ منافق کہلاتے ہیں۔
- ❖ دوسرا درجہ زبان اور دل سے تقلیدی طور پر اعتقاد رکھے اور عقیدہ وحدانیت پر عقلی و نقلی دلائل بھی موجود ہوں۔ یہ لوگ عام مسلمان یا علماء ظاہر ہوتے ہیں جو شرک جلی سے محفوظ ہوتے ہیں۔

❖ تیسرا درجہ اہل ذکر سے تلقین حاصل کر کے عقیدہ توحید میں ایسا رسوخ حاصل ہو کہ دل میں نور بصیرت پیدا ہو جائے اور فاعل حقیقی صرف ذات واحد کو جانے اور مجاہدہ سے گزر کر مشاہدہ کی طرف قدم بڑھائے یہ لوگ مومن (موحد) کہلاتے ہیں۔

❖ چوتھا درجہ اذکار و اشغال کی کثرت کے بعد سالک کو اس قدر ترقی نصیب ہو جائے کہ تجلیات ذات و صفات اس کے دل پر وارد ہونے لگیں اور اس کو وجود واحد کے سوا کوئی چیز حقیقی نظر نہ آئے اور اشیائے کائنات اس کو خواب یا سراب معلوم ہونے لگیں اور مشاہدہ ذات میں استغراق کلی نصیب ہو جائے۔ اس درجے میں توحید وجودی توحید شہودی یا فنا فی التوحید اور مرتبہ فناء الفنا اور بقا منکشف ہو جاتا ہے۔

لیکن یاد رہے کہ کلمہ طیبہ کا سبق پیر طریقت، متبع شریعت سے حاصل کرنا ضروری ہے ورنہ ساری عمر ضائع ہو جائے گی۔

کلمہ طیبہ: کے دو جزو ہیں۔ پہلا جزو..... توحید اور دوسرا جزو..... رسالت

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ..... توحید ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ..... رسالت ہے۔

توحید دعویٰ ہے رسالت اس کی دلیل ہے۔ دعویٰ اور دلیل میں اس قدر قرب

ہے کہ درمیان میں واو عاطفہ کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ توحید کا وسیلہ رسالت

ہے اور قرب خدا (جَلَّالٌ) کا ذریعہ قرب مصطفیٰ (ﷺ) ہے۔ کلمہ طیبہ کا پہلا جزو مقصد زندگی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور دوسرا جزو طرز زندگی کی نشاندہی کرتا ہے۔

کلمہ طیبہ : کا پہلا جزو تو اعلان مصطفیٰ (ﷺ) ہے اور دوسرا جزو اعلان خدا ہے۔ گویا یوں فرمایا جا رہا ہے کہ اے محبوب! تم میری توحید کا اعلان کرتے جاؤ میں تمہاری رسالت کا ڈنکا بجاتا ہوں۔

جناب محمد برائے الہی

جناب الہی برائے محمد

کلمہ طیبہ : کا پہلا جزو تمام آفاقی اور انفسی خداؤں کی نفی کر کے خدائے واحد کے معبود و مقصود ہونے کو ثابت کرتا ہے جو شریعت، طریقت، معرفت اور حقیقت کا جامع ہے۔

توحید و جودی ہو یا شہودی دوٹوں سے مقصود باطل معبودوں کی نفی کرنا اور معبود برحق کا اثبات کرنا ہے۔ اسی مفہوم کو اہل تصوف نفی اثبات سے تعبیر کرتے ہیں توحید شہودی میں مشہود صرف ذات ہوتی ہے۔ غلبہء شہود و وحدت میں کثرت کا نام و نشان بھی نہیں رہتا۔ جبکہ توحید و جودی میں موجود صرف ذات ہوتی ہے لیکن کثرت میں وحدت کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کے مندرجہ ذیل اشعار توحید شہودی کے مفہوم پر مشتمل ہیں۔

خودی کا سر نہاں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ	خودی ہے تیغِ فساں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
کیا ہے تو نے متاعِ غرور کا سودا	فریبِ سود و زیاں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری	نہ ہے زمان نہ مکاں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے	صنم کدہ ہے جہاں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند	بتانِ وہم و گماں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند	بہار ہو کہ خزاں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

گرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں مجھے ہے حکم ازاں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
کلمہ طیبہ: کا دوسرا جز و عقیدہ رسالت کا اعلان کرنا ہے اور شریعت کی تکمیل
 و تمیل کا مظہر ہے۔ کلمہ طیبہ کے دونوں اجزاء لازم و ملزوم ہیں کہ ایک کے بغیر دوسرے
 پر ایمان ثابت نہیں ہو سکتا۔ عقیدہ توحید عقیدہ رسالت کے بغیر مفید نہیں اور عقیدہ
 رسالت عقیدہ توحید کے بغیر نامکمل ہے۔ عقیدہ توحید کا تصور ربوبیت
 ”الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ (الفاتحہ) سے ظاہر ہے اور عقیدہ رسالت کا تصور
 رحمت ”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ“ (الانبیاء) سے ثابت ہے اس اعتبار
 سے کل کائنات کا خدا بھی ایک ہے اور رسول بھی ایک ہے۔ یوں توحید باری کے
 ساتھ ہی توحید رسالت کا مسئلہ بھی طے ہو جاتا ہے۔

جیسے سب کا خدا ایک ہے ایسے ہی ان کا اُن کا تمہارا ہمارا نبی (ﷺ)

توحید اور شرک

اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات و صفات اور احکام و افعال میں شریک سے پاک
 ماننا توحید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ
 يَشَاءُ (النساء، ۴۸)

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس بات کو کہ شرک کیا جائے اس کے ساتھ اور بخش
 دیتا ہے جو اس کے علاوہ ہے جس کو چاہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور احکام و افعال میں کسی غیر کو برابر و مساوی سمجھ
 لینے کا نام شرک ہے۔

شرک کے تین مرتبے ہیں :-

۱۔ ”إِعْتِقَادُ شَرِيكَ لِلَّهِ فِي الْوُحَيْتِهِ وَهُوَ الشِّرْكُ الْأَعْظَمُ“ (الحج)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں کسی کو شریک سمجھنا یہی شرک اعظم ہے۔

۲۔ ”اِعْتِقَادُ شَرِيكَ لِلّٰهِ فِي الْفِعْلِ وَهُوَ مَنْ قَالَ اَنْ مَوْجُودًا مَا غَيْرُ

اللّٰهِ تَعَالٰی مُسْتَقِلٌّ بِاِحْدَاثِ فِعْلٍ وَاِيجَادِهِ اِلٰخ

ترجمہ: کسی کو اللہ تعالیٰ کے افعال میں اس طرح شریک سمجھنا کہ وہ مستقل اور بالذات اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی کام کر سکتا ہے۔

۳۔ ”الشِّرْكُ فِي الْعِبَادَةِ“

ترجمہ: کسی کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شریک کرنا۔ (تفسیر الجامع لاحکام القرآن)

اسی طرح علامہ تفتازانی علیہ الرحمۃ نے شرک کی حقیقت کے متعلق تحریر فرمایا:۔

”الْاِشْتِرَاكُ هُوَ اثْبَاتُ الشَّرِيكِ فِي الْاُلُوْهِیَّةِ بِمَعْنٰی وُجُوْبِ

الْوُجُوْدِ كَمَا لِلْمَجْهُوسِ اَوْ بِمَعْنٰی اسْتِحْقَاقِ الْعِبَادَةِ كَمَا لِعَبْدَةِ الْاَصْنَامِ

(شرح عقائد ص ۷۷)

ترجمہ: یعنی شرک یہ ہے کہ خدا کی الوہیت میں کسی کو شریک کرنا اس طرح کہ کسی کو واجب الوجود مان لینا جیسا کہ مجوسیوں کا عقیدہ ہے یا خدا کے سوا کسی کو عبادت کا حقدار مان لینا جیسا کہ بت پرستوں کا خیال ہے۔

شرک کی تعریف اور شرک کے اجمالی مراتب سمجھنے کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کوئی مسلمان کسی نبی یا ولی کو واجب الوجود شریک فی الالوہیۃ یا لائق عبادت ہرگز نہیں سمجھتا۔ تو پھر جو لوگ مسلمانوں کو مشرک و بدعتی ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے ہیں اور بلاوجہ کفر و شرک کے فتوے لگا رہے ہیں۔ انہیں خدا کے عذاب سے ڈرنا چاہیے اور اس ظلم عظیم کے ارتکاب سے توبہ کرنی چاہیے۔

کلمہ طیبہ کے ذکر سے خوفِ خدا اور سکونِ قلب میسر آتا ہے

کلمہ طیبہ کا ذکر کرنے والا انسان ہی حقیقی طور پر خوفِ خدا اور امن و سکون کی



دولت سے بہرہ یاب ہو سکتا ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ (الانفال)

ترجمہ: ایمان والے لوگ دراصل وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے ان کے دل کانپ جائیں۔

لَا يَذْكُرُ اللَّهُ تَطْمِئِنُّ الْقُلُوبُ (الرعد، ۲۸)

ترجمہ: خبردار! اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان و سکون نصیب ہوتا ہے۔

اہل عشق تو دائمی ذکر میں محو رہتے ہیں۔ اہل دل تو ذکر کے جنون میں ماہی بے آب کی طرح تڑپتے ہیں۔ ذکر کی برکت سے دل سے غفلت کے پردے ہٹتے ہیں اور گناہوں کی ظلمت کے بادل چھٹتے ہیں۔ اہل ذکر کی زبان ہمیشہ ذکر سے تر رہتی ہے اور ان کے دل رقتِ قلبی کی وجہ سے آباد و شاد رہتے ہیں۔ شدتِ محبت سے ان کی آنکھیں برستی ہیں اور ہر دم دیدارِ محبوب کیلئے ترستی ہیں۔

طریقت عالیہ نقشبندیہ میں اسی کیفیت کو دوامِ حضور و آگاہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور بالآخر یہی حالت ان کو مقامِ حیرت تک لے جاتی ہے جو منتہائے معرفت ہے۔ یہ منزل عقل سے نہیں عشق سے حاصل ہو سکتی ہے۔

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے

ذکرِ خفی ستر درجے ذکرِ جہر سے افضل ہے

اگرچہ ذکرِ جہر جائز ہے مگر ذکرِ خفی زیادہ بہتر ہے۔ حدیث میں ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ خَيْرُ الذِّكْرِ الْخَفِيُّ (مسند احمد ۱/۱۷۲)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے بہتر ذکرِ خفی ذکر ہے۔

(عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا) كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُفَضِّلُ

الذِّكْرَ الْخَفِيِّ الَّذِي لَا يَسْمَعُهُ الْحَفَظَةُ سَبْعِينَ ضِعْفًا (مسند ابویعلیٰ ۱۲۳/۷)

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایسا ذکر خفی جس کو ملائکہ حفظہ (حفاظت کرنے والے فرشتے) بھی نہ سن سکیں ذکر جہر سے ستر درجے افضل قرار دیتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذکر خفی ذکر جلی سے ستر درجے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

کلمہ طیبہ اور قرآن مجید

کلمہ طیبہ شجرہ طیبہ ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

”الْمُ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ

أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ“ (ابراہیم ۲۴)

ترجمہ: کیا تم نے نہ دیکھا اللہ نے کیسی مثال بیان فرمائی پاکیزہ بات (کلمہ طیبہ) کی جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑ قائم اور شاخیں آسمان میں۔

اس آیت میں کلمہ طیبہ (لا الہ الا اللہ) کی مثال ایک پاکیزہ درخت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ جس کی جڑ زمین میں قائم ہے اور شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں۔ جڑ سے مراد کلمہ تو خید کا اعتقاد ہے جو مومن کے دل میں جاگزیں ہے اور شاخوں سے مراد اعمال صالحہ ہیں جو آسمان کی طرف بارگاہ قبولیت میں چلے جاتے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

”إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ“ (الفاطر ۱۰)

ترجمہ: اسی کی طرف بلند ہوتے ہیں پاکیزہ کلمات (یعنی تسبیح و تہلیل اور اذکار و اعمال وغیرہم)

کلمہ طیبہ: قول ثابت (حق) ہے۔ ارشاد قرآنی ہے:

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي
الْآخِرَةِ (ابراہیم ۲۷)

ترجمہ: اللہ ثابت رکھتا ہے ایمان والوں کو حق بات (کلمہ طیبہ) کی برکت سے دنیا
اور آخرت میں۔

قرآن میں متعدد آیات تہلیل ہیں جن میں صراحت کے ساتھ بار بار کلمہ طیبہ
کا ذکر آتا ہے۔ مثلاً

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (محمد، ۱۹)

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ (ال عمران، ۱۸)

فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ (التوبة، ۱۲۹)

سورۃ فتح میں کلمہ طیبہ کے دوسرے جزو کا ذکر آتا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ (الفتح، ۲۹)

ان دونوں اجزاء کا حسین امتزاج کلمہ طیبہ کہلاتا ہے۔

کلمہ طیبہ اور حدیث

(کلمہ طیبہ افضل ذکر اور افضل الکلام ہے)

حضور ﷺ نے فرمایا:

أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (ابن ماجہ ص ۲۷۸)

ترجمہ: کلمہ طیبہ سب سے افضل ذکر ہے۔

حدیث پاک میں ارشاد ہے:

”أَفْضَلُ الْكَلَامِ أَرْبَعُ سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

وَاللَّهُ أَكْبَرُ“ (مسلم/مشکوٰۃ ص ۲۰۰)

ترجمہ: سب سے فضیلت والا کلام تسبیح و تحمید و تہلیل و تکبیر ہے۔



حضور ﷺ نے فرمایا:

لِكُلِّ شَيْءٍ صِفَالَةٌ وَصِفَالَةُ الْقُلُوبِ ذِكْرُ اللَّهِ (مشکوٰۃ ص ۱۹۹)

ترجمہ: ہر چیز کیلئے صفائی ہے اور دلوں کی صفائی ذکر الہی سے ہے۔

صوفیائے کرام کے نزدیک کلمہ طیبہ کا نام جلاء القلوب ہے۔ صفائی قلب اور اخلاص نیت کے لئے اس سے بہتر کوئی شے نہیں۔

کلمہ طیبہ سات زمینوں اور سات آسمانوں سے بھاری ہے

قَالَ عَلَيْهِ وَعَلَى إِلِهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ حَاكِيًا عَنِ اللَّهِ سُبْحَانَهُ
لَوْ أَنَّ السَّمَوَاتِ السَّبْعَ وَغَامِرَهُنَّ غَيْرِي وَالْأَرْضِينَ السَّبْعَ وَضِعْنَ فِي
كَفَّةٍ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فِي كَفَّةٍ لَمَالَتْ بِهِنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْح

(مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۹)

ترجمہ: حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے حکایت بیان کی کہ اگر سات زمینیں اور سات آسمان و مافیہا ترازو کے ایک پلڑے میں اور کلمہ طیبہ ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھ دیں تو کلمے والا پلڑا بھاری ہوگا یعنی کلمہ طیبہ کا ثواب و اجر چودہ طبق سے زیادہ وزنی ہے۔

ستر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھنا باعث مغفرت ہے

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں حضرت ملا علی القاری علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے حدیث پہنچی تھی کہ ستر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھنے والا بخشا جاتا ہے اور اگر اتنی تعداد میں پڑھ کر کسی کو ایصال کرے تو اسکی بخشش بھی ہو جاتی ہے میں نے اتنا کلمہ طیبہ پڑھا ہوا تھا ایک دن میرے گھر دعوت میں ایک صاحب کشف ولی حاضر تھا۔ اچانک بدد نے لگائیں نے رونے کا سبب پوچھا اس نے کہا میں (بحالت کشف) اپنی ماں کو دوزخ کے عذاب میں مبتلا

دیکھ رہا ہوں تو میں نے پڑھا ہوا کلمہ اپنے دل میں اسکی ماں کو بخش دیا تو فوراً وہ صاحب کشف جو ان مسکرا نے لگا اور بولا کہ اب میں اپنی ماں کو جنت میں دیکھ رہا ہوں۔

حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس حدیث کی صحت اس ولی کے کشف سے اور اس کے کشف کی صحت حدیث سے معلوم ہوئی۔

(تخذیر الناس میں یہ واقعہ سید الطائفہ حضرت سیدنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے)

کلمہ طیبہ پڑھنے سے ایمان تازہ ہو جاتا ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:
جَدِّدُوا اِيْمَانَكُمْ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ نَجْدِدُ اِيْمَانَنَا قَالَا
اَكْثَرُوْا مِنْ قَوْلِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (مسند احمد ۲/۲۵۹)

ترجمہ: آپ ﷺ نے فرمایا اے صحابہ (رضی اللہ عنہم) اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! وہ کیسے؟ فرمایا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کثرت سے پڑھتے رہا کرو۔

کلمہ طیبہ کا مغز اسم ذات ہے

کلمہ طیبہ کا مغز اسم ذات (اللہ) ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے۔ باقی اسماء حسنی صفاتی ہیں اور اسی اجمال کی تفصیل معلوم ہوتے ہیں۔ یہی وہ اسم اعظم ہے جس کے ذریعے دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔ تنہا اسم ذات کا ذکر مجرد کہلاتا ہے۔ صوفیاء کے نزدیک اس ذکر سے سو سے دور ہوتے ہیں اور جمعیت خاطر میں مدد ملتی ہے اور یقین و اطمینان کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

سلسلہ نقشبندیہ میں طالبوں کو بواسطہ لطائف ستہ اسم ذات کا ذکر تلقین

کیا جاتا ہے۔ سلسلہ شطاریہ کا تو مشرب ہی ذکر اسم ذات ہے سلسلہ قادریہ میں پاس انفاس کے بعد اسم ذات با ضربات کا طریقہ جاری ہے۔ سلسلہ چشتیہ میں اسم ذات کے متعدد طریقے موجود ہیں۔

اسم ذات کی تعظیم اور اس کے فیوض و برکات

امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن بیت الخلاء سے مٹی کا ایک پیالہ اٹھایا جس پر لفظ اللہ منقوش تھا۔ آپ نے پانی سے دھو کر کپڑے میں لپیٹ کر پیالے کو ایک بلند مقام پر رکھ دیا جب خود پانی پیتے تو اسی پیالے میں پیتے۔ چنانچہ اس تعظیم کی وجہ سے ندا آئی کہ جس طرح تم نے ہمارے نام کی تعظیم کی ہے۔ اسی طرح ہم نے بھی تمہارے نام کو دنیا و آخرت میں معظم بنادیا ہے اس کے بعد آپ فرماتے تھے کہ اعلیٰ عمل سے جتنے فیوض و برکات حاصل ہوئے ہیں وہ سو سال کی ریاضت و مجاہدہ سے بھی ناممکن تھے۔ (حضرت لقدس دفتر دوم ص ۷۷)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات میں یوں فرماتے ہیں کہ:

”کو تاہ نظراں تعجب دارند کہ بیک گفتن لا الہ الا اللہ چگونہ دخول جنت میسر شود۔ و از برکات این کلمہ طیبہ واقف نیستند۔ محسوس این فقیر شدہ است۔ اگر تمام عالم را بیک گفتن این کلمہ طیبہ بہ بخشند و بہ بہشت فرستند گنجائش دارد و مشہود می گردد کہ برکات این کلمہ مقدسہ را کہ اگر بہ تمام عالم قسمت کنند تا ابد الابد ہمہ را کفایت کند و ہمہ را سیراب بگرداند۔ نیز میدانند کہ شفیع ترے از برائے دفع ظلمات کفر و کدورات شرک ازین کلمہ طیبہ دیگرے نیست۔ (مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۳۷)

ترجمہ: حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوتاہ نظر لوگ تعجب کرتے ہیں کہ ایک بار کلمہ طیبہ پڑھنے سے کس طرح دخول جنت میسر آ سکتا ہے۔ وہ اس کلمہ طیبہ کی برکات سے واقف نہیں اس فقیر کو محسوس ہوا ہے کہ تمام جہان کو ایک بار کلمہ پڑھنے سے ہی بخش دیا جائے تو گنجائش رکھتا ہے اور مشاہدہ ہوا ہے کہ اگر اس کلمہ کی برکتیں تمام جہان کو تقسیم کی جائیں تو ہمیشہ سب کو کفایت کریں اور جہان کو تروتازہ رکھیں نیز فرمایا جان لے کہ کفر کے اندھیروں اور شرک کی کدورتوں کو دور کرنے کے لیے کلمہ طیبہ سے بہتر کوئی شفاعت کرنے والا عمل نہیں ہے۔

تلقین کلمہ طیبہ

حضور پر نور ﷺ نے فرمایا:

”لَقِنُوا مَوْتَكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ (مسلم ۱/۳۰۰ مشکوٰۃ ص ۱۴۰)

ترجمہ: اپنے مرنے والوں کو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تلقین کیا کرو۔

واضح رہے کہ مرنے والے کے پاس نزع کے وقت خود کلمہ طیبہ کا ورد کرنا چاہیے تاکہ وہ بھی سن کر کلمہ طیبہ پڑھنا شروع کر دے تاکہ اس کا خاتمہ بالخیر ہو جائے۔ اس کو حکم نہیں کرنا چاہیے کیونکہ موت کی سختی اور سکرات کی وجہ سے انکار کا خطرہ ہے۔ رحمت دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ (ابوداؤد ۲/۸۸، مشکوٰۃ ص ۱۴۱)

ترجمہ: جس شخص کا آخری کلام لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

توحید و رسالت پر ایمان و علم یقینی کے ساتھ اگر جاں کنی کے وقت زبان پر کلمہ طیبہ بھی جاری ہو جائے تو نہایت خوش بختی کی علامت ہے (اللَّهُمَّ ارْزُقْنَا إِيَّاهُ)

علماء کرام نے فرمایا کہ مسواک کے بہتر فائدے ہیں جن میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ نزع کے وقت زبان پر کلمہ طیبہ جاری ہو جاتا ہے اور اس کے برعکس



افیون کے ستر نقصان ہیں جن میں سے ایک نقصان یہ ہے کہ مرتے وقت کلمہ نصیب نہیں ہوتا۔ (استغفر اللہ العظیم) (نہایہ الال)

کلمہ طیبہ کے تقاضے

پہلا تقاضا..... ایمان اور اعمال صالحہ

ایمان اصل ہے اور اعمال فرع ہیں جیسے درخت کی جڑ اصل ہے اور شاخیں فرع، جسم انسانی کیلئے دل اصل ہے اور اعضاء فرع، اسی طرح دین کے اصول (جڑیں) عقائد ہیں اور فروع (شاخیں) اعمال صالحہ ہیں۔

عقائد و اعمال کی اصل و اساس کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ ہے۔ الحمد للہ اہل سنت کے تمام عقائد و معمولات کی بنیاد انہی دو (کتاب و سنت) پر ہے۔

یاد رہے کہ ایمان صرف عقیدہ توحید و رسالت تک محدود نہیں بلکہ اس کے لیے کچھ اور بھی شرائط ہیں مثلاً سابقہ انبیاء و مرسلین، ملائکہ، آسمانی کتب، موت، بعث بعد الموت (قیامت)، تقدیر، یوم آخرت پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے سرور دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک انسان چار باتوں پر ایمان نہ لائے مومن نہیں ہو سکتا۔

”يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّي رَسُولُ اللَّهِ بَعَثَنِي بِالْحَقِّ وَيَوْمُ الْمَوْتِ وَيَوْمُ مِنَ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَيَوْمُ مِنَ بِالْقَدْرِ“

(ترمذی ۲/۳۷۷ واللفظ لہ ابن ماجہ ص ۹)

ترجمہ: گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کا رسول ہوں اللہ نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے اور ایمان رکھتا ہو موت پر اور موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر اور تقدیر پر۔

ایمان درخت ہے اعمال شاخیں ہیں۔ شاخیں سرسبز و شاداب ہوں تو

درخت بارونق اور خوبصورت نظر آتا ہے۔ ایمان ایک ایسا شجرہ طیبہ ہے جس کی شاخوں پر اعمال صالحہ کے برگ و بار اور عبادات کے رنگارنگ پھول اور پھل لگتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَلَا يُؤْمَانُ بِضَعٍّ وَسَبْعُونَ شُعْبَةً فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
وَأَذْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْإِيمَانِ

(مسلم ۱/۴۷ مشکوٰۃ ۱۲)

ترجمہ: ایمان کی ستر سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں سب سے افضل لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہنا ہے اور سب سے ادنیٰ کسی تکلیف دینے والی چیز (پتھر، کانٹا وغیرہ) کو راستے سے ہٹانا ہے اور حیاء بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔

ثابت ہوا کہ کلمہ طیبہ اجمال ہے اور اسلام اس کی تفصیل ہے جس طرح بیج میں پورا درخت چھپا ہوتا ہے اسی طرح اس مختصر سے کلمہ طیبہ میں پورا اسلام مستور ہے۔ ایمان لانے کے بعد اعمال صالحہ بجالانا کلمہ طیبہ کا اولین تقاضا ہے۔ کسی منشور یا دستور کی سچائی کا یقین اس امر پر موقوف ہے کہ ہم اس پر دل و جان سے عمل بھی کریں یہودیوں کے نزدیک سب سے زیادہ اہمیت عمل اور رسم و رواج کو حاصل ہے۔ عیسائیوں کے نزدیک صرف ایمان و عقیدہ ہی مدار نجات ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ عمل کو بھی جمع کر دیا جائے کیونکہ نجات کا انحصار ایمان و اعمال دونوں پر ہے ایمان کے درخت کا پھل اعمال صالحہ ہیں ہر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اگر ہمیں کوئی ایسا شخص نظر آئے جو ایمان کا دعویٰ تو کرتا ہو مگر اس کے اعمال میں ایمان کے مطابق کوئی تبدیلی نظر نہ آئے تو سمجھ لینا چاہیے کہ ایمان نے اس کی زبان سے گزر کر اس کے دل میں اثر نہیں کیا اور نہ ہی اسے ایمان کی لذت حاصل ہوئی ہے۔



دوسرا تقاضا..... انقلاب

کلمہ طیبہ کا دوسرا تقاضا فکر و نظر میں انقلاب پیدا کرنا ہے۔ کیونکہ جب انسان کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ میرا خالق و مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے جو وحدہ لا شریک ہے تو پھر اپنے خالق و مالک کے تمام احکام پر (اقرار باللسان و تصدیق بالقلب کے مطابق) عمل کرنا اور زندگی کو انقلاب آشنا بنانا ضروری ہو جاتا ہے محض زبان سے کلمہ پڑھ لینا جنت میں داخلے کی ضمانت نہیں زبانی کلمہ تو منافقین بھی پڑھتے تھے۔

کلمہ طیبہ پڑھنے والے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے ظاہر و باطن، قلب و نظر، قول و فعل، جلوت و خلوت میں تضاد نظر نہ آئے۔ منافقت اور دورنگی کی زندگی یکسر ختم ہو جائے اور انسان سراپا اسلام بن جائے۔ اور ”أَدْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً“ (البقرہ ۲۰۸) کا نمونہ نظر آئے۔

زبان نے کہہ بھی دیا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تو کیا حاصل

دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

کلمہ طیبہ کا مطالبہ ہے کہ انسان گزشتہ عمر کی تمام سیہ کاریوں اور بد اعمالیوں سے مکمل توبہ کر کے آئندہ زندگی ایمان کے تقاضوں کے مطابق بسر کرے ہم لوگ زبان سے تو کلمہ پڑھتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم کلمہ کے تقاضوں سے نا آشنا ہیں علامہ اقبال فرماتے ہیں:۔

چوں بگویم مسلمانم بلرزم

کہ دامن مشکلات لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ را

تیسرا تقاضا..... اخلاص

اصطلاح شرع میں تمام اعتقادات، عبادات، معاملات کو شرک، کفر، نفاق وغیرہ سے پاک و صاف رکھنے کا نام اخلاص ہے۔ عقائد و اعمال کی قبولیت کا دار و مدار



اخلاص ہی پر ہے۔ اخلاص کی ضد شرک و نفاق ہے۔
 بعض واعظین لوگوں کو کلمہ طیبہ کی فضیلتیں تو بہت سناتے ہیں لیکن وہ کلمہ طیبہ
 کی ضروری تشریح اور اسکی قیدیں بیان نہیں کرتے جس کی وجہ سے عام لوگ صرف
 زبان سے رسمی طور پر کلمہ پڑھ لینے کو ہی کافی سمجھتے ہیں۔

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں ایک قول لکھا ہے:

وَمَعْنَاهُ مَنْ قَالَ الْكَلِمَةَ وَأَذَى حَقَّهَا وَفَرِيضَتَهَا (مسلم ۴۱/۱)

ترجمہ: کلمہ کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص کلمہ پڑھے وہ اس کا حق اور عائد کردہ فریضہ
 ادا کرے۔

یہ تبھی ممکن ہے کہ کلمہ پڑھنے والا اخلاص کی دولت سے مالا مال ہو۔ حدیث
 پاک میں کلمہ طیبہ کو اخلاص کے ساتھ مقید کر دیا گیا ہے۔

ملاحظہ ہو! رسول اکرم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میری شفاعت کا
 سب سے زیادہ مستحق وسعادت مند وہ شخص ہوگا:

مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهِ (بخاری ۲۰/۱، مشکوٰۃ ص ۴۸۹)

ترجمہ: یعنی جس نے دل کی تہ سے خالص ہو کر کلمہ پڑھا ہوگا۔

اخلاص کو خراب کرنے والی چیزوں میں سب سے زیادہ مہلک چیز ریاء
 و سمعہ ہے۔ ریاء و سمعہ یہ ہے کہ انسان رضائے الہی اور آخرت کی کامیابی کی نیت
 سے عمل نہ کرے بلکہ لوگوں کے درمیان اپنی تعریف، نیک نامی اور شہرت مقصود ہو
 حدیث پاک میں اسی چیز کو شرک خفی سے تعبیر کیا گیا ہے کلمے کا مطلب ہی یہ ہے کہ
 شرک جلی و شرک خفی دونوں سے بچا جائے۔

چوتھا تقاضا..... حب خدا ﷻ و عشق مصطفیٰ ﷺ

کلمہ طیبہ کا ایک مہتمم بالشان تقاضیہ بھی ہے کہ ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی ذات سے بے پناہ محبت ہو قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (البقرہ، ۱۶۵)

ترجمہ: یعنی ایمان والے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ سے محبت کا نشان یہ ہے کہ نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ کی پابندی کی جائے۔ پاک دامن، امانت، دیانت، ایفائے عہد، رزق حلال، صدق مقال، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اصولوں کو اپنایا جائے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کے ساتھ ساتھ سرور کائنات ﷺ کی ذات سے والہانہ عشق و محبت بھی کلمہ طیبہ کے تقاضوں میں شامل ہے۔ کیونکہ حضور سرور کائنات ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے ہی ہمیں جو ہر ایمان حاصل ہوا ہے اسی لیے تمام دنیاوی قرابتیں اور محبتیں جذبہ عشق رسول کے سامنے ہیچ ہیں۔ سرور دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ

وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (بخاری ۱/۷۷ واللفظ، مسلم ۱/۴۹)

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کے دل میں میری محبت اس کی اولاد، والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہو۔

ثابت ہوا کہ عشق رسول ﷺ کے بغیر زندگی فضول ہے۔ منافقین مدینہ ایمان کا دعویٰ کرنے اور اعمال صالحہ بجالانے کے باوجود مومن نہیں تھے کیونکہ ان کے دل محبوب خدا ﷺ کی محبت میں گرفتار نہ تھے۔

محمد کی محبت دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے



رسول اللہ ﷺ کی محبت کی علامت یہ ہے کہ آپ کو بے مثل و بے عیب مانا جائے اور آپ کی غیر مشروط اطاعت و فرمانبرداری کی جائے۔

پانچواں تقاضا..... استقامت

کلمہ طیبہ کے تقاضوں میں سے ایک تقاضا استقامت ہے۔ کسی چیز کا سیدھا اور درست ہونا استقامت ہے۔ صراطِ مستقیم اس راستے کو کہتے ہیں جو سیدھا ہو اور اس میں کوئی کج و پیچ و بے اعتدالی نہ ہو۔ ”اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ“ میں دین کے سیدھے راستے پر قائم رہنے کی دعا کی جاتی ہے۔

استقامت کا مفہوم یہ ہوا کہ کلمہ طیبہ پڑھنے والا انسان زندگی کے آخری لمحے تک اسلام کے اصولوں پر عمل کرتا رہے اور ہر آزمائش و ابتلاء میں سے اس طرح ثابت قدمی سے گزر جائے کہ اسکے پائے استقلال میں ذرہ بھر لغزش و لرزش نہ آ سکے۔ قرآن پاک میں استقامت کا مفہوم یوں بیان ہوا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ (حم السجده ۳۰)

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ ثابت قدم ہو گئے ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کلمہ طیبہ کا دل کی گہرائیوں سے اقرار کرنے کے بعد ایمان میں ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کا عملی مظاہرہ مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے نزول کا باعث بنتا ہے۔

دوسری آیت میں اسی حقیقت کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

يَحْزَنُونَ (الاحقاف، ۱۳)

ترجمہ: بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے پھر اس پر ڈٹ گئے ان

کے لیے کوئی خوف اور غم نہیں ہوگا۔

حدیث پاک میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قَدْ قَالَ النَّاسُ ثُمَّ كَفَرُوا كَثُرُهُمْ فَمَنْ مَاتَ عَلَيْهَا فَهُوَ مِمَّنْ اسْتَقَامَ (ترمذی ۲/۱۵۷)
ترجمہ: بہت سے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب کہا مگر ان میں سے اکثر کافر ہو گئے پس جو مرتے دم تک اسی عقیدے پر جما رہا وہی ثابت قدم (صاحب استقامت) انسان ہے۔
ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت سفیان بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے سرور کائنات ﷺ سے اسلام کی ایک جامع اور مکمل تعلیم کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ (مسلم، مشکوٰۃ ص ۱۲)

ترجمہ: تو کہہ کہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا پھر ثابت قدم ہو جا۔

مذکورہ بالا حقائق یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ صاحب استقامت حضرات پر رحمت کے فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور وہ ان کے دینی و دنیاوی معاملات میں بطریق الہام والقاء امداد کرتے ہیں اور شرح صدر کی کیفیت سے نوازتے اور ان کے دلوں سے غم، ہم اور خوف و ملال کو دور کرتے رہتے ہیں۔ استقامت کی وجہ سے مومنین کے دلوں میں صبر، رضا، تحمل، عدل، رحم، خدا خونی، مخالفت نفس، فکر آخرت اور دیگر اخلاق حسنہ جیسے پاکیزہ جذبات و احساسات پروان چڑھتے ہیں اور انسانیت تکمیل کے مراحل و مدارج طے کرتی ہے۔

تصوف کی اصطلاح میں سلوک الی اللہ کے راستے میں اعتدال کی روش اختیار کرنے کو استقامت کہتے ہیں۔ استقامت کے تین درجے ہیں۔

۱۔ اصلاح ظاہر یعنی اپنے اعضاء و جوارح کو شرعی احکام کے مطابق درست کیا جائے اور اپنے جسم ظاہری کو تمام اعمال صالحہ کی بجائے آوری پر آمادہ کر دیا جائے۔ اس



طرح کہ تمام حرکات و سکنات، معاملات و معمولات کو سنت نبوی ﷺ کے سانچے میں ڈھال دیا جائے۔

۲..... اصلاح باطن یعنی قلب انسانی کو شرعی احکام کی تعمیل میں اس طرح اخلاص پر آمادہ کیا جائے کہ ہر کام کا مقصد صرف اللہ کی رضا حاصل کرنا ہو۔

۳..... ظاہر و باطن میں توازن و ہم آہنگی تمام واردات قلبی (کشف و کرامات و خرق عادات) اور معاملات ظاہری و باطنی کو سنت نبوی ﷺ کے ترازو میں تولاجائے۔ اگر وہ سنت کی مطابق ہوں تو اعتبار کیا جائے ورنہ ان سب کو نظر انداز کر دیا جائے اور کوئی اہمیت نہ دی جائے۔

صوفیائے کرام نے اسی حقیقت کے پیش نظر فرمایا ہے:

الْإِسْتِقَامَةُ فَوْقَ الْكَرَامَةِ

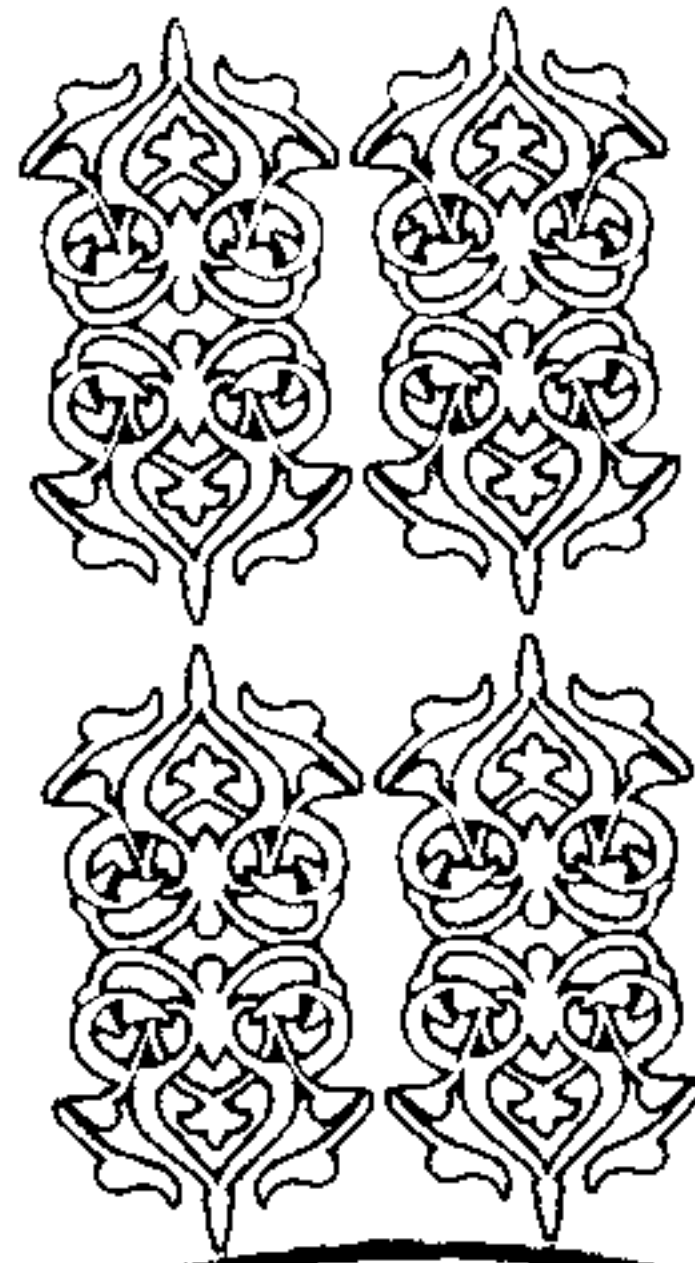
ترجمہ: یعنی استقامت کرامت سے اوپر ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کلمہ طیبہ کی حقیقت سے آشنا فرمائے اور اس کے تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ خاتمہ بالخیر نصیب ہو۔

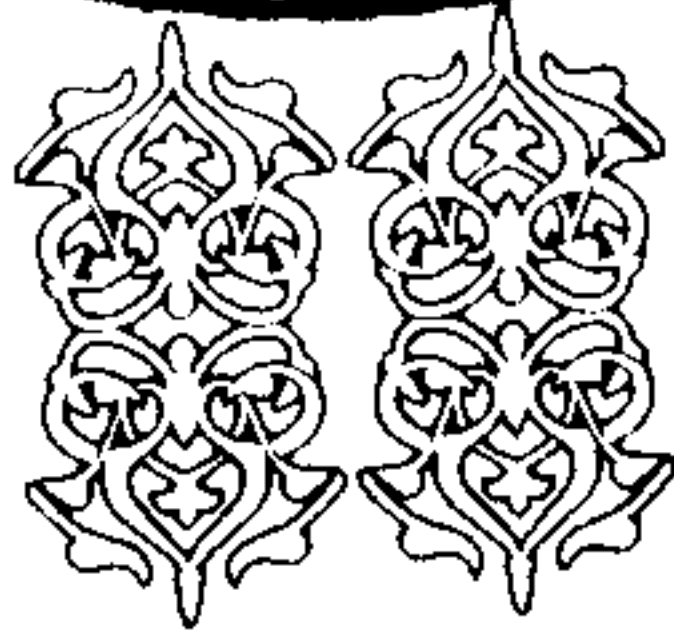
اللهم آمین بجاء النبی الامین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

اللهم ارزقنا حبک وحب حبیبک الکریم

علیہ الصلوٰۃ التسلیم برحمتک یا ارحم الراحمین



ایمان اور
اسکے ثمرات



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رُسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا (النساء، ۱۳۳)

مذکورہ بالا آیت مبارکہ کی تشریح و تفسیر کے چار حصے ہیں پہلے حصے میں ترجمہ اور مختصر تشریح، دوسرے حصے میں ایمان کا لغوی مفہوم، تیسرے میں ایمان کا اصطلاحی اور شرعی مفہوم، چوتھے حصے میں ایمان کے ثمرات بیان کئے جائیں گے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا“ اے ایمان والو! ایمان لاؤ

”بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ“ اللہ اور اس کے رسول پر

”وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رُسُولِهِ“

اور اس کتاب پر جس کو اللہ نے آہستہ آہستہ نازل کیا۔ اپنے رسول مکرم پر

”وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ“

اور ان تمام کتابوں پر جو اللہ نے نازل فرمائی ہیں اس سے پہلے۔

”وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ“

ترجمہ: اور جس نے انکار کیا اللہ کا ”وَمَلَائِكَتِهِ“ اور اس کے فرشتوں کا ”وَكُتُبِهِ“

اور اس کی کتابوں کا ”وَرُسُلِهِ“ اور اس کے رسولوں کا۔ ”وَالْيَوْمِ الْآخِرِ“ اور

آخرت کے دن کا (جس نے بھی ان امور کا انکار کیا) ”فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا“

پس وہ کافر ہو گیا اور دور کی گمراہی میں جا گرا۔ ”وَالْعِيَاذُ بِاللَّهِ تَعَالَى“

عقل کا تقاضا تو یہ ہے کہ کفار اور مشرکین کو ایمان کی دعوت دی جاتی لیکن

اس آیت میں ایمان والوں کو ایمان لانے کی دعوت دی جا رہی ہے تو یہ تحصیل حاصل ہے اس کا کیا مطلب؟

شان نزول

اس کا مفہوم سمجھنے کے لیے نسب سے پہلے شان نزول پر نظر رکھنی چاہیے۔ اس آیت کے شان نزول کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور کعب کے دو بیٹے اسد و اسید اور ثعلبہ بن قیس اور عبداللہ بن سلام کے بھانجے اور ان کے بھتیجے حضور سرور دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور یہ مطالبہ پیش کیا کہ ہم صرف اللہ کی ذات پر آپ کی رسالت پر اور کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی کتاب تورات پر اور حضرت عزیر علیہ السلام پر ایمان لاتے ہیں ان کے سوا کسی رسول اور کسی کتاب پر ایمان نہ لائیں گے اور نہ ہی ہمیں باقی کتابوں اور باقی نبیوں پر ایمان لانے کے لیے مجبور کیا جائے۔ ہمارا اتنا ہی ایمان قبول کر لیا جائے نبی اکرم نور مجسم ﷺ نے فرمایا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ ناممکن ہے ایمان لانا ہے تو پورا لاؤ جب تک سارے رسولوں اور ساری کتابوں پر ایمان نہیں لاؤ گے مومن نہیں بن سکو گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے فرمان کی تائید میں یہ آیت نازل فرمائی۔

چنانچہ وہ لوگ اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد سب پر ایمان لے آئے اور کامل ایمان اختیار کر لیا جیسا کہ تفسیر کبیر اور روح المعانی میں مذکور ہے۔

تفسیر

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اے ایمان والو! ایمان لاؤ یعنی اے موسیٰ و عزیر علیہما السلام اور تورات پر ایمان رکھنے والو! میرے آخری نبی اور کتاب پر اور سارے رسولوں اور ان کی کتابوں پر بھی ایمان لاؤ۔

یایوں سمجھیئے! گویا یوں ارشاد ہو رہا ہے ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ اے ایمان کا دعویٰ کرنے والو! ایمان صرف زبانی دعوے کا نام نہیں اے زبان سے اقرار



کرنے والو! ایمان صرف زبانی اقرار کرنے کا نام نہیں ”اٰمِنُوْا“ دل کے ساتھ تصدیق بھی کرو کیونکہ ایمان کے دو درجے ہیں ایک ”اقرار بِاللِّسَان“ زبان سے اقرار کرنا اور دوسرا ”تصدیق بِالْقَلْب“ دل سے تصدیق کرنا۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ”اٰمِنُوْا“ سے مراد عام مومنین ہیں جو پہلے ایمان لاچکے انہیں فرمایا جا رہا ہے ”اٰمِنُوْا“ یعنی اب ایمان پر ثابت قدم رہو جیسا کہ صاحب تفسیر کبیر نے لکھا ہے:

”دَوِّمُوا عَلٰی الْاِيْمَانِ وَاثْبُتُوا عَلَيْهِ“ (الخ)

ترجمہ: یعنی ایمان میں دوام و ثبات لازم پکڑو

حضور ﷺ نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا:

”قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ“

ترجمہ: یعنی کہہ میں اللہ پر ایمان لایا پھر استقامت پذیر ہو جا (یعنی ڈٹ جا)

ایمانی عظمت کا راز یہ ہے کہ ”استقامت علی الایمان“ نصیب ہو

جائے اور بڑے سے بڑا خوف اور بڑے سے بڑا لچ بھی صاحب ایمان کے قدموں کو متزلزل نہ کر سکے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیاں استقامت علی الایمان کی واضح اور زندہ تفسیریں اور تصویریں تھیں۔

ایمان مجمل اور ایمان مفصل

اس آیت کا مفہوم مفسرین نے یوں بھی بیان فرمایا ہے کہ ایک ہے ایمان اجمالی

اور ایک ہے ایمان تفصیلی۔

ایمان اجمالی کیا ہے؟

”اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ“ کما هو باسمائہ و صفاتہ و قبلت جمیع احکامہ



اقرار باللسان و تصدیق بالقلب“

ایمان اجمالی میں مجمل طور پر ایمان کا خاکہ بتایا گیا ہے۔

یعنی میں ایمان لایا اللہ پر جیسا کہ وہ ہے اپنے اسموں اور اپنی صفتوں کے ساتھ اور میں نے اس کے تمام احکام کو قبول کیا زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرتے ہوئے۔

ایمان تفصیلی کیا ہے؟

”امنت باللہ و ملکته و کتبه و رسله و الیوم الآخر و القدر خیرہ

و شره من اللہ تعالیٰ و البعث بعد الموت“

یعنی میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس کے فرشتوں پر اسکی کتابوں پر اس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر اور اچھی اور بری تقدیر پر اللہ کی طرف سے اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر۔

یہ ہے ایمان تفصیلی تو اس آیت میں فرمایا جا رہا ہے۔ ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

آمِنُوا“..... ”آمِنُوا“ (صیغہ ماضی کے ساتھ) اے اجمالی ایمان لانے والو! ”آمِنُوا“

(صیغہ امر کے ساتھ) اب تفصیلی ایمان لے آؤ۔ یعنی اے اجمالی ایمان والو اب تفصیلی

ایمان کا اعلان بھی کر دو۔ علماء اہلسنت نے اس آیت مبارکہ اور اس جیسی دوسری

آیات طیبات سے ایمان مفصل اور ایمان مجمل کی اصطلاحات کا ثبوت پیش کیا ہے۔

ایمان تقلیدی اور ایمان تحقیقی

اس آیت کے مفہوم میں مفسرین نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ایک ہے ایمان

تقلیدی ایک ہے ایمان تحقیقی۔

ایمان تقلیدی : یہ ہے کہ تم نے سنا اور سن کے مان لیا یعنی اپنے نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق اللہ تعالیٰ کو وحدہ لا شریک مان لیا، ہم نے علماء و مشائخ سے سنا اپنے والدین اور اساتذہ سے سنا چونکہ ہم نے وراثتاً اسلام کو حاصل کیا ہے لہذا ہم ایمان لے آئے یہ ایمان تقلیدی ہے جو کہ عوام مومنین کا ایمان ہے۔

ایمان تحقیقی : ایمان تحقیقی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود کو وجود حقیقی سمجھا جائے اور اسکے ماسوا کو وجود اعتباری اور اس پر ایسا کامل یقین آ جائے کہ تمہارا دل بھی مومن ہو اور دماغ بھی، زبان بھی، مومن ہو اور حواس بھی، ساری دنیا بد لے تو بد لے لیکن اللہ کی ذات پر تمہارے ایمان میں کوئی تبدیلی نہ آ سکے اس کو ایمان تحقیقی کہتے ہیں اور یہ ایمان انبیاء کرام اور اولیاء عظام کا ایمان ہے۔

تو اس آیت کا معنی یہ بنا ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا“

اے تقلیدی ایمان والو! اب تحقیقی ایمان بھی لے آؤ۔

یا اس آیت کا مفہوم یہ ہے ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ اے ایمان والو! کلمہ پڑھنے والو! مسلمان کہلانے والو! تم نے زبان سے کلمہ تو پڑھ لیا ہے دل سے تصدیق بھی کر لی ہے لیکن ابھی تمہارا کام پورا نہیں ہوا تمہارا کام اس دن پورا ہوگا جس دن تمہارا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔

”وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ“

نفس اور شیطان تمہارے دشمن ہیں تمہارے پیچھے لگے ہوئے ہیں تم سے دولت ایمان چھین لینا چاہتے ہیں اس لئے یہ نہ سمجھ لینا کہ ایمان لے آئے ہیں تو بس کافی ہو گیا نہیں بلکہ ایمان کی حفاظت بھی کرو۔ ایمان کے کچھ تقاضے بھی ہیں ایمان کے کچھ اثرات بھی ہیں ایمان کے کچھ ثمرات بھی ہیں ایمان کے کچھ لوازمات بھی ہیں ایمان کے کچھ نتائج بھی ہیں اور ایمان کی کچھ حقیقتیں بھی ہیں۔ جب تک ان تمام کو تم



اپنے دل و دماغ میں پیوست نہیں کر لو گے جب تک ایمان کی حقیقتوں کو قلب و روح کی گہرائیوں میں نہ سما لو گے اس وقت تک خطرہ ہی خطرہ ہے اور تمہیں اس بات کی کس نے ضمانت دی ہے کہ مرتے وقت تمہارا ایمان سلامت رہے گا؟ اس لیے ڈرتے رہو لرزتے رہو کانپتے رہو دعائیں مانگتے رہو۔

”اللَّهُمَّ ثَبِّتْنَا عَلَى الْإِيمَانِ“

اے بارالہا! ہمیں ایمان پر ثابت قدم رکھنا۔

اور اللہ کی بارگاہ میں یہ التجائیں کرتے رہو کہ اے اللہ ہم نے جس ایمان کا اقرار و اظہار کیا ہے مرتے دم نزع کے وقت بھی اس پر ہمیں قائم رکھنا۔ (اللہم امین)۔

خدایا بحق بنی فاطمہ

کہ بر قول انہما کنی خاتمہ

قارئین کرام! فرمایا جا رہا ہے اے ایمان والو! مہد سے لے کر لحد تک ماں کی گود سے لے کر قبر کی گود تک اپنے ایمان کی حفاظت کرو اور ایمان کی سلامتی کی دعائیں مانگو۔ مزا تو جب ہے کہ نزع کا وقت ہو موت آرہی ہو روح قفسِ عنصری سے پرواز کر رہی ہو سلسلہ حیات منقطع ہو رہا ہو موت کے فرشتے سامنے دکھائی دے رہے ہوں ہمارے چہروں پر مسکراہٹ ہو لبوں پر کلمہ ہو دلوں میں عشق ہو اور نگاہوں کے سامنے جمالِ مصطفیٰ ﷺ کے جلوے ہوں اور غیب سے ندا آرہی ہو۔

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝

نشانِ مردِ مومن باتو گوئم

چو مرگ آید تبسم برب اوست

اس کے بعد فرمایا گیا ”امِنُوا بِاللّٰهِ“ اللہ پر ایمان لاؤ کیونکہ ایمان کا سب سے اعلیٰ درجہ ایمان باللہ ہے یعنی اللہ پر ایمان لانا ایک ایمان باللہ ہے اور ایک توحید باللہ ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ قرآن میں کسی جگہ بھی یہ نہیں فرمایا گیا کہ اللہ کی توحید پر

ایمان لاؤ بلکہ یوں کہا گیا ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ۔ کیوں؟ اس کی حکمت یہ ہے کہ توحید باللہ اور ہے ایمان باللہ اور ہے۔

توحید باللہ اور ایمان باللہ میں فرق

توحید باللہ میں ایمان نہیں آتا اور ایمان باللہ میں توحید بھی آ جاتی ہے مثال کے طور پر اللہ کو ایک ماننا ایک جاننا یہ توحید ہے اور ایمان نہیں۔ ایمان کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ توحید تو ایمان کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے توحید تو ایمان کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے۔ توحید میں سارا ایمان نہیں ایمان میں ساری توحید ہے۔

سنئے ہمارا دعویٰ ہے کہ قرآن وحدیث میں لفظ توحید کا کوئی مشتق ماضی مضارع اسم فاعل اسم مفعول کے معنی میں استعمال نہیں ہوا ہاں لفظ ایمان کے تمام مشتقات قرآن وحدیث میں مذکور موجود ہیں۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے ہمارا نام موحدین نہیں رکھا بلکہ فرمایا ”هُوَ سَمَّاكُمْ الْمُسْلِمِينَ“ یعنی ہم نے تمہارا نام مسلمین اور مؤمنین رکھا ہے۔

ثابت ہوا کہ محض توحید ماننے سے ایمان ثابت نہیں ہوتا کیونکہ توحید اجمال ہے ایمان تفصیل ہے۔ توحید جزو ہے ایمان کل ہے۔

فادنین کرام! توحید و ایمان کا فرق یوں سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کو عقل وشعور کے ذریعے ماننا توحید ہے اور نبی کے ذریعے ماننا ایمان ہے اللہ اور نبی کے درمیان جدائی کرنا کفر صریح ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ مِنْ بَعْضٍ وَنَكْفُرُ مِنْ بَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا..... (الحج)

ترجمہ: یعنی جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں میں تفریق



وجدائی کر دیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لائیں گے اور بعض کا انکار کریں گے اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان کوئی اور راستہ اختیار کریں یہی لوگ پکے کافر ہیں۔ ثابت ہوا کہ اللہ و رسول کو ملانا ایمان ہے مولانا یار محمد بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا

میں اپنی حیاتی توں قربان تھیواں
احد نال احمد ملیندے گزر گئی

ایمان بالرسول کا مفہوم

اللہ پر ایمان لانے کے بعد ارشاد فرمایا ”وَرَسُوْلِهٖ“ یعنی اس کے رسول پر بھی ایمان لاؤ ایمان باللہ کے مفہوم کی وضاحت سے معلوم ہوا کہ صرف موحد ہونے سے کوئی انسان مومن کہلانے کا حقدار نہیں بنتا جب تک ایمان حاصل نہ کرے ثابت ہوا اصل چیز ہے مومن ہونا موحد تو ابلیس بھی ہے وہ آج بھی اللہ کی توحید کا قائل ہے سارے کافروں سے بڑا کافر شیطان ہے۔ ساری دنیا میں سب سے بڑا شیطان ابلیس ہے کیا وہ اللہ کی توحید کا منکر ہے؟ نہیں! اللہ کو اللہ مانتا ہے اللہ کو ایک مانتا ہے وہ اللہ کا منکر نہیں موحد تو ہے لیکن مومن نہیں اس لیے کہ توحید اللہ کو ماننے کا نام ہے اور ایمان نبی کو ماننے کا نام ہے۔ شیطان اللہ کو ایک مان کر بھی مومن نہیں بنا اس لیے کہ اس نے نبی کو نہیں مانا۔

ثابت ہوا اللہ کو مان لینا توحید ہے اور نبی کو مان لینا ایمان ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر رب کو ماننے والا نبی کو مانے لیکن یہ ضروری ہے کہ ہر نبی کو ماننے والا اللہ کو بھی مان لے جس طرح کہ کلمہ توحید کے دو جزو ہیں ایک ہے لا الہ الا اللہ دوسرا ہے محمد رسول اللہ یہ ضروری نہیں کہ جو ”لا الہ الا اللہ“ کہے وہ مومن ہو جائے لیکن یہ ضروری ہے کہ جو ”محمد رسول اللہ“ کا اقرار کر لے وہ مومن ہو جائے کیوں؟ اس لیے کہ ”لا الہ الا اللہ“ میں صرف توحید ہے اور ”محمد رسول اللہ“ میں ایمان

بھی ہے اور تو حید بھی ہے۔

فرمایا ”ورسولہ“ اور ایمان لاؤ اللہ کے رسول پر

دیکھئے اللہ تعالیٰ نے اپنا ذاتی نام لے کر ”آمنوا باللہ“ کہا مگر حضور ﷺ کا ذاتی نام لے نہ لیا بلکہ ”ورسولہ“ فرمادیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ حضور ﷺ کا بھی ذاتی نام لیا جاتا اور اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَ مُحَمَّدٍ“ لیکن ایسا نہیں فرمایا بلکہ فرمایا ”ورسولہ“ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ حضور ﷺ کا ذاتی نام نہ لیا بلکہ آپ کا وصف رسالت بیان کیا تا کہ یہ بات ثابت ہو جائے کہ انبیاء و مرسلین کو دو قسم کی صفتیں عطا کی جاتی ہیں ایک قسم وہ جن کا آنکھوں سے مشاہدہ ہو سکے جیسے بشریت اور اس کے لوازمات کھانا پینا سونا جاگنا مکی ہونا مدنی ہونا آمنہ کالال ہونا عبد اللہ کا بیٹا ہونا وغیرہ۔ یہ صفات تو کفار بھی مانتے ہیں۔ لہذا نبی کے لیے اس قسم کی صفات ماننا ایمان بالرسول نہیں ورنہ ابو جہل اور ابولہب بھی مومن کہلاتے کیونکہ حضور ﷺ کو بشر تو وہ بھی مانتے تھے۔ دوسری قسم کی صفتیں وہ ہیں جن کا ظاہری آنکھوں سے مشاہدہ نہیں کیا جاسکتا وہ غیب ہیں جیسے حضور ﷺ کا نبی ہونا رسول ہونا خاتم النبیین ہونا رحمۃ للعالمین ہونا وغیرہ ان صفات کا ماننا ایمان ہے۔

اس مسئلے کو ذہن نشین کرانے کے لیے ایک بات کہتا ہوں امید ہے کہ آپ کے ذوق ایمان میں اضافہ ہوگا ایک شخص کہتا ہے کہ میرا قرآن پر ایمان ہے میں قرآن کو اس طرح مانتا ہوں کہ تاج کمپنی کا چھپا ہوا ہے۔ میں مانتا ہوں کہ اس کو کاغذ بہترین لگا ہوا ہے۔ کاتب کے قلم کے ساتھ سیاہی سے لکھا ہوا ہے۔ میں مانتا ہوں کہ کپڑے کے غلاف میں لپٹا ہوا ہے۔ گتے کی جلد میں محفوظ ہے۔

بتائیے! جس آدمی نے یہ چیزیں مان لیں کیا اس نے قرآن پاک کو مان لیا؟ نہیں! معلوم ہوا قرآن کی صورت اور قرآن کے لباس کو مان لینے سے ایمان ثابت نہیں ہوتا۔ جب تک یہ نہ مانے کہ ”ذَالِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْہِ“ جب تک یہ نہ



مانے ”بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ۝ فِی لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ“ اور یوں نہ مانے ”فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلٰی قَلْبِكَ“ اور جب تک اس طرح نہ مانے کہ یہ لاہوتی نغمہ ہے ازیلی عہد نامہ ہے آسمانی صحیفہ ہے اور آخری نبی پر نازل ہونے والی آخری کتب ہے۔

”إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ“

تو جب تک یہ باتیں نہ مانے اس کا قرآن پر ایمان نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص دعویٰ کرے کہ میں نبی کو مانتا ہوں اور اپنے ایمان کے ثبوت میں یہ بات پیش کرے کہ آپ بشر تھے کھاتے پیتے تھے لباس پہنتے تھے آپ کے ماں باپ بھی تھے آپ کے بیوی بچے بھی تھے آپ ﷺ کو بھوک بھی لگتی تھی آپ چلتے پھرتے تھے آپ کا نام محمد ﷺ ابن عبد اللہ رضی اللہ عنہ تھا آپ کی والدہ کا نام آمنہ رضی اللہ عنہا تھا آپ مکے میں پیدا ہوئے تھے پھر آپ ہجرت کے بعد مدینے چلے گئے تھے یہ ساری باتیں اگر کوئی مانے اور کہے یہی ایمان ہے تو کیا حضور ﷺ کو صرف ان چیزوں کے ساتھ ماننا ایمان کہلائے گا؟ نہیں کہلائے گا۔ معلوم ہوا کہ صرف صورت کا ماننا ایمان نہیں بلکہ حقیقت کا ماننا ایمان ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو وصف رسالت کے ساتھ ماننے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا ”وَرَسُولُهُ“ اس کے رسول کو مانو۔ رسالت اللہ کی طرف سے مخلوق کی طرف آنے کو کہتے ہیں۔

”الرَّسُولُ هُوَ انْشَاءُ بَعَثَ اللَّهُ إِلَى الْخَلْقِ لَتَبْلِيغِ الْأَحْكَامِ مَعَهُ

كِتَابٌ وَشَرِيعَةٌ مُتَجَدِّدَةٌ“ ۝

لفظ رسول کے مفہوم میں اللہ کی طرف سے کتاب اور شریعت لے کر مخلوق کی طرف ہدایت و تبلیغ کے لیے آنا ثابت ہوتا ہے یہ چیز ذاتی نام سے ثابت نہ ہو سکتی تھی اس لیے آپ کے منصب رسالت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ”وَرَسُولُهُ“ اور اللہ کے رسول کو مانو جس کو رب نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے اپنا ترجمان بنا کر بھیجا ہے اس



کو کس طرح مانو صرف اس کے ظاہری جسم و صورت کو ماننے سے تم مومن نہیں بن سکتے، صرف اسکی بشریت تسلیم کرنے سے تم مومن نہیں بن سکتے تم مومن تب بنو گے جب اس کو یوں مانو گے۔

”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِآذَنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا“ O

اگر میرے نبی کو ماننا ہے تو اسے نبی مانو، رسول مانو، پیغمبر مانو، شاہد مانو، محبوب مانو، داعی الی اللہ مانو، بشیر و نذیر مانو، سراج منیر مانو۔

جس طرح قرآن کی ظاہری صورت کو مان لینے سے ایمان ثابت نہیں ہو سکتا جب تک اس کی معنوی صورت کو تسلیم نہ کیا جائے اسی طرح سرکارِ دو عالم ﷺ کی ظاہری صورت کو مان لینا ثبوتِ ایمان کے لیے کافی نہیں جب تک آپ کی معنوی صورت کو اس کے تمام کمالات و صفات کے ساتھ نہ مان لیا جائے۔ اس لیے فرمایا ”اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ“ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر۔

ایمان بالکتاب کا مفہوم

وَالْكِتَابِ - تیسرے نمبر پر کتاب کا ذکر فرمایا ”وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُوْلِهِ“..... نَزَّلَ باب تفعیل ہے اللہ فرماتا ہے اس کتاب پر ایمان لاؤ جس کتاب کو اللہ نے اپنے رسول پر آہستہ آہستہ (تیس برس کے عرصے میں) نازل فرمایا، یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتنی لمبی عبارت ذکر فرمائی ”وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُوْلِهِ“ اگر اتنا کہہ دیتا ”وَالْكِتَابِ“ یا ”وَالْقُرْآنِ“ تو مسئلہ بھی حل ہو جاتا ”خَيْرُ الْكَلَامِ مَا قُلَّ وَذَلَّ“ الفاظ بھی مختصر ہوتے اور معنی بھی سمجھ میں آ جاتا کیونکہ مقصود تو صرف یہ تھا کہ لوگ قرآن کو مانیں لیکن رب تعالیٰ نے صرف یہ نہیں فرمایا کہ قرآن کو مانو بلکہ فرمایا قرآن کو مانو جو میرے رسول پر نازل ہوا ہے تاکہ ثابت ہو جائے کہ

قرآن پر ایمان لانا اس لیے ضروری ہے کہ وہ حضور ﷺ کی ذات پر نازل ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ بلا واسطہ قرآن کو ماننا ایمان نہیں بلکہ بواسطہ رسالت قرآن کو ماننا ایمان ہے۔ دامن محبوب کو چھوڑ کر قرآن کو مان لینا ہرگز مفید نہیں ہاں دامن محبوب کی ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکوں میں قرآن پڑھو گے سمجھو گے تو تمہیں ایمان کی لذتیں حاصل ہوں گی اور تمہیں معلوم ہوگا کہ حضور سرور کائنات ﷺ صرف حامل کتاب نہیں بلکہ مجسم کتاب ہیں۔ قرآن تو قرآن رہا ہم تو خدا کو بھی بوسیہ مصطفیٰ ﷺ مانتے ہیں۔

فیض ہے یہ اے رضا احمد پاک کا
ورنہ ہم کیا سمجھتے خدا کون ہے

خدا کو مانو تو رسول کی معرفت ہے مانو قرآن کو مانو تو رسول کی معرفت سے مانو ورنہ نہ قرآن پر ایمان قبول ہوگا نہ خدا پر ایمان قبول ہوگا۔ اس کی ایک مثال دیتا ہوں:

دیکھئے یہ بجلی ہے اس میں براہ راست پاور ہے اس پاور کو ماننا ہے تو بلب ٹیوب اور پنکھے کی معرفت مانو۔ اگر پنکھا ہٹا کے بلب ہٹا کے بجلی کو چھو کر ماننے کی کوشش کرو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ بغیر وسیلہ کے اگر بجلی کی پاور کو ہاتھ لگاؤ گے تو جان کا خاتمہ ہو جائیگا۔ اسی طرح بتایا جا رہا ہے کہ خدا کے ماننے والو! اگر بغیر وسیلہ مصطفیٰ ﷺ کے خدا کو مانو گے تو ایمان کا خاتمہ ہو جائے گا۔

خدا کے بندو! تمہاری نگاہیں تو سورج کی تاب نہیں لاسکتیں، تم سورج کے خدا کی تاب کیسے لاسکو گے؟ موسیٰ کلیم علیہ السلام تو طور پر بے ہوش ہو گئے تھے تمہاری کیا ہستی ہے کہ اس کے جلوہ ہائے جلال و کمال کو برداشت کر سکو۔ خدا وہ بے مثل ذات ہے کہ جو آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا، کانوں سے سنائی نہیں دیتا، ہاتھوں سے پکڑائی نہیں دیتا، ناک سے سونگھائی نہیں دیتا، زبان سے چکھائی نہیں دیتا، حواس سے سوجھائی



نہیں دیتا۔ اگر اس خدا کو ماننا ہے تو رسول کے وسیلہ سے مانو۔ نبی ﷺ کے وسیلے سے مانو قرآن کو صرف اس نیت سے مان لینا کہ کلام اللہ ہے ہمارے پاس اول تو اس کا ظاہری ثبوت ہی نہیں، ہمیں کیسے پتہ چلا کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور پھر اللہ کا کلام تو رات بھی ہے، انجیل بھی ہے، زبور بھی ہے، اللہ کا کلام تو آسمانی صحیفے بھی ہیں۔

قرآن کے کلام اللہ ہونے کا علم تو ہمیں حضور ﷺ کے وسیلے سے ہوا۔ اگر حضور ﷺ تشریف نہ لاتے اور اللہ تعالیٰ صرف قرآن نازل فرما دیتا تو نہ عرفان ذات ہوتا اور نہ ہی توحید کے مسئلہ کی تکمیل ہوتی۔ اول تو قرآن کو جانتا کوئی نہ اور اگر کوئی جان بھی لیتا تو ماننا کوئی نہ کیونکہ قرآن مجید فقط احکام کا علم دیتا ہے ان کی تشریح نہیں کرتا تو ایسی صورت میں قرآنی احکام قابل عمل نہ ہوتے۔ حضور ﷺ نے یہ کرم فرمایا کہ ہمیں ان احکام پر عمل کر کے بتایا ورنہ عقل انسانی در بدر ٹھوکریں کھاتی پھرتی، اور عقل کے پاس قرآن کے قابل عمل ہونے کی کوئی سند نہ ہوتی۔

یوں سمجھئے کہ:

قرآن متن ہے..... حضور ﷺ اسکی تشریح

قرآن کنا یہ ہے..... حضور ﷺ اس کی تصریح

قرآن عبارت ہے..... حضور ﷺ اس کی تعبیر

قرآن نور ہے..... حضور ﷺ اس کی تنویر

قرآن ایک جسم ہے..... حضور ﷺ اس کی روح ہیں

قرآن ایک پھول ہے..... حضور ﷺ اس کی خوشبو ہیں

تو ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهِ“

یہ قرآن کس پر نازل ہوا ہے؟ ہمارے رسول پر! تو جب تک رسول تک نہیں

پہنچا تھا۔ ایمان لانا ضروری نہ تھا۔ قرآن کے نازل ہونے سے پہلے اس میں ”اقیموا

الصَّلٰوۃ“ کا حکم تھا ”کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصَّیَامُ“ کا فرمان تھا ”واَتُوا الزَّکٰوۃ“ کا

بیان تھا مگر عمل واجب نہ تھا عمل اس وقت واجب ہوا جب یہ احکام حضور کی زبان سے جاری ہوئے۔

اب ذرا اس بات پر غور فرمائیں کہ قرآن کی شان ”بل هو قرآن مجید فی لوح محفوظ“ قرآن یہاں آنے سے پہلے کہاں تھا لوح محفوظ میں تھا جب تک یہ قرآن لوح محفوظ میں تھا قرآن تھا۔ مگر ایمان اس پر نہ تھا۔ لوح محفوظ میں موجود تھا مگر قابل ایمان نہ تھا جو نبی لوح محفوظ سے میرے نبی کے دل پر اتر کر زبان سے نکلا تو قابل ایمان بن گیا۔

لہذا قرآن کو ماننا ہے تو مصطفیٰ ﷺ کی معرفت مانو یوں مانو کہ ایک ہیں قرآن کے الفاظ ایک ہیں اس کے معانی اور ایک ہیں اس کے اسرار۔ جب خدا کی ذات نے قرآن نازل کرنا چاہا تو دیکھا کہ الفاظ کو کہاں رکھوں اور اس کے اسرار کو کہاں رکھوں؟ واہ خدایا قربان جاؤں تیری عظمتوں پر تو نے قرآن کے الفاظ نازل کئے مصطفیٰ ﷺ کے کان پر قرآن کے معانی نازل کئے مصطفیٰ ﷺ کے دماغ پر اور قرآن کے اسرار نازل کئے مصطفیٰ ﷺ کے دل پر ”فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ“ قرآن اس لئے ایمان لانے کے قابل ہے کہ اس کے لفظ نبی کی زبان سے نکلے ہیں اس کے معانی نبی کے دماغ سے اترے ہیں اور اس کے اسرار نبی کے دل سے اٹھے ہیں۔

گویا یہ سارا قرآن بقول پنجابی شاعر

سیپارے صفحے سورتاں بن دے جاوَن

زباں پاک تھیں جو جو بولے محمد (ﷺ)

پہلی آسمانی کتابوں پر ایمان کا مفہوم

”وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ“ الف لام جنسی ہے کتاب سے مراد سب کتابیں ہیں وہ تمام کتابیں جو قرآن سے پہلے نازل ہوئی تھیں ان سب پر ایمان



لانے کا حکم دیا گیا ہے فرق اتنا ہے کہ پہلی آسمانی کتابوں پر ہمارا ایمان اجمالی ہے اور قرآن پر ہمارا ایمان تفصیلی ہے پہلی کتابیں منسوخ ہیں اب ان پر عمل نہیں ہو سکتا لیکن قرآن ہمیشہ قابل عمل ہے اور اس کی تعلیمات ہمہ گیر ہیں پھر فرمایا ”وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ“ (الخ) اور جس نے انکار کیا اللہ کا، اللہ کے فرشتوں کا، اللہ کی کتابوں کا، اللہ کے رسولوں کا اور آخرت کے دن کا ”فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا“ تو وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

ایک ہے ضلال قریب اور ایک ہے ضلال بعید قریب کی گمراہی یہ ہے کہ انسان حد کفر تک نہ پہنچے اور دور کی گمراہی یہ ہے کہ انسان ایمان سے دور ہو کر کفر میں داخل ہو جائے (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ ہر قسم کی گمراہی سے بچائے (آمین)

آیت مبارکہ کی نہایت مختصر تشریح کے بعد اب ایمان کے لغوی اور شرعی معنی کی طرف آتے ہیں۔

ایمان کا لغوی مفہوم

دیکھنا یہ ہے کہ ایمان کیا چیز ہے؟ ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ ہم سب سے پہلے ایمان کے معنی پر غور کرتے ہیں۔

ایک ہے ایمان کا لغوی معنی اور ایک ہے ایمان کا شرعی و اصطلاحی معنی لفظ ایمان کا مادہ اشتقاق امن ہے، امن کے لفظ سے ایمان مشتق ہے ایمان کی بنیاد امن ہے جو امن کا قائل نہیں وہ مومن نہیں ہے۔ لہذا ایمان کے اسی مفہوم کو ہم اپنے سادہ لفظوں میں یوں بیان کرتے ہیں ”جیو اور جینے دو“ یعنی خود بھی جیو دوسروں کو بھی جینے کا حق دو۔

حدیث پاک میں ہے :

الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ

ترجمہ: مسلمان وہ ہے جس کی زبان سے بھی کسی کو تکلیف نہ پہنچے اس کے ہاتھ سے بھی کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

مومن سراپا امن ہوتا ہے۔ ہمارا نبی امن کا پیغامبر ہے۔ اس نے اپنے دشمنوں کو بھی معاف کر کے امن و آشتی کی تعلیم دی ہے۔

ایمان کا معنی سمجھنے کے لیے پہلے یہ چیز ذہن نشین کریں کہ ایمان کے لغوی طور پر دو معنی ہیں۔

۱۔ امن لینا

۲۔ امن دینا

امن دینا یہ ایمان کا متعدی مفہوم ہے۔ امن لینا یہ ایمان کا غیر متعدی مفہوم ہے۔ تو دونوں مفہوم ہیں ایمان کے متعدی اور غیر متعدی لہذا امن دینے والے اور امن لینے والے کو مومن کہتے ہیں۔ مومن اسم فاعل ہے اللہ بھی مومن ہے آپ بھی مومن ہیں۔ قرآن میں آتا ہے کہ ”الْمُؤْمِنُ الْمُهِيمُنُ“ اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے مومن اب خواہ مخواہ آپ کے ذہن میں یہ بات آئے گی کہ اللہ کے مومن ہونے کا مطلب کیا ہے؟ اور ہمارے مومن ہونے کا مفہوم کیا ہے؟

تو اللہ مومن ہے بمعنی امن دینے والا اور ہم مومن ہیں بمعنی امن لینے والے ہم امن لینے والے ہیں وہ ہمیں امن دینے والا ہے۔ وہ اپنے عذاب سے امن دیتا ہے دوزخ سے امن دیتا ہے وہ امن دینے والا مومن ہم امن لینے والے مومن اللہ بھی مومن ہے میں بھی مومن آپ بھی مومن ہم سارے مومن مگر مومن کا مفہوم جدا جدا ہے تو مومن کی تعریف یہ بنے گی کہ جو خود امن لے اور دوسروں کو امن دے۔ خود جینے اور دوسروں کو جینے دے۔ یہ ہے ایمان کا لغوی مفہوم جو آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔

ایمان کا شرعی و اصطلاحی مفہوم

اصطلاح شریعت میں ایمان کس کو کہتے ہیں؟ تو یہ مسئلہ حدیث جبریل سے واضح ہوا، مشکوٰۃ شریف کتاب الایمان کی پہلی حدیث ہے اور حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں، فرماتے ہیں: کہ ہم حضور ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر تھے اچانک ایک آدمی آیا۔

”شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا يُرَى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ وَلَا يَعْرِفُهُ مَنَّا أَحَدٌ“ (الخ)

بہت سفید لباس والا بہت کالے کالے بالوں والا زلفیں بھی کالی داڑھی بھی کالی اس پر سفر کا کوئی اثر نہیں تھا، لیکن نہ وہ مکے والوں سے تھا نہ مدینے والوں سے تھا صورت بشری تھی ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا بھی نہیں تھا ”فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ“ اس نے اپنے دونوں گھٹنے حضور کے گھٹنوں سے ملا دیئے تشہد کی حالت میں بیٹھ گیا اس نے حضور سے تین سوال پوچھے ان میں سے ایک سوال یہ تھا ”أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ“ یہ بتائیں کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ”أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ“ (الی آخرہ) فرمایا ایمان یہ ہے کہ تو اللہ کو مانے اللہ کے رسولوں کو مانے اللہ کے فرشتوں کو مانے آخرت کے دن کو مانے اور تقدیر کو مانے یہ ایمان ہے۔ تو اس نے سر ہلایا اور تصدیق کی کہ ہاں آپ نے ٹھیک فرمایا جب وہ چلا گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ صحابہ تم جانتے ہو یہ کون تھا؟ تو صحابہ نے عرض کی حضور ﷺ آپ جانیں آپ کا خدا جانے ہمیں کیا معلوم! لیکن ہم سوچ رہے ہیں کہ اگر یہ مسافر ہوتا دور سے آیا ہوتا تو اس کے قدموں پر گرد ہوتی، کپڑوں پر غبار ہوتا، چہرے پر سفر کے آثار ہوتے، لیکن یہ تازہ بہ تازہ، نو بہ نو، پیکر نور سراپا سرور چہرہ پر

بہار لباس شاندار زلفیں تابدار ہم نے اس کو نہ مکے میں دیکھا نہ کبھی مدینے میں دیکھا
پتہ نہیں کون تھا؟

حضور ﷺ نے فرمایا ابے صحابہ! یہ جبرائیل امین تھا صرف اسلئے آیا تھا کہ
تمہیں دربار نبوت کے آداب سکھائے اور تمہیں بتائے کہ ایمان کیا چیز ہے۔ وہ پوچھتا
مجھ سے تھا سنا تا تمہیں تھا تا کہ تم ایمان کا مفہوم سمجھ جاؤ۔

تو حضرات گرامی! یہ ہیں ایمان کے بنیادی امور جو حدیث رسول ﷺ کی
روشنی میں بیان ہوئے۔ ”والحمد لله علی ذالک“

ایمان کے شعبے اور حیا

”قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْإِيمَانُ بَضْعٌ وَسَبْعُونَ شُعْبَةً فَأَفْضَلُهَا
قَوْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَذْنَا هَامَاطَةَ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ
الْإِيمَانِ“

یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

ایمان کی ستر سے کچھ اوپر شاخیں ہیں ایمان کا سب سے افضل شعبہ توحید
ورسالت کا اقرار ہے اور سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اذیت اور تکلیف دینے والی
چیزوں کو راستے سے ہٹا دیا جائے اور حیا ایمان کا ایک اہم شعبہ ہے۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ ایمان کے بیشتر شعبے ہیں اور ان سے مراد وہ تمام
اعمال و اخلاق احوال و معاملات ہیں جو ایمان حاصل ہونے کے بعد ہر مومن کے دل
میں نتیجہ اور ثمرہ کے طور پر پیدا ہو جاتے ہیں۔ جس طرح موسم بہار میں جب درخت
سر سبز و شاداب ہوتے ہیں تو ان میں سے خود برگ و بار نکلتا شروع ہو جاتے ہیں۔

حدیث کے آخر میں حیا کو خصوصی طور پر ایمان کا ایک شعبہ قرار دیا گیا ہے
کیونکہ ایمان لانے کے بعد انسانی اخلاق میں شرم و حیا کا مقام بہت بلند ہے۔ ہمیں



شرم و حیا صرف انسانوں سے ہی نہیں کرنی چاہیے بلکہ سب سے زیادہ حیا اپنے خالق و مالک سے ہونی چاہیے۔ سب سے بڑا بے حیا اور بد بخت وہ انسان ہے جو اپنے خدا سے بھی نہ شرمائے۔ حیا جب انسانی سیرت میں داخل ہو جائے تو انسان بہت سارے گناہوں سے باز آ جاتا ہے کیونکہ وہ اس یقین کے درجے پر ہوتا ہے کہ میرا خدا جلوت و خلوت میں مجھے ہر وقت دیکھ رہا ہے۔

جامع ترمذی میں ہے سرور عالم ﷺ نے فرمایا:

”اِسْتَحْيُوا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ“

یعنی اللہ تعالیٰ سے ایسی حیا کرو جیسی حیا کرنے کا حق ہے۔

صحابہ نے پوچھا۔ حضور! حق حیا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ برے خیالات سے سر اور دماغ کی حفاظت کرو اور حرام و ناجائز غذا سے پیٹ کی حفاظت کرو اور موت اور قبر کی حالت کو یاد رکھو۔

حسن اخلاق

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا!

اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا (رواہ ابوداؤد)

یعنی مسلمانوں میں کامل الایمان وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس انسان کا اخلاق اچھا ہوگا اس کا ایمان بھی زیادہ کامل ہوگا کیونکہ حسن اخلاق کمال ایمان کا لازمی ثمرہ ہے۔

ہمسایوں کے حقوق

حضرت ابو شریح خداعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے

تین بار فرمایا:

وَاللّٰهُ لَا يُؤْمِنُ اللّٰهُ کی قسم وہ مومن نہیں ہے۔

پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ کون مومن نہیں؟ فرمایا!

”الَّذِي لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ“ (رواہ البخاری)

یعنی وہ شخص جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور اذیتوں سے خائف رہتے ہوں۔
دوسری حدیث میں ہے:

”وَاحْسِنُ إِلَى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا“ (رواہ الترمذی)

یعنی اپنے ہمسایوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو تب تم اچھے ایماندار ہو گے۔
ایک حدیث میں ہے:

”لَيْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِي يَشْبَعُ وَجَارُهُ جَائِعٌ إِلَى جَنْبِهِ“ (رواہ البیہقی)

یعنی حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا جو خود پیٹ بھر کر کھانا
کھائے اور اس کا پڑوسی فاقہ سے ہو۔

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ خود غرضی، سنگدلی اور خواہش نفس کا مرتکب انسان
حقیقت ایمان سے بے نصیب اور بے خبر رہتا ہے اور ایمان کے ثمرات سے فیضیاب
نہیں ہو سکتا۔

امان دہی اور عہد کی پابندی

حضرت انس سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا:

لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ (رواہ البیہقی)

ترجمہ: جس میں امانت کی عادت نہیں اس میں ایمان نہیں اور جس میں وعدے کی
پابندی نہیں اس میں دین نہیں۔

اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ امانت کی حفاظت اور وعدے کی پابندی
ایمان کے لوازمات سے ہے اور جو شخص ان خصلتوں سے خالی ہو وہ ناقص
ایمان رہتا ہے۔

بصالح و رظلم ایمان کو ضائع کر دیتے ہیں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:



”اِنَّ الْغَضَبَ لَيُفْسِدُ الْاِيْمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الصَّبْرُ الْعَسَلَ“

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: غصہ ایمان کو اس طرح ضائع کر دیتا ہے جیسے ایلو اشہد کو خراب کر دیتا ہے۔
اس حدیث میں غصے کی مذمت کا سبب ظاہر ہے کہ غصے کا غلبہ اور تسلط بندے کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مقرر کردہ حدوں سے تجاوز پر ابھار دیتا ہے اور انسان شرافت کی حدود و شرائط سے بھی باہر نکل آتا ہے۔ ”العیاذ باللہ“
اسی طرح ظالم کے متعلق فرمایا:

”مَنْ مَشَى مَعَ ظَالِمٍ لِّيَقْوِيَهُ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهُ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ“ (رواہ البیہقی)

ترجمہ: حضور سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا جو شخص ظالم کی مدد اور تقویت کے لیے اسکا ساتھ دینے کی خاطر چلا اور اس کو اس بات کا علم تھا کہ یہ ظالم شخص ہے تو وہ اسلام سے نکل گیا۔

اس حدیث میں واضح طور پر ظالموں کے انجام اور ان کی بد بختی کی نشاندہی فرمادی گئی ہے اور صاف بتا دیا گیا ہے کہ ظالم لوگ مومن اور مسلمان کے مرتبے سے خارج ہیں اور ان کا دعوائے ایمان و اسلام صرف رسمی اور خیالی ہے۔

قارئین کرام مومن کہلانے کا حقدار صرف وہی ہو سکتا ہے جو ایمان کے مضمرات سے واقف ہو ایمان کے لوازمات سے آشنا ہو ایمان کے ثمرات سے آگاہ ہو اور ان پر عمل پیرا بھی ہو۔ آپ کو مختلف احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہو جائے گا کہ تمام اخلاق حسنہ اور پسندیدہ عادات ایمان کے ثمرات ہیں اور تمام اخلاق رذیلہ و عادات خبیثہ مثلاً جھوٹ، چوری، زنا، شراب نوشی، قتل و غارت گری، خیانت، ظلم، وعدہ خلافی، خود غرضی، دھوکہ دہی، اشیائے خورد و نوش میں ملاوٹ، فحش گوئی، اور بدکلامی، گالی گلوچ، غیبت، حسد، تکبر، غرور و تمرد، منافقت وغیرہ یہ سب حرکتیں ایمان و اسلام کے



قطعاً منافی ہیں اور ان حرکات خبیثہ کے ارتکاب کے وقت اس شخص کا دل نور ایمان سے بالکل محروم اور خالی ہو جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ

دوسری حدیث میں ایک شخص نے محبوب خدا ﷺ سے پوچھا ”مَا الْإِيْمَانُ“ ایمان کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا :

”إِذَا سَرَّتَكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَتْكَ سَيِّئَتُكَ فَإِنَّتَ مُؤْمِنٌ“

(مسند امام احمد)

ترجمہ: یعنی جب تو اپنے اچھے عمل پر خوشی محسوس کرے اور برے عمل سے رنجیدہ اور نادام ہو تو بس سمجھ لے تو مومن ہے

معلوم ہوا کہ اگر نیکی اور بدی چھائی اور برائی کے درمیان حد فاصل قائم رہے تو یہی احساس ایمان کا ثمرہ اور نتیجہ ہے۔

محبت رسول ثمرات ایمان کی جان ہے

ایمانی ثمرات کی جو آخری معراج تمام ثمرات کی جان ہے اور وہ ہے محبت رسول ﷺ۔ بخاری و مسلم کی حدیث پیش خدمت ہے۔

”عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ“ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی انسان کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کو اپنے ماں باپ اپنی اولاد اور ساری کائنات سے زیادہ میرے ساتھ محبت نہ ہو۔

ثابت ہوا کہ حب رسول کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہو سکتا۔ اس حدیث کی تائید میں چوتھی حدیث بھی ملاحظہ ہو!

تاجدار مدینہ ﷺ نے فرمایا

”ذَاقْ طَعْمَ الْإِيْمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا
وَبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا“

ترجمہ: یعنی ایمان کی لذت اس کو ملی جو اللہ کو اپنا رب اور اسلام کو اپنا دین اور محمد ﷺ کو اپنا رسول ماننے پر دل سے راضی ہو گیا۔

ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ جس شخص کے دل میں اللہ اور اسکے رسول کی محبت تمام ماسوا سے زیادہ ہو اسے لذت ایمان نصیب ہو گئی۔

قارئین کرام ایک ہے ایمان اور ایک ہے ایمان کی لذت یوں سمجھیں کہ جس طرح مادی غذاؤں میں ایک لذت ہوتی ہے اسی طرح ایمان میں بھی ایک خاص حلاوت اور لذت ہے۔ دیکھئے اگر کوئی یہ سوال کرے کہ ایمان میں اگر لذت ہے تو کبھی محسوس کیوں نہیں ہوتی۔ تو میں کہتا ہوں کہ ایمان کی لذت ہر کسی کو محسوس نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ غذا کی لذت بھی ہر کسی کو محسوس نہیں ہوتی جو آدمی بیمار ہو جس کی قوت ذائقہ ماؤف ہو جس کا مزاج صفر اوی ہو اور جس کا معدہ سوداوی ہو وہ میٹھی چیزوں کی لذت کو کما حقہ محسوس نہیں کر سکتا۔

جس طرح مادی غذاؤں میں لذت کے باوجود وہ شخص لذت کا احساس نہیں کر سکتا کیونکہ اس کا جسم بیمار ہے تو اسی طرح ایمان میں بھی لذت تو ہوتی ہے مگر جس کی روح بیمار ہو ایمان کی لذت کا احساس وہ بھی نہیں کر سکتا۔ ایمان کی لذت وہ محسوس کر سکتا ہے جس کا تعلق اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محض رسمی اور عقلی نہ ہو بلکہ قلبی اور روحی تعلق ہو، شیفنگی اور گرویدگی ہو عشق اور جنون ہو جو شخص کلمہ بھی پڑھے پھر مزانہ آئے نماز بھی پڑھے اور دل نہ لگے قرآن بھی پڑھے اور سرور نہ آئے بات یہ ہے کہ اس نے ایمان کا مزہ چکھا ہی نہیں کیونکہ ایک ایمان کی صورت ہے اور ایک ایمان کی حقیقت۔ صورت کا نام ایمان نہیں حقیقت کا نام ایمان ہے۔ جس طرح ایک ہے میری صورت اور ایک ہے میری حقیقت میری صورت کا نام محمد سعید احمد مجددی نہیں



بلکہ میری حقیقت کا نام محمد سعید احمد مجددی ہے۔ یہ میری صورت قبر میں جائے گی، خاک میں مل جائے گی لیکن محمد سعید احمد مجددی کبھی خاک میں نہیں ملے گا یہ ہمیشہ زندہ رہے گا کیونکہ اس کی روح زندہ ہے۔

یہ نکتہ میں نے سیکھا بوالحسن سے
کہ جان مرقی نہیں مرگ بدن سے

بدن مرتا ہے روح نہیں مرقی میں انسان ہوں انسانیت میرے جسم کا نام نہیں بلکہ انسانیت میری حقیقت کا نام ہے جو روح بن کر میرے اندر سمائی ہوئی ہے۔ اسی طرح ایمان صرف زبانی کلمہ کا نام نہیں ایمان صرف اقرار کر لینے کا نام نہیں ایمان صرف قال کا نام نہیں بلکہ حال کا نام ہے۔ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے ایمان کیفیت روحانی کا نام ہے۔ ایمان غلبہ عشق کا نام ہے ایمان ہمارے عمل اور عقیدے کی جان کا نام ہے اور یہی ایمان کی حقیقت ہے جنہیں ایمان کی حقیقت مل جائے وہی ایمان کی لذت محسوس کر سکتے ہیں۔

اللہ اللہ! جنہیں ایمان کی لذت نصیب ہو جائے پھر وہ ایمان کے سارے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں حتیٰ کہ اپنی جان عزیز تک بھی قربان کر دینے میں لذت محسوس کرتے ہیں وہ موت سے نہیں ڈرتے بلکہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکراتے ہیں اور عشق کی مستی سے سرشار ہو کر خوں آشام تلواروں کا مذاق اڑاتے ہیں۔

یہ غازی یہ تیرے پر اسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

ایمان والو! خوش نصیبو! ایمان کی لذت کے متعلق کیا پوچھتے ہو

ع چچھ اونہاں نوں جہاں پتی اے



مع ذوق ایں مئے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی
ایمان کی لذت پوچھتے ہو تو کسی مومن سے پوچھو ایمان کی لذت پوچھتے ہو تو
کسی عاشق سے پوچھو ایمان کی لذت پوچھتے ہو تو کسی عارف سے پوچھو ایمان کی
لذت پوچھتے ہو تو کسی ولی سے پوچھو مہر علی سے پوچھو جماعت علی سے پوچھو سرہند
کے ولی سے پوچھو پاکستن کی گلی سے پوچھو داتا مخدوم علی سے پوچھو خواجہ ہندالولی سے
پوچھو یا پھر غوث جلی سے پوچھو یا پھر مولیٰ علی (کرم اللہ وجہہ) سے پوچھو! یا پھر میرے
نبی ﷺ سے پوچھو! جس نے بتا دیا کہ

”ذاق طعمَ الايمان من رضى بالله رباً وبالإسلام ديناً
وبمحمدٍ رسولاً“ (الخ)

لذتِ ایمان کیا ہے؟

باتیں دو ہیں ایک ہے کہ ایمان ہم میں آ جائے ایک ہے کہ ہم ایمان میں
آ جائیں۔ اکثر مسلمان وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ایمان ہم میں آ گیا لیکن پتہ نہیں کس
وقت چلا جائے (الْإِيمَانُ بِاللَّهِ) ایمان کی لذت اس خوش بخت کو حاصل ہوتی ہے جو
ایمان میں آ جائے ایمان میں سما جائے ایمان میں گم ہو جائے ایمان میں فنا ہو جائے
اور ایمان کی مستی میں اپنی ہستی کو بھول جائے خود نہ رہے صرف ایمان ہی رہ جائے۔
حضرت میاں محمد عارف کھڑی رحمتہ اللہ علیہ نے ایمان کی اسی حقیقت کی
طرف اشارہ فرمایا ہے

تے تن حویلی تے توں وچ بلی جان مکان تمہارا
میں مرچکی آں سچ کرمنیں سیف ملوکا یارا

یہ ہے لذتِ ایمان اور یہ کب حاصل ہوتی ہے جب تیرا یہ عقیدہ ہو جائے
قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

جب تجھے اس بات پر یقین آ جائے کہ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا، میرا مرنا، میرا سونا، میرا جاگنا، میرا کھانا، میرا پینا، میرا آنا، میرا جانا، میرا حسن، میری جوانی، میرا جمال، میرا کمال، میرا منصب، میری دولت، میری دوکان، میرا مکان، میرا جسم، میری جان، سب کچھ خدا کے لئے ہے اور میرا اس میں کچھ نہیں سب کچھ اسی کا ہے اس کو کہتے ہیں لذت ایمان۔

آئیے ہمارا پیغام یہ ہے کہ:

اے ایمان کی صورت کے عاشقو! ایمان کی حقیقت کے عاشق بنو "یَا تُهَّا
الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا" ایمان کی صورت پر فریفتہ ہونے والو! اگر ایمان صرف صورت میں ہوتا تو فرقہ نہ بنتے۔ یہ جتنے فرقے بن گئے ہیں یہ سب ایمان کی ضرورت کے پجاری ہیں، ایمان کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ اگر تم سچے مومن بننا چاہتے ہو تو فرقہ بازی سے نکل کر ایمان کی حقیقت میں آ جاؤ۔ تقلیدی ایمان میں پھرنے والو! آؤ تحقیقی ایمان حاصل کریں۔ اجمالی ایمان والو! آؤ تفصیلی ایمان حاصل کریں۔ ایمان کی صورتوں کے پجاریو! آؤ ایمان کی حقیقت حاصل کریں۔ رسمی اور عقلی ایمان والو! آؤ اصلی اور حقیقی ایمان حاصل کریں۔ ظاہری ایمان والو! آؤ باطنی ایمان حاصل کریں اوپر اوپر سے مسلمان کہلانے والو! آؤ اندر سے بھی مسلمان بنیں اور اگر یہ دعوت تمہیں منظور نہیں تو پھر یاد رکھو صرف زبان سے اسلام اسلام کی رٹ لگانا منافقت کے سوا کچھ نہیں۔ علامہ اقبال بھی اسی حقیقت کی نشاندہی کر رہے ہیں۔

گر نداری از محمد رنگ و بو

بر زبان خود میلا نام او

اقبال کہتا ہے کہ اے مسلمان اگر تو اپنے نبی کا رنگ اور بو اپنے اندر نہیں پاتا تو پھر تو ان کا امتی کہلانے اور ان کا پاک نام اپنی گندی زبان پر لانے کی جسارت ہرگز نہ کر۔



ایمان جاننے کا نام نہیں ماننے کا نام ہے۔ اس فرق کو سمجھنے کے لیے دو جملے کہتا ہوں کہ پروانہ شمع کو صرف جانتا نہیں مانتا ہے۔ اگر جانتا ہوتا تو شمع یہاں ہوتی پروانہ وہاں ہوتا۔ پروانہ شمع کو صرف جانتا نہیں مانتا ہے۔ مانتا ہے تو شمع کا طواف کرتا ہے، حریم شمع کے گرد رقصِ بکل کا تماشا کرتا ہے۔

کسے پروانے نوں پچھیا تینوں سٹر کے کیہہ لبھدا

اوپنے کہیا اوئے بے سمجھا جمالِ یار دی خاطر

پروانہ شمع کو صرف جانتا نہیں بلکہ پروانہ شمع کو مانتا ہے بلبل، پھول کو صرف جانتی نہیں بلکہ مانتی ہے۔ چکوز چاند کو جانتا نہیں بلکہ مانتا ہے۔ مومن خدا و رسول (ﷺ) کو صرف جانتا ہی نہیں بلکہ مانتا ہے ایمان جاننے کا نام نہیں ایمان تو ماننے کا نام ہے۔ اس کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیت پیش کرتا ہوں

”يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ“ (البقرة)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ یہودی اور عیسائی میرے نبی ﷺ کو اس طرح جانتے اور پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو جانتے اور پہچانتے ہیں لیکن مومن نہیں کیونکہ مانتے نہیں۔ معلوم ہوا کہ جاننا اور پہچاننا ایمان نہیں بلکہ ماننا ایمان ہے تو پھر ماننا کیا ہوا؟ ماننا یہ ہے کہ جب تو مان لے تو بس پھر مان لے۔

ایک صحابی حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے کہنے لگے۔

”قُلْ لِي فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا بَعْدَكَ“

مجھے دین اسلام کے بارے میں کوئی ایسی جامع بات بتائیں تاکہ مجھے آپ کے بعد کسی کوئی بات پوچھنے کی ضرورت نہ رہے تو حضور ﷺ نے فرمایا،

”قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ“ (رواہ مسلم)

یعنی تو پہلے کہہ کہ میں نے اللہ کو مانا پھر ڈٹ جا۔ یعنی استقامت پذیر ہو جا۔ یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے ان دو لفظوں میں ایمان کا مکمل خلاصہ موجود ہے ایمان اور استقامت ہی صراطِ مستقیم ہے۔

صوفیاء کے نزدیک ”الْإِسْتِقَامَةُ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ كَرَامَةٍ“ یعنی استقامت ہزار کرامت سے بہتر ہے۔ قرآن پاک میں اسی حقیقت پر زور دے کر فرمایا گیا ہے۔

”إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ“

یعنی جن لوگوں کو اللہ پر ایمان اور پھر استقامت حاصل ہوگئی انہیں کوئی خوف اور غم نہ ہوگا۔

ایمان کا مفہوم زبان رسالت کی معرفت پیش کر رہا ہوں کہ جب مان لیا بس پھر مان لیا اس طرح مانا کہ کوئی تجھے ہٹائے مگر تو ہٹ نہ سکے۔ کوئی روکے تجھے تو روک نہ سکے ایمان یہ ہے کہ تو جب مان لے بس پھر حد ہو جائے۔ پھر ماننے میں کوئی کمی اور کجی نہ رہے۔ کوئی تجھے دبانا چاہے تو دب نہ سکے تو پہاڑ بن جائے مضبوط چٹان بن جائے۔ استقامت کا کوہ گراں بن جائے ایماں کی عظمت کا نشان بن جائے اور پھر جرأت ایمانی کے ساتھ یہ اعلان کرے کہ ۔

جفا و جور کی آندھی چلے طوفان آجائیں

مٹانے کو میرے شداد اور ہاہان آجائیں

خدا کے حکم سے میں باز ہرگز رہ نہیں سکتا

یہ بت جھوٹے ہیں میں جھوٹوں کو سچا کہہ نہیں سکتا

اور کوئی فریب، کوئی طمع، کوئی سیاست، کوئی الیکشن، کوئی رعب، کوئی خوف

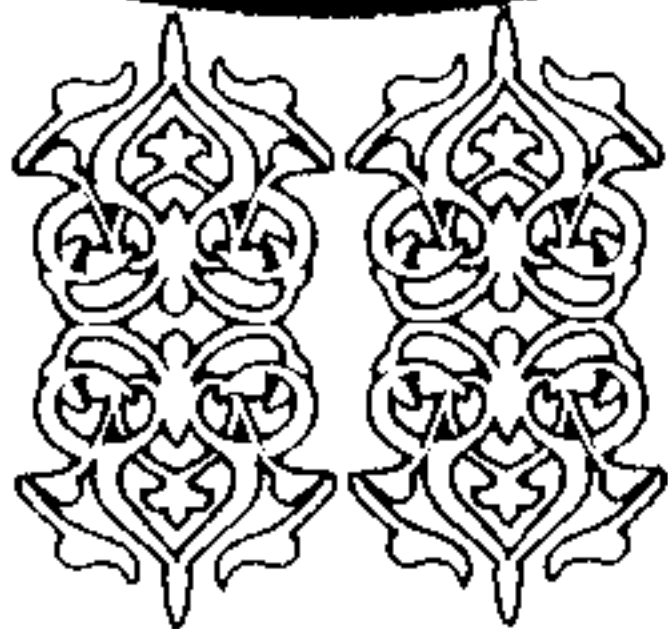
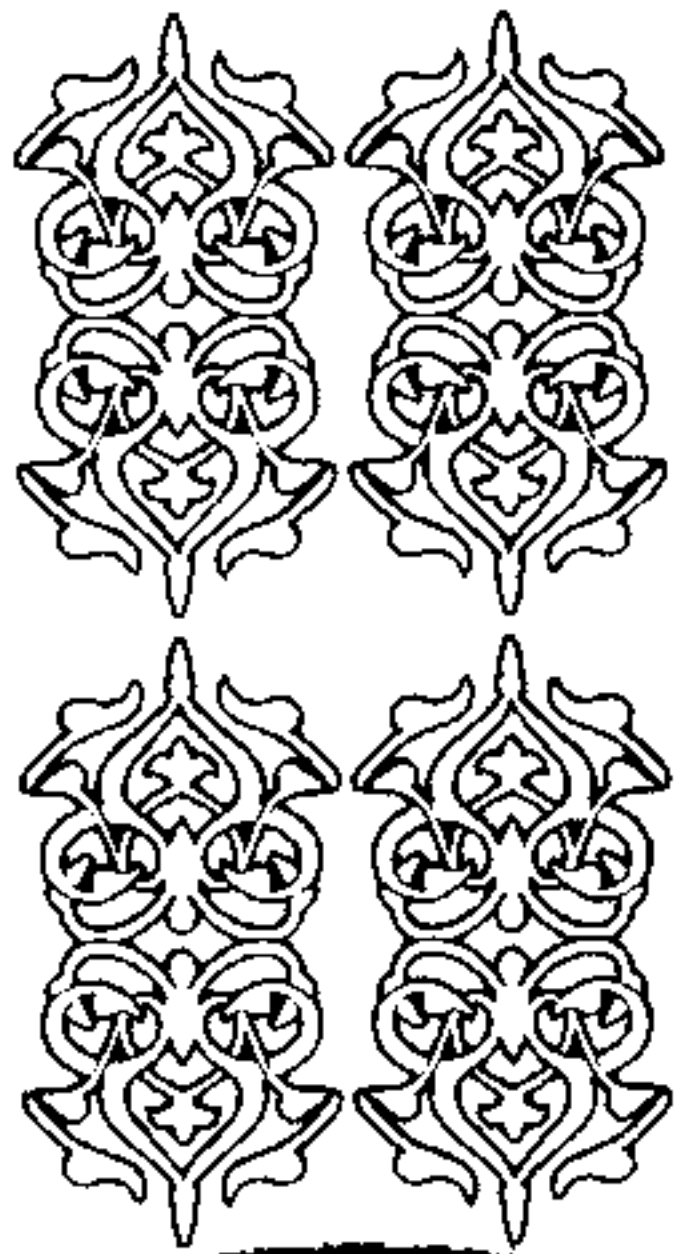
تجھے اللہ کے راستے سے پیچھے نہ ہٹا سکے۔ بیوی، بچے، اولاد، کاروبار، دنیاوی ساز و سامان

تھے اللہ کے کاموں سے پیچھے نہ ہٹا سکیں اور اگر تیری یہ کیفیت نہیں تو تو نے خدا کو نہیں مانا۔ تو نے رسمی طور پر خدا کو مانا ہے تو نے صرف عقلی طور پر خدا کو مانا ہے۔ قلبی طور پر ماننا یہ ہے کہ جب تو مان لے پھر ساری دنیا ایک طرف ہو جائے تب بھی تیرے پائے استقلال میں لرزش اور لغزش نہ آئے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور ﷺ کو صرف جانتے نہیں بلکہ مانتے تھے۔ چونکہ مان لیا تھا اس لئے ان کو آگ کے انگاروں پر لٹایا گیا، ان کو سولی کے تختوں پر چڑھایا گیا، ان کو ملک سے جلا وطن کر کے در بدر پھرایا گیا، ہر مصیبت آئی ہر تکلیف آئی، یگانے بیگانے ہو گئے، دوست دشمن بن گئے، وفادار جفا شعار بن گئے، پھولوں کے ہار خار دار بن گئے لیکن زمین گواہ ہے، آسمان گواہ ہے، خدائی گواہ ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شمع رسالت ﷺ کے پروانے تھے انہوں نے ہر حال میں یہی اعلان کیا ہم جان دے سکتے ہیں ایمان نہیں دے سکتے کیونکہ ایمان کی لذت اور اس کے ثمرات کی حقیقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بے نقاب تھی، بے غبار تھی اور وہ ایمان کی حقیقی منزلوں پر شاد کام اور فائز المرام تھے۔ وہ توحید و رسالت کی بے پناہ جلوہ سامانیوں سے بامراد اور فیض یاب تھے۔ ان کا ایمان، ایمان حقیقی تھا۔ ان کا یقین حق الیقین تھا۔ ان کے دل دنیا کی محبت سے سرد اور خدا و رسول ﷺ کی محبت سے گرم تھے انہوں نے میدان بدر سے لے کر میدان کربلا تک ایمان و یقین اور عشق و محبت کے وہ لاثانی اور لافانی نقوش ثبت کئے ہیں جو سینہ گیتی پر تابد جگمگاتے رہیں گے اور آنے والی نسلوں کو مینارہ نور بن کر فکر و عمل اور علم و فضل کی روشنی دیتے رہیں گے۔

بنا کردند خوش رے بخاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را





حقیقت وحی

سب سے پہلے حقیقت وحی کے بارے میں کچھ ابتدائی باتیں پیش خدمت ہیں۔

وحی کا لغوی معنی

لفظ وحی قرآنی اصطلاح ہے۔ قرآن پاک میں متعدد آیات مبارکہ میں لفظ وحی کا استعمال ہوا ہے۔ وحی کا لغوی معنی ”الْكَلامُ الْخَفِيُّ“ ہے یعنی پوشیدہ کلام جس کو سرگوشی سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ کسی کے کان میں خفیہ بات کرنا یہ وحی ہے۔ مفردات امام راغب میں ہے۔ أَصْلُ الْوَحْيِ الْإِشَارَةُ السَّرِيعَةُ یعنی وحی کے اصلی معنی ہیں وہ اشارہ جو تیزی کے ساتھ ہو۔ خواہ وہ اشارہ لفظی ہو یا محض آواز، اعضاء و جوارح کے ساتھ یا بصورت تحریر۔ یہ چاروں شکلیں لغتِ وحی کے مفہوم میں داخل ہیں۔ لہذا وحی اس علم قطعی اور یقینی کو کہتے ہیں جو جبریل امین کے ذریعے انبیاء و مرسلین پر نازل کیا جائے اور ان کو اس کلام الہی کی حقیقتوں سے کماحقہ آگاہ کیا جائے۔ اللہ رب العزت قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلَى قَلْبِكَ الْخ (الشعراء)

ترجمہ: یہ قرآن وہ وحی ہے جو روح الامین نے آپ کے دل پر نازل کی ہے۔

اصطلاحی مفہوم

وحیُ اللہ الیٰ انبیاء لہ، ہو ما یُلْقِیہِ الِیہم من العلم الضروری
الذی یُخفیہ عن غیرہم بعد ان یَکون اَعْدَّارُو اَہم لیلْقِیہ، بواسطۃ
الملک او بغیر واسطہ (النار)

ترجمہ: وحی اس علم یقینی و ضروری کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ پوشیدہ طور پر اپنے نبیوں کے دلوں میں القاء فرماتے ہیں جن کے ارواح پہلے سے اس علم کو قبول کرنے کیلئے تیار کئے جاتے ہیں۔ یہ القاء کبھی بذریعہ فرشتہ ہوتا ہے اور کبھی بلا واسطہ۔

لفظ وحی کا لغوی اور شرعی مفہوم اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے کہ اللہ رب العزت کی طرف سے بذریعہ جبریل امین بوساطت انبیاء و مرسلین جو پیغام مخلوق تک پہنچتا ہے اس کو وحی کہتے ہیں اور یہی حقیقت وحی ہے۔

وحی کی اس حقیقت کو عوام الناس پر واضح کرنے کیلئے جنات کے وجود سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے جبکہ جنات کا وجود نص قرآنی سے ثابت ہے۔ آپ نے اکثر مشاہدہ کیا ہوگا کہ بعض انسانوں پر جنات مسلط ہو جاتے ہیں اور ان پر اپنا کلام اور اپنا علم القاء کرتے ہیں اور وہ لوگ جن پر جنات مسلط ہو جاتے ہیں وہ دور دراز کی عجیب و غریب باتیں بتاتے ہیں جو ہمارے ذہن، عقل اور فکر میں بھی نہیں ہوتیں اور ان میں اکثر باتیں درست ثابت ہوتی ہیں۔ بظاہر وہ باتیں بندے کے منہ سے نکلتی ہیں حالانکہ وہ جن کا کلام ہوتا ہے۔ اگر یہ مسئلہ سمجھ میں آجائے تو وحی کا مسئلہ بھی ذہن نشین ہو سکتا ہے۔ دیکھئے جس بندے پر جن مسلط ہو اس کے منہ سے جنوں والی کلام نکلتی ہے اور جس بندے پر تجلیات ذات و صفات کا تسلط و غلبہ ہو جائے تو اس کے منہ سے خدا کا کلام نکلتا ہے۔ آیت قرآنی وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ میں اسی حقیقت کو واضح کیا گیا ہے۔



ضرورتِ وحی

ضرورتِ وحی کے متعلق چند امور نذر قارئین ہیں۔

اولاً آیت قرآنی بطور استشہاد ملاحظہ فرمائیں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

”وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ قُلْ مَنْ أَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَىٰ“ (الانعام)

ترجمہ: اور انہوں (یہود) نے اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہیے تھی جب بولے اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نہیں اتارا تم فرماؤ کس نے اتاری وہ کتاب جو موسیٰ (علیہ السلام) لائے تھے۔

یہودیوں کا ”جَبْر الْأَخْبَار“ مالک بن صیف حضور پر نور ﷺ کی بارگاہ قدس پناہ میں بغرضِ مناظرہ حاضر ہوا اور بالآخر ناکامی کے باعث مبہوت ہو کر بولا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی پر کوئی (وحی) چیز نازل نہیں فرمائی جس پر خود اس کی قوم بھی اس پر ناراض ہو گئی کہ تو نے ہمارے مذہب کا حلیہ بھی بگاڑ دیا جب کہ موسیٰ علیہ السلام پر بھی وحی نازل ہوتی رہی ہے۔

آیت بالا میں لفظ قدر کا اصلی معنی کسی چیز کی مقدار معلوم کرنا ہے لیکن عام طور پر اس لفظ کا اطلاق کسی چیز کو اس کے تمام پہلوؤں سمیت پہچان لینے پر ہوتا ہے اب کثرت استعمال کی وجہ سے یہی مفہوم اس کا حقیقی معنی بن گیا ہے جیسا کہ صاحب روح المعانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا:

”وَأَصْلُ الْقَدْرِ مَعْرِفَةُ الْمِقْدَارِ بِالسَّبْرِ ثُمَّ اسْتُعْمِلَ فِي مَعْرِفَةِ الشَّيْءِ يُعْلَىٰ أَتَمُّ الْوُجُوهِ حَتَّىٰ صَارَ حَقِيقَةً فِيهِ“

مقصود آیت یہ ہے کہ جن لوگوں نے انبیاء کرام (علیہم السلام) پر وحی نازل

ہونے کا انکار کیا ہے انہوں نے صحیح طور پر اللہ تعالیٰ کو پہچانا ہی نہیں اور نہ ہی اس کی رحمت اور مغفرت کا صحیح اندازہ لگایا ہے۔ ان سے پوچھنا چاہیے کہ موسیٰ علیہ السلام پر تورات کس نے نازل کی تھی؟ دراصل کفار مکہ وحی کی ضرورت کے قائل نہ تھے۔ اور نہ ہی نبوت کی اہمیت سے واقف تھے۔ ان کے لیے وحی کی اصطلاح ایک ناقابل فہم اور انوکھی چیز تھی۔ جب یہودیوں کے عالم نے بھی یہی بات کہہ دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں ارشاد فرمایا کہ اگر موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام پر تورات نازل ہو سکتی ہے تو حضور ﷺ کی ذات اقدس پر قرآن کے نازل ہونے میں تمہیں کیا شک ہے؟ گویا یہ آیت وحی کی اہمیت و ضرورت پر صریحاً دلالت کر رہی ہے۔

ثانیاً اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے حصول علم کے ذرائع اور وسائل کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے اور یہ کم و بیش چار ذرائع ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

حصول علم کے چار ذرائع

۱۔ فطرت ۲۔ حواس ۳۔ عقل ۴۔ وحی

۱۔ علم بذریعہ فطرت

فطرت کے ذریعے حاصل ہونے والے علم کو علم جبلت سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے اسی کو الہام فطری یا الہام نوعی بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن میں اسی ذریعہ علم کو ہدایت (فطری) کہا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا:۔

”رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى“ (طہ: ۵۰)

ترجمہ: ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو خلقت (صورت) عطا کی پھر ہدایت عطا فرمائی (یعنی ضرورت کے مطابق ہدایت کا فطری علم بھی دیا)

چنانچہ ہر جاندار کو اپنے متعلق بہت سی باتوں کا علم از خود فطری طور پر حاصل

ہو جاتا ہے۔

فطری علم کی مثالیں

پرندے کا بچہ انڈے سے باہر آتے ہی دانے چننے لگ جاتا ہے اور آہستہ آہستہ اڑنے لگ جاتا ہے۔ شیر کا بچہ درندگی (چیر پھاڑ) کے سبق سے ابتداء ہی واقف ہوتا ہے، بطخ کا بچہ پہلے دن سے ہی پانی میں تیرنا شروع کر دیتا ہے۔ غور فرمائیں یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ چیونٹیوں اور شہد کی مکھیوں کو جماعت بندی اور ذخیرہ اندوزی کی تعلیم کس نے دی؟ انسانی بچہ کو پیدا ہوتے ہی رونا، ہنسا، دودھ پینا، ماں کے پستان کو چوسنا کس نے سکھا دیا؟

ان تمام باتوں کا جواب صرف یہی ہے کہ معلم فطرت نے یہ سارے انتظامات ماں کے پیٹ کے اندر ہی شروع کر دیئے تھے اور یہ فطری الہامات بھی انہیں ودیعت کر دیئے تھے۔

۲۔ علم بذریعہ حواس

انسانی ضروریات کے سارے تقاضے فطری علم سے پورے نہیں ہوتے اس لیے انسان کو مزید علم حاصل کرنے کے لیے کسی اور ذریعے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے مادی اشیاء کے حسی علوم کے لئے انسان کو حواس خمسہ ظاہرہ عطا فرما دیئے اور وہ باصرہ، سامعہ، ذائقہ، شامہ، لامسہ ہیں۔ جن کے کام بالترتیب دیکھنا، سننا، چکھنا، سونگھنا، چھونا یا ٹٹولنا ہے۔ انسان کے پاس یہی پانچ آلات (جسمانی قوتیں) آنکھ، کان، زبان، ناک، ہاتھ ہیں جن کے ذریعے وہ مادی اور حسی اشیاء کے متعلق علم حاصل کرتا ہے۔ ہم آنکھوں سے دیکھ کر مختلف صورتیں اور ان کے امتیازات حاصل کرتے ہیں۔ کانوں سے سن کر آوازیں پہچانتے ہیں۔ زبان سے چکھ کر کڑوی اور میٹھی اشیاء کا فرق معلوم کرتے ہیں ناک سے سونگھ کر خوشبو اور بدبو کا احساس پاتے ہیں اور

ہاتھ سے چھو کر سختی و نرمی دریافت کرتے ہیں۔

ان حواس خمسہ ظاہرہ کے ذریعے جو علم ہم کو حاصل ہوتا ہے وہ بسا اوقات یقینی اور کبھی غلط بھی ہو جاتا ہے کیونکہ التباس حواس کے وقت دھوکے اور غلطی سے بچنا مشکل ہوتا ہے جیسے کہ صفر اوی امراض میں انسان کی قوت ذائقہ بدل جاتی ہے، میٹھی چیزیں کڑوی معلوم ہونے لگتی ہیں یا تیز حرکت کے دوران قوت باصرہ دھوکہ دے جاتی ہے جیسے چلتی ریل گاڑی میں ہمیں ٹھہری ہوئی چیزیں دوڑتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں متحرک چنگاری کا نقطہ تیز سیدھی حرکت میں ہمیں آگ کی لکیر دکھائی دیتا ہے اور تیز گول حرکت میں آگ کا دائرہ نظر آتا ہے۔

قوت سامعہ کبھی معطل اور کبھی مضطرب ہو جاتی ہے جیسے بہر ایا نیم بہرا کبھی مرد اور عورت کی آواز میں امتیاز نہیں کر سکتا اور کبھی آواز کی ہم آہنگی اور کبھی کسی عارضے کی بناء پر آواز کی تبدیلی، متکلم کی شخصیت کے تعین کے بارے میں شک اور التباس پیدا کر دیتی ہے جیسا کہ روزمرہ کے حالات گواہ ہیں۔

قوت شامہ کی حس کبھی درست اور کبھی خراب ہو جاتی ہے جیسے نزلے کا مریض خوشبو اور بدبو کے احساس سے بے بہرہ ہو جاتا ہے۔ چھوتے وقت قوت لامسہ کا فیصلہ کبھی صحیح اور کبھی غلط ہو جاتا ہے جیسے چند اندھوں کے پاس ایک ہاتھی کھڑا کر کے ان سے پوچھا گیا کہ بتاؤ ہاتھی کیسا ہوتا ہے؟ تو جس کا ہاتھ اس کی دم پر پڑا اس نے کہا ہاتھی مورچہ کی طرح ہوتا ہے جس نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اس نے بتایا کہ ہاتھی ایسا ہوتا ہے جیسے تخت یا دیوار جس نے ہاتھ سے اس کے پاؤں کو چھوا وہ کہنے لگا ہاتھی ایسا ہوتا ہے جیسے کھمبا جس نے کان ٹٹولے اس نے کہا ہاتھی تو چھج کی طرح ہوتا ہے۔ غرضیکہ قوت لامسہ بھی ہمیشہ یقینی علم کا فائدہ نہیں دے سکتی اور اس میں اکثر غلطی کا امکان رہتا ہے۔

۲۔ علم بذریعہ عقل

حواس کے ذریعے حاصل ہونے والے علوم کی ایک حد ہے یہاں پہنچ کر حواس تھک جاتے ہیں اور حقیقت کائنات کا راز معلوم نہیں کر سکتے۔ اس سے آگے عقل کی پرواز شروع ہو جاتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل کے حواس خمسہ باطنہ عطا فرمائے جن کو قوائے عقلی یا دماغی بھی کہا جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہیں

۱۔ حس مشترک ۲۔ متخیلہ ۳۔ متوہمہ ۴۔ حافظہ ۵۔ متصرفہ

حواس خمسہ باطنہ یا قوائے عقلیہ

حواس خمسہ ظاہرہ کے ذریعے جو معلومات اور محسوسات حاصل ہوتے ہیں وہ سیدھے جا کر حس مشترک میں جمع ہو جاتے ہیں۔ وہاں سے متخیلہ میں جا کر محفوظ ہوتے رہتے ہیں۔ قوت متوہمہ انہی گزشتہ محفوظ معلومات و محسوسات اور مدرکات کا جائزہ لے کر احکام جاری کرتی رہتی ہے۔ قوت حافظہ میں قوت متوہمہ کے مخزونات جمع ہوتے رہتے ہیں اور قوت متصرفہ یا مفکرہ، دماغ کی اس قوت کا نام ہے جو خیالات کی ترکیب و تحلیل کرتی رہتی ہے اور عجیب و غریب نت نئی صورتیں ذہن کے سامنے لاتی رہتی ہے اور مختلف قسم کے جلوے دکھاتی اور ہنگامے برپا کرتی رہتی ہے۔

عقل کی ناکامی

کارخانہ کائنات کے اسرار و رموز معلوم کرنے میں گو عقل نے حیرت انگیز کارنامے سرانجام دیئے لیکن پھر بھی عقل حقائق کائنات کے چہرے سے پردے نہیں اٹھا سکتی اور محدود پرواز کے بعد مرغ عقل تھک جاتا ہے رک جاتا ہے اور عقل اپنی ناکامی و ناتمامی کا اعتراف کر لیتی ہے اور بزبان اقبال رحمۃ اللہ علیہ

خرد واقف نہیں ہے نیک و بد سے بڑھی جاتی ہے ظالم اپنی حد سے
خدا جانے مجھے کیا ہو گیا ہے خرد بیزار دل سے دل خرد سے

۴۔ علم بذریعہ وحی

خداوند قدوس نے عقل کے علاوہ ایک اور ذریعہ علم ایجاد فرمایا ہے جو ظنی نہیں قطعی ہے جس میں التباس حواس اور تخمین نہیں وجدان اور یقین ہے۔ جس میں تشکیک نہیں تحقیق ہے۔ جس میں اضطراب نہیں اطمینان ہے اور وہ ذریعہ ”وحی“ ہے اسی ذریعہ علم کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

..... ۰ تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ (ہود)

..... ۰ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (النجم)

..... ۰ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَذَا الْقُرْآنَ (یوسف)

یہ ذریعہ علم ہر شخص کو میسر نہیں آ سکتا اور نہ ہی ہر کس و ناکس اس علم کے حصول کی استعداد و صلاحیت رکھتا ہے۔

اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ (الانعام)

ترجمہ: اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔

اس مخصوص ذریعہ علم کے لیے انبیاء کرام اور مرسلین عظام کو (علیہم الصلوٰات والتسلیمات) مختص کیا جاتا ہے ذَالِکَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ (الجمعة)

البتہ انبیاء و مرسلین کی تبعیت و وراثت کے طور پر اولیاء کا ملین پر بھی اس علم کا فیضان وارد ہوتا ہے لیکن اولیاء کرام کے لیے اس علم کا نام وحی کی بجائے الہام، القاء، کشف، فراست وغیرہ رکھا جاتا ہے علم کلیتہً غیر مادی اور روحانی ہوتا ہے معقولات اور محسوسات سے پاک ہوتا ہے۔ اس علم کی ابتداء انشراح صدر سے ہوتی ہے اور اللہ کی طرف سے ایک نور مسلسل اس علم کے حامل افراد کی راہنمائی کرتا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔

”أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِإِسْلَامٍ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّنْ رَبِّهِ“ (الزمر)



تو کیا وہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔

حدیث پاک میں اسی علم کے متعلق فرمایا گیا۔

”اتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ“ (ترمذی)

ترجمہ: مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے۔

اس علم کے سوتے انسان کے اندر سے پھوٹتے ہیں اور وہ باطنی حواس ہیں جو جسم انسانی میں ودیعت کیے گئے ہیں جن کا تعلق عالم امر سے ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں ان کو لطائف خمسہ کہا جاتا ہے وہ بھی پانچ ہیں قلب، روح، سر، خفی، اُخفی۔ جن نفوس قدسیہ کے لطائف خمسہ ذکر الہی اور آتش عشق و محبت کی تاثیر اور گرمی سے روشن و جاری ہو جاتے ہیں ان پر علوم غیبیہ منکشف ہونے لگتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ المنقذ من الضلال میں وضاحت فرماتے ہیں کہ:

”وَرَاءَ الْعَقْلِ طَوْرٌ آخَرٌ تَفْتَحُ فِيهِ عَيْنٌ أُخْرَى يَبْصُرُ بِهَا الْغَيْبَ“

ترجمہ: عقل کے علاوہ ایک اور رستہ و ذریعہ ہے جس میں دوسری آنکھ کھل جاتی ہے جس کے ذریعے غیب کا ادراک ہونے لگتا ہے۔ اسی باطنی استعداد کو امام غزالی نے ذوق اور مشاہدہ کے نام سے تعبیر فرمایا ہے اور یہ صلاحیت صرف طریق صوفیاء سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

ذوق این مئے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی

وحی..... حصولِ علم کا یقینی ذریعہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَفَلَا يَتَذَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا (محمد)

کائنات کی حقیقت کا علم ایک ایسا مخفی راز اور معمہ ہے جس کو علم وحی کا سہارا لیے بغیر حل نہیں کیا جاسکتا۔

❖ یہ وسیع و عریض کائنات کیا ہے اور کیوں ہے؟

❖ اس کی ابتداء کب سے ہوئی اور انتہاء کہاں جا کر ہوگی؟

❖ اس تمام کائنات ہست و بود کا اصل مقصد کیا ہے؟

❖ انسان کن حقیقتوں کا مجموعہ ہے اور اس کی اصل کیا ہے؟

کچھ عرصہ قبل لندن سے ایک کتاب شائع ہوئی جس کا نام ”قاموس جہالت“ رکھا گیا اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں مختلف شعبوں کے اہل علم نے حصہ لیا۔ یہ کتاب دراصل اس واقعہ کا علمی اعتراف ہے کہ کائنات کے متعلق ہمارا علم نامکمل ہے۔ پروفیسر جان مینارڈ اسمتھ نے اپنے مقالے میں لکھا ہے کہ ہمارا نظریہ ارتقاء ناقابل حل اندرونی مسائل سے دوچار ہے کیونکہ ہمارے پاس نظریات ہیں مگر وہ ذرائع نہیں کہ ہم اپنے نظریات کی حقیقی واقعات سے تصدیق کر سکیں۔ اس اعتراف سے ثابت ہوا کہ سائنس دانوں کا نظریہ ارتقاء لازمی منطقی خلاء سے دوچار ہو کر بے توجہیہ ہو جاتا ہے جب کہ قرآن (وحی) کے نظریہ ارتقاء میں کوئی منطقی خلاء نہیں۔

ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے مطابق انسان اور حیوان دونوں ایک مشترک نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ حیوانات کی ایک نسل ترقی کرتے کرتے بندرتک جا پہنچی پھر



بندر کی یہ نسل مزید ترقی کرتے کرتے انسان بن گئی لیکن ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر یہ واقعہ ہے تو حیوان اور انسان کی درمیانی کڑیاں کہاں ہیں؟ علمائے ارتقاء کا خیال ہے کہ ایسی کڑیاں موجود ضرور ہیں لیکن ابھی تک ان کا سراغ نہیں مل سکا۔

(دراصل ان مفروضہ کڑیوں کو غلط طور پر گرم شدہ کڑیوں کا نام دے دیا گیا ہے) 1912ء میں لندن کے اخبارات نے یہ خبر دی تھی کہ بندر اور انسان کے درمیان ایک گرم شدہ کڑی دریافت ہو گئی ہے جس کو ارتقاء کی تاریخ میں ”PILT Down Man“ پلٹ ڈاؤن انسان کہا جاتا ہے کیونکہ لندن کے برٹش میوزیم کو قدیم زمانہ کا ایک جبرٹ ملا تھا جس کا ڈھانچہ بندر جیسا تھا مگر اس کا دانت انسان کے مشابہ تھا۔ اس ہڈی کے ٹکڑے کی بنیاد پر ایک پوری تصویر بنائی گئی جو دیکھنے والوں کو بندر نما انسان یا انسان نما بندر دکھائی دیتی تھی چونکہ وہ پلٹ نامی مقام سے حاصل ہوا تھا اس لیے اس کو پلٹ ڈاؤن انسان کا نام دیا گیا۔ ابتداء میں بڑے بڑے علماء مفکرین نے اس کو جدید علمی فتوحات میں شمار کیا۔ تقریباً نصف صدی تک جدید علماء اس دریافت سے مسحور و متاثر رہے لیکن 1953ء میں بعض علماء کو شبہ ہوا تو انہوں نے برٹش میوزیم کے آہنی فائر پروف بکس سے مذکورہ جبرٹ انکالا۔ اس کو سائنسی طریقے سے جانچنے پر آخر کار وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ ایک مکمل فریب تھا جس کو حقیقت سمجھ لیا گیا۔ اس داستان سے ڈارون کا نظریہ ارتقاء دجل و فریب ثابت ہوا لیکن دوسری طرف اس کے مقابلے میں قرآن مجید سے اسی نوعیت کی ایک مثال ملاحظہ کیجئے۔

فرعون کا مجسمہ

تاریخ کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں مصر کا جو بادشاہ غرق ہوا وہ رمسیس دوم کا فرزند تھا اس کا خاندانی لقب فرعون اور ذاتی نام مرنپتاح (Merneptah) تھا نزول قرآن کے وقت اس فرعون کا ذکر صرف بائبل کے مخطوطات میں تھا اس میں بھی صرف یہ لکھا تھا کہ ”خداوند نے سمندر کے بیچ ہی میں مصریوں کو تہ و بالا

کر دیا اور فرعون کے سارے لشکر کو سمندر میں غرق کر دیا“ (خروج ۱۴: ۲۸)
اس وقت تک فرعون کا مجسمہ محفوظ ہونے کے بارے میں کسی کو علم نہ تھا لیکن
قرآن نے حیرت انگیز طور پر یہ اعلان کر دیا کہ فرعون کا جسم محفوظ ہے اور وہ دنیا
والوں کے لیے درس عبرت بنے گا۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً (یونس ۹۲)
ترجمہ: آج ہم تیرے بدن کو بچالیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لیے نشانی بنے۔
اس آیت کے نزول پر اسی حالت میں تقریباً چودہ صدیاں گزر گئیں تو
پروفیسر لاریٹ وہ پہلا شخص ہے جس نے ۱۸۹۸ء میں مصر کے ایک قدیم مقبرہ میں
داخل ہو کر دریافت کیا کہ یہاں فرعون کی لاش مومی کی ہوئی موجود ہے۔

۸ جولائی ۱۹۰۷ء کو ایسٹ اسمتھ نے اس لاش کے اوپر لپٹی ہوئی چادر کو
ہٹایا اس کی باقاعدہ ریسرچ کی اور پھر ۱۹۱۲ء میں ایک کتاب بنام شاہی ممیاں
(The Royal Mummies) شائع کی اور ثابت کیا کہ یہ لاش اسی فرعون کی ہے
جو تین ہزار سال پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں غرق ہوا تھا۔

فارین غور فرمائیں! قرآن نے ساتویں صدی عیسوی میں کہا کہ
فرعون کا جسم لوگوں کی نشانی کے لیے محفوظ ہے اور وہ انیسویں صدی کے آخر میں پوری
صحت کے ساتھ برآمد ہو گیا۔

ڈاکٹر مورلیس بکائی نے ۱۹۷۰ء میں اپنی کتاب ”بائبل اور قرآن اور
سائنس“ میں لاش کے معائنہ کے بعد تسلیم کیا کہ جو لوگ مقدس آسمانی کتابوں کی سچائی
کے لیے جدید ثبوت چاہتے ہیں وہ قاہرہ کے مصری میوزیم میں شاہی ممیوں کے کمرہ کو
دیکھیں وہاں وہ قرآن کی ان آیات کی شاندار تصدیق پالیں گے جو کہ فرعون کے جسم
سے بحث کرتی ہیں۔

دوسری طرف موجودہ زمانے کے علماء سائنس نے پلٹ ڈاؤن کے مقام پر



ایک قدیم انسان کا ڈھانچہ دریافت کیا جو علماء سائنس کی اگلی معلومات کے تحت بالکل بے بنیاد ثابت ہوا۔ کیا اس عملی شہادت کے بعد وحی کے علم یقینی ہونے اور قرآن کے خدائی کتاب ہونے میں کوئی شبہ باقی رہ سکتا ہے؟

حقیقت کائنات کا علم بغیر وحی کے ناممکن ہے

دنیا میں بیشمار ایسے لوگ گزر رہے ہیں جو ساری زندگی راز کائنات پانے کی جستجو کرتے رہے مگر ناکام ہو کر خودکشی کر بیٹھے اور بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جن کو راز تو نہ ملا البتہ اپنی اٹکل سے من گھڑت فلسفے تیار کیے۔ یہ دونوں قسم کے لوگ راز کائنات کے حقیقی علم سے محروم رہے۔

انسانی علوم ہم کو بہت کچھ دیتے ہیں مگر زیادہ سے زیادہ جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ”کائنات کیا ہے“ اور وہ بھی کائنات کا ایک دھندلا سا تصور مگر علمائے سائنس آج تک یہ نہ بتا سکے کہ جو کچھ ہے وہ کیوں ہے؟۔ چند گیسیں، چند دھاتیں، اور چند نمکیات و عناصر کی ترکیب سے ایک جسم انسانی یا حیوانی وجود میں آتا ہے، مٹی میں بیج ڈالنے سے ہرے بھرے پھل دار درخت اور پودے نکلتے ہیں، دو گیسوں کے ملنے سے پانی تیار ہوتا ہے، پانی سے بخارات اٹھتے ہیں، بادل بنتے ہیں، اور بھاپ بنتی ہے جو دیو پیکرا بخنوں کو حرکت دیتی ہے۔ ایٹم کے حقیر برقی ذرات کے انتشار سے بے پناہ قوت بنتی ہے جو چٹانوں کو پاش پاش کر دیتی ہے مگر یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے فلسفہ اور سائنس کے علوم ان کے بارے میں ہماری کوئی راہنمائی نہیں کرتے۔

کائنات کی وسعت کے بارے میں آئن سٹائن یوں رقم طراز ہے کہ یہ کائنات اس قدر وسیع ہے کہ روشنی کی مانند ایک انتہائی تیز اڑنے والا جہاز جس کی رفتار ایک لاکھ چھیالیس ہزار میل فی سیکنڈ ہو وہ کائنات کے گرد گھومے تو اس کائنات کے گرد چکر لگانے میں تقریباً ایک ارب سال لگیں گے۔

لیکن آئن سٹائن کا یہ صرف خیالی پلاؤ ہے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں وسعت کائنات اس کے قیاسی نظریے سے کہیں بالا ہے۔

انجام خرد ہے ناصبوری ہے فلسفہ زندگی سے دوری
ہیگل کا صدف گہر سے خالی ہے اس کا طلسم سب خیالی
علماء فلسفہ و سائنس انہی غلط فہمیوں اور خوش فہمیوں کو اپنا علمی کمال سمجھتے ہیں
لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ حقائق کائنات کا اصل راز صرف علم وحی کے ذریعے ہی
سمجھا جاسکتا ہے اور ان تمام سوالوں کا شافی جواب صرف قرآن ہی دے سکتا ہے۔
قرآن مابعد الطبیعیاتی حقیقتوں کی قطعی خبریں دیتا ہے اور صرف خبروں پر اکتفا نہیں کرتا
بلکہ ان کا ایسا حیرت انگیز نقشہ کھینچتا ہے کہ غیوب، شہود معلوم ہونے لگتا ہے اور اذعان،
ایقان کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور قیال، حال کا روپ دھار لیتا ہے اور علوم عقلیہ،
شعور قلبیہ بن جاتے ہیں اور ہر حقیقت کی اتنی کامیاب منظر کشی کرتا ہے کہ قلب
و نظر اور ہوش و خرد میں انقلاب آ جاتا ہے اور مستقبل، حال کی یقینی صورت میں جلوہ گر
نظر آتا ہے۔ والحمد لله علی ذالک

فلسفہ و سائنس کی بے بسی

حقیقت کائنات کا معمہ حل کرنے میں فلسفہ اور سائنس عاجز و بے بس ہیں
کیونکہ فلسفہ اور سائنس کا سارا زور مادیات، محسوسات اور مشاہدات پر جا کر ختم ہو جاتا
ہے مکسلے نے کہا تھا کہ سائنس ابھی تک اشیائے کائنات کا راز معلوم کرنے کے لیے
نقطہ آغاز پر متحیر اور دم بخود کھڑی ہے اور ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکی تو پھر کائنات
کے نقطہ آخر تک اس کی رسائی کیسے ممکن ہے؟۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ جہاں سائنس اور فلسفہ کی تحقیقات ختم ہو جاتی ہیں



وہاں سے وحی کا پہلا درس شروع ہوتا ہے۔

غرضیکہ فلسفہ اور سائنس محسوسات اور مشاہدات سے آگے قدم رکھتے ہی لرزہ بر اندام ہو جاتے ہیں وہ نہیں بتا سکتے کہ ان سے آگے کیا ہے؟ لیکن وحی یہیں سے انسان کا ہاتھ پکڑ کر آگے لے جاتی ہے اور غیب کے سارے اسرار و رموز کو بے نقاب کرتی چلی جاتی ہے۔ سائنس یہ بتانے سے قاصر ہے کہ انسان کی ابتداء کیسے ہوئی؟ مگر وحی نے صاف صاف بتا دیا کہ انسان کی ابتداء کیا ہے؟ انتہاء کیا ہے؟ مرنے کے بعد انسان کہاں جاتا ہے؟ اس پر قبر میں کیا گزرتی ہے؟ سائنس یہ تو بتاتی ہے کہ کائنات کس لیے ہے لیکن آج تک یہ نہ بتا سکی کہ خود انسان کس لیے ہے؟

ڈھونڈھنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا

اپنے افکار کی دنیا میں سفر کرنے سکا

سائنس کے ذریعے آفتاب کو ناپا جاسکتا ہے، ہوا کو تولا جاسکتا ہے، آسمان کے ستاروں کو گنا جاسکتا ہے، سورج اور چاند پر کمندیں پھینکی جاسکتی ہیں۔ ”جزء لا یتجزی“ سے ایٹم بنایا جاسکتا ہے، بعد مسافت کے مسئلہ کو درجہ صفر تک پہنچایا جاسکتا ہے، مون سون کی ہواؤں پر قبضہ کر کے پانی برسایا جاسکتا ہے۔

بلکہ ممکن ہے کہ مستقبل میں ”احیاء موتی“ یعنی مردوں کو زندہ کرنے کی تدبیر بھی معلوم ہو جائے (جیسا کہ دجال کی بعض ایسی خصوصیات احادیث مبارکہ سے ثابت بھی ہیں)۔

سائنسدان کہتے ہیں کہ ہم نے تخم حیات (پروٹوپلاز) کا پتہ چلا لیا ہے، کیمیا گر کہتے ہیں کہ تخم حیات کا ربن، آکسیجن اور نائٹروجن کی باہمی ترکیب سے تیار ہوتا ہے۔ ہمیں تسلیم ہے کہ سائنس یہ سب کچھ کر سکتی ہے اور ہم منتظر ہیں کہ وہ ایسا کرے کیونکہ بہت سارے قرآنی دعوؤں کی تصدیق و توثیق انہیں انکشافات پر موقوف ہے لیکن بایں ہمہ ہمارے مذہبی سوالات کے حل میں سائنس پہلے کی طرح

اب بھی عاجز ہے اور ہمیشہ عاجز رہے گی۔

مثال کے طور پر فرض کیجئے کہ سائنس نے کیمیائی عناصر کی ترکیب سے زندگی پیدا کر لی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ان عناصر کی ترکیب سے زندگی کیوں اور کیسے پیدا ہو گئی؟

زندگی کا راز کسی دور میں یوں حل کیا گیا تھا کہ نر اور مادہ کے اختلاط سے زندگی پیدا ہو جاتی ہے لیکن اس پر بھی یہ سوال اسی طرح آج تک قائم ہے کہ اس اختلاط سے یہ نتیجہ کیوں پیدا ہوتا ہے؟ ایک شخص کہتا ہے کہ تخم (بیج) کو مٹی میں ملانے اور پانی دینے سے پودا پیدا ہو جاتا ہے لیکن جب ہم اس سے پوچھتے ہیں کہ یہ پودا کیسے اور کیونکر پیدا ہوتا ہے تو اس کے پاس قطعاً کوئی جواب نہیں ہوتا اسی طرح مادہ پرست فلسفی جو وحی اور مذہب کے تصور کے منکر ہیں اور مادے کو علت کائنات قرار دیتے ہیں جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ جس مادہ پر تم نے کائنات کی عمارت کھڑی کی ہے خود وہ مادہ کیا چیز ہے؟ کیا رنگ مادہ ہے یا روشنی؟ مقدار مادہ ہے یا شکل؟ اور پھر ان سے جب دریافت کیا جاتا ہے کہ تمہیں مادے کے وجود کا علم کیسے ہوا؟ کیا تمہیں تمہارے احساسات نے دھوکہ نہیں دیا کہ تم اس فرضی وہم میں مبتلا ہو گئے؟ تو وہ مادے کے وجود پر بھی کوئی دلیل نہیں دے سکتے۔ تحقیق نے ثابت کر دیا ہے کہ ملحد فلسفیوں کے خود تراشیدہ وہم اور وسوسہ کے علاوہ مادہ کی کوئی حقیقت اور وقعت نہیں ہے بلکہ یہ صرف ایک خواب وہم یا سراب ہے۔

پر وہی گر پڑا کبوتر کا

جس میں نامہ بندھا تھا دلبر کا

الغرض کائنات کے آغاز اور انجام تک پہنچنا اور اسکی کنہ دریافت کرنا فلسفہ اور سائنس کی رہنمائی میں قطعاً ناممکن ہے یہ معمہ صرف وحی خدا کے ذریعے ہی حل ہو سکتا ہے (اس کا ثبوت انشاء اللہ آگے چل کر پیش کیا جائے گا)۔



سردست وحی کے یقینی ذریعہ علم ہونے پر چند عقلی دلائل و شواہد پیش کئے جا رہے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

اثبات وحی کے عقلی دلائل

منکرین وحی اپنے مرغوبہ خیالات کے لیے ادلہ شرعیہ کی بجائے اپنی عقل نامتھام پر انحصار کرتے ہیں اور وہ عقلیات مادیات اور حسیات کو اولیت دیتے ہیں اور امور الہیہ شرعیہ اور امور نبوت کو معاذ اللہ حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہم مادہ پرستوں کے عقلی دلائل کی تردید کرتے ہوئے اپنی طرف سے ایسے بدیہی عقلی دلائل پیش کرتے ہیں جن سے وحی کا اثبات ہو چنانچہ دلائل ملاحظہ ہوں۔

پہلی دلیل

عمل تنویم :- (نیم مدہوشی یا مصنوعی نیند) ہپناٹزم

جرمنی کے ایک ڈاکٹر مسر المانی نے اٹھارہویں صدی میں اس تجربے کا انکشاف کیا۔ اس نے اور اس کے پیروکاروں نے طویل عرصہ تک اس سلسلے میں کوششیں جاری رکھیں اور دلائل کے ذریعے علماء کو اس کے اعتراف پر مجبور کیا اور وہ اس مقصد میں کافی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ انہوں نے عمل تنویم یا ہپناٹزم کے ذریعے جن چیزوں کا کھوج لگایا ان کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

الف۔ انسان میں ایک باطنی عقل ہے جو اس کی ظاہری عقل سے زیادہ قوی ہے۔

ب۔ یہ کہ انسان نیند یا نیم مدہوشی کی حالت میں دور دراز کی چیزوں کو دیکھ سکتا ہے اور آوازوں کو سن سکتا ہے اور عبارات کو پردے کے پیچھے سے پڑھ سکتا ہے اور ہونے والے واقعات کے بارے میں وقت سے پہلے آگاہ کر سکتا ہے۔

ج۔ نیم مدہوشی کے مختلف درجات و مراحل ہیں جن میں باطنی شعور گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔



۹۔ نیم مدہوشی میں ایک ایسا درجہ بھی ہے کہ جسم سے روح خارج ہو کر غیر مرئی شکل اختیار کر لیتی ہے لیکن جسم و روح کا رابطہ بدستور قائم رہتا ہے۔ اگر جسم اور روح کے درمیان خفیہ رابطہ نہ ہو تو جسم پر موت طاری ہو جائے۔

۱۰۔ ہپناٹزم والوں نے ثابت کیا ہے کہ اس اصل روح سے ماوراء بھی ایک روح ہے روح جسم کے علاوہ ایک مستقل وجود ہے۔

۱۱۔ جسم کے تغیر پذیر ہونے سے روح پر تغیر اور فنا طاری نہیں ہو سکتی۔

۱۲۔ روح جسم سے جدا ہو کر ان ارواح میں شامل ہو جاتی ہے جو اس سے پہلے دوسرے جسموں سے جدا ہو چکی ہوتی ہیں جس پر مختلف تجربات شاہد ہیں۔

دوسری دلیل

دور حاضر کی محیر العقول ایجادات مثلاً ٹیلی فون وائرلیس، مائیکرو فون، ریڈیو وغیرہ جن کے ذریعے انسان پیغام رسانی اور مکمل راہنمائی کا کام کر سکتا ہے، دور دراز کی آوازوں کو سن سکتا ہے اور جس طرح چاہے دوسروں کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ ان حیرت انگیز اختراعات اور عصری ایجادات کے بعد ہر عاقل، آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ قادر مطلق اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو جو چاہے وحی کے ذریعے القاء کر سکتا ہے اور یہ بات ہرگز بعید از عقل نہیں ہے۔

تیسری دلیل

دور حاضر کی سائنسی ایجادات نے بے جان اور جامد اجسام کے ذریعے سے مختلف آوازوں، نغموں، اقوال و حکایات کو کمال مہارت سے ہمارے سامنے پیش کیا ہے جن سے انکار کا ہمیں چارہ نہیں تو کیا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے یہ بعید ہے کہ وہ اپنے خاص بندوں میں سے بعض نفوس قدسیہ بشریہ کو براہ راست یا فرشتے (وحی) کی وساطت سے مقدس کلمات القاء کر کے مخلوق کی ہدایت و رہنمائی کا ذریعہ بنادے؟۔

**چوتھی دلیل**

ہم دورِ حاضر میں مشاہدہ کر رہے ہیں کہ بعض حیوانات کو سدھا کر یا ان حیوانات کے شعور پر انسانی شعور کو مسلط کر کے ان سے کئی عجیب و غریب اور منظم افعال و اعمال صادر کرائے جا رہے ہیں۔ اکثر جانوروں میں ارادی یا غیر ارادی طور پر ایسی شعوری قوت معلوم ہوتی ہے جیسے وہ القائی والہامی علم و شعور رکھتے ہیں اور ان کے افعال و اعمال میں ایک خاص نظم و ضبط اور فکر و احساس پایا جاتا ہے جیسے شہد کی مکھی وغیرہ۔

میلن ادوار جو فرانس میں سوربون کی یونیورسٹی میں مسندِ تدریس پر فائز ہے اس نے ایک عجیب و غریب جانور اکیسکلیوب کے بارے میں تحقیق پیش کی ہے کہ یہ جانور الگ تھلگ زندگی بسر کرتا ہے اور انڈا دینے کے بعد مر جاتا ہے۔ اس انڈے سے چھوٹے چھوٹے کیڑے نکلتے ہیں جن کی ٹانگیں وغیرہ نہیں ہوتیں اور اپنی حفاظت کرنے سے بھی عاجز ہوتے ہیں اور غذا بھی حاصل نہیں کر سکتے اور اس کے ساتھ ان کی زندگی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ ایک عرصہ تک کسی محفوظ و مقفل جگہ پر زندگی گزاریں ورنہ ان کے بہت جلد ہلاک ہو جانے کا خطرہ رہتا ہے۔

اکیسکلیوب کی مادہ لکڑی کا ٹکڑا لیتی ہے اور کھود کر اس میں سوراخ نکال لیتی ہے اس میں خوراک جمع کرتی رہتی ہے جو طویل مدت کے لیے اس کے لیے کافی ہوتی ہے اور یہ خوراک پھولوں، پتوں اور گھاس پھوس پر مشتمل ہوتی ہے۔ وہ کوئی قوت ہے جو اس کمزور جانور کو یہ تکنیک سکھاتی اور اس کے دل میں اس مشقت کا القاء کرتی ہے۔ جاننا چاہیے کہ جو قوت ایک حقیر جانور کو اس قسم کے شعور سے بہرہ یاب کرتی ہے وہی قوت اگر اپنے معزز اور مکرم بندوں انبیاء و اولیاء پر اس سے اعلیٰ ترین غیبی علوم منکشف فرمادے اور وحی یا الہام کے طریقے سے مخلوق کی ہدایت کا بندوبست فرمادے تو کیا استحالہ ہے؟

پانچویں دلیل

عبقریت :- افلاطون نے عبقریت کی تعریف میں کہا کہ یہ ایک ایسی ماوراء الفطرت حالت کا نام ہے جو انسان کے لیے علوی انکشافات و ارتقائی الہامات کا باعث بنتی ہے دیگر فلاسفہ کے نزدیک عبقریت ایک ایسی بلند ترین کیفیت کا نام ہے جس میں عقل کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

ماہرین طبعیات کا کہنا ہے کہ عبقریت 'علوم طبیعیہ کا ایک ایسا تحفہ ہے جو تخمین و ظن سے حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی غور و فکر سے اس کا وجود منظر عام پر آ سکتا ہے۔ عبقریت کی ایسی کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں جو وحی کے موضوع پر آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی روشنی کی مانند اکناف عالم میں ظہور پذیر ہیں اور حیرت و استعجاب کی وادیوں میں بھٹکنے والوں کو صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرتی ہیں۔ مثلاً

۱۔ کیمبرج یونیورسٹی میں علم النفس کے پروفیسر میرس نے اپنی ضخیم کتاب "الشخصیۃ الانسانیۃ" میں تحریر کیا ہے کہ مسٹر بیدلر کو ایک خاص قسم کی کیفیت حاصل تھی جو معجزہ کے مشابہ معلوم ہوتی تھی چنانچہ وہ بدیہی طور پر ایسے عوامل کی تعیین کرتا تھا جن میں اگر بعض ہندسوں کو بعض ہندسوں سے ضرب دی جائے تو نتیجہ سات یا آٹھ اعداد کی صورت میں برآمد ہوتا تھا۔

مثلاً جب اس سے پوچھا گیا کہ وہ اعداد کون سے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک کو دوسرے سے ضرب دی جائے تو نتیجہ 17861 کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے تو اس نے فوری طور پر جواب دیا کہ وہ اعداد 337,53 ہیں اسی طرح وہ اکثر سوالوں کا فی البدیہہ اور فوراً جواب دیتا تھا وہ کہتا ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ یہ جواب کس طرح اور کہاں سے آتا ہے؟

گویا اس کے نزدیک یہ معاملہ اس کی افتادِ طبع یا عادتِ ثانیہ کی صورت اختیار کر گیا تھا۔

فادین کرام !

۱..... سائنس کے اصول عبقریت کی روشنی میں غور فرمائیں کہ اگر اللہ اپنے مخصوص بندوں (انبیاء و مرسلین) کو ایسے خفیہ عوامل کی تعیین و اظہار پر بطریق وحی والہام مامور فرمادے اس کے لیے یہ امر کیا مشکل ہے؟

اور کیا یہ استشادات، علم وحی کے یقینی ہونے کا عقلی ثبوت مہیا نہیں کرتے؟

۲..... فرانسیسی شاعر کبیر سولٹی برودوم سے منقول ہے وہ بیان کرتا ہے کہ میرے سامنے بلا غور و تامل آنا فانا عجیب و غریب حقائق وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں اور علم جیومیٹری کے حتمی فارمولے حقیقت بن کر متشکل ہوتے رہتے ہیں حالانکہ میں نے ان حقائق پر کبھی ذرا سی بھی توجہ مبذول نہیں کی ہوتی۔

۳..... ایک اور فرانسیسی شاعر المسیو (رینہ) کہتا ہے کہ میں نیند کی آغوش میں محو استراحت ہونے کے قریب ہوتا ہوں اور کسی شعر کی تکمیل کے لیے ادھیڑ بن کر رہا ہوتا ہوں اچانک نیند غالب آ جاتی ہے تو پھر بیداری کے بعد یکا یک اس شعر کو مکمل صورت میں موجود و تیار پاتا ہوں مجھے پتہ نہیں چلتا کہ یہ شعر کیسے مکمل اور موزوں ہو جاتا ہے۔

۴..... ایک اور فرانسیسی شاعر موسیہ نامی کا کہنا ہے کہ میں کوئی کدو کاوش نہیں کرتا لیکن کسی غیر مرئی طاقت کی بازگشت سنتا ہوں تو فوراً اسے شعر کی صورت میں بیان کر دیتا ہوں تو گویا کوئی انجانا انسان مرے ساتھ سرگوشیاں کر رہا ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا مثالیں جو قارئین کے ذوق مطالعہ کی نذر کی ہیں بعض افراد میں روحانی اور باطنی استعداد کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں اور انسان کے لیے علم و ہدایت کی غیر معتاد راہوں کی طرف نشاندہی کرتی ہیں اور انسان کو وحی کا مفہوم سمجھانے میں مدد و معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔

ناظرین کرام غور فرمائیں کہ!

تجربات کی دنیا میں وقوع پذیر ہونے والے یہ عوامل اوہام باطلہ کو نیست و نابود کرنے اور وحی کو حصول علم کا یقینی ذریعہ ثابت کرنے کے لیے کتنی اہمیت کے حامل ہیں۔

چھٹی دلیل

برہان حسی :- موجودہ علم سائنس کی رو سے یہ حقیقت ثابت ہو چکی ہے کہ بعض لوگوں کو مظاہر روحانیہ کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ یہ مظاہر ان خوارق سے زیادہ معتبر ہیں جنہیں علم سائنس کے ماہرین منظر عام پر لاتے رہتے ہیں۔ ان ماہرین سائنس نے مادی تعلیلات کو حسیات کے قریب تر کر کے یہ ثبوت بہم پہنچایا ہے کہ روحانی تسخیرات مسلمہ حقیقت ہیں اور ان میں محض انسانی مہارت یا حداقت کا کوئی عمل دخل نہیں۔

دور حاضر کے سائنسدانوں نے بعض انسانوں پر ذہول کی کیفیات طاری کر کے روحانی انکشافات کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اس علمی کشف کی رو سے یہ حقیقت ہرگز بعید از عقل و فہم نہیں رہی کہ اللہ تعالیٰ بعض نفوس قدسیہ کو بطریق وحی علمی انکشافات سے بہرہ ور فرما دے۔

بحمدہ تعالیٰ مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں اہل بصیرت کی چشم بینا کے لیے وحی کا وجود صبح کے اجالے کی مانند پایہ ثبوت تک پہنچا۔ وباللہ التوفیق

کیفیاتِ وحی

صرف عقل اور مشاہدہ انسان کی رہنمائی کے لیے کافی نہیں بلکہ انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے وحی الہی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ وحی کی ہر بات کا ادراک، عقل اور مشاہدے سے ہو جائے بلکہ بنیادی طور پر وحی کی ضرورت پیش ہی اس وقت آتی ہے جب عقل کام نہیں دیتی۔

عقل گو آستان سے دور نہیں

اس کی تقدیر میں حضور نہیں

انسان کی مکمل اور جامع رہنمائی کے لیے قدرت نے جو مؤثر اور مربوط

نظام بنایا ہے۔ اسی باقاعدہ نظام کا نام وحی الہی ہے۔ وحی محض ایک دینی اور اعتقادی نظریہ ہی نہیں بلکہ ایک فطری، فکری اور عقلی ضرورت بھی ہے اور اصحاب فہم و بصیرت کے لیے اس حقیقت کا انکار قطعاً ناممکن ہے۔

حکمت کیفیات

وحی کی مختلف کیفیات کے ظہور سے کما حقہ، پردہ اٹھانا تو اس رب علیم و حکیم کی شان ہے تاہم اس کے بارے میں اتنا معلوم ہے کہ یہ امر حکمت الہیہ سے خالی نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان کیفیات سے مقصود اپنے محبوب کے دل کو برقرار و ثابت رکھنا ہو جیسا کہ فرمایا۔

”لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ“

.....۲ احوال و کیفیات میں تبدیلی کے ذریعے قلب و ذہن میں تفریح و تبدیلی منظور ہو ”فَإِنَّ الْوَحْيَ إِذَا كَانَ يَتَجَدَّدُ فِي كُلِّ حَادِثَةٍ كَأَنَّهُ أَقْوَى بِالْقَلْبِ



وَأَشَدُّ عِنَايَةً بِالْمُرْسَلِ إِلَيْهِ “ (الاتقان)

ترجمہ: کیونکہ ہر واقعہ میں جب تازہ کیفیت کے ساتھ وحی کا تازہ نزول ہوتا رہے گا تو قلب مبارک کے لیے زیادہ تقویت اور ذات رسالت (علیٰ صاحبہا الصلوٰات والتسلیمات) کے لیے اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت کا اہتمام ظاہر ہوگا جس کے نتیجے میں جدا جدا کیفیات کا ظہور موجب کیف و سرور ہوگا۔

۳..... اس امر کا ثبوت مہیا ہو جائے کہ قرآن کا کوئی نازل فرمانے والا ضرور ہے جو بار بار نئے انداز میں نئے پیغام بھیج رہا ہے ”تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ“ (السجدہ) اور ذات کی تجلیات جلالیہ و جمالیہ کے پر تو سے اس کی ہر آن نئی شان ظاہر ہوتی ہے ”كُلُّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ“ (الرحمن) اور صفات بشریہ صفات ملکیہ سے اور صفات ملکیہ صفات حقیقہ سے متصف و متخلق ہوتی رہیں۔
علماء مفسرین نے نزول وحی کی متعدد قسمیں بیان فرمائی ہیں ان میں سے چند کیفیات نذر قارئین ہیں۔

1..... مکالمات

مِنْهُ مَا يَكُونُ مُكَالَمَةً بَيْنَ الْعَبْدِ وَرَبِّهِ

یعنی کبھی تو اللہ تعالیٰ اور بندے کے باہمی مکالمے کی صورت میں وحی نازل ہوتی تھی جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر شرف ہم کلامی حاصل کیا۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”كَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا“ (النساء) شب معراج سرور عالم ﷺ بحالت بیداری صرف ایک بار ذات باری کے ساتھ بلا واسطہ ہم کلام ہوئے اور سورۃ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں۔ ایک مرتبہ خواب میں بھی اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے۔ (الاتقان)

2..... اَلْهَامُ الْقَاءُ يَانْفُثُ فِي الرُّوْعِ

”مِنْهُ مَا يَكُونُ اِلْهَامًا“

یعنی کبھی الہام کی صورت میں وحی نازل ہوا کرتی تھی بایں طور کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے دل پر ایک یقینی اور ضروری علم القاء کرتا تھا جس میں کوئی شک والتباس نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کیفیت میں جبریل امین علیہ السلام کسی بھی صورت میں سامنے آئے بغیر آپ کے قلب مبارک میں کوئی کلام القاء کر دیتے۔ اس کو مفسرین کی اصطلاح میں ”نفث فی الروع“ کہا جاتا ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے خود فرمایا ”ان روح القدس نفث فی روعی“ یعنی روح القدس (جبریل علیہ السلام) نے میرے دل میں پھونک مار دی۔ (الاتقان)

3..... منامات صادقہ یا رویائے صالحہ

”مِنْهُ مَا يَكُونُ مَنَا مَا صَادِقًا“

یعنی نیند کی حالت میں ایسی سچی خواب نظر آتی جو بلاتا خیر صبح کی سفیدی کی طرح پوری اور ظاہر ہو جاتی یا بعض اوقات نیند کے عالم میں فرشتہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اکثر علماء نے سورۃ الکوثر کو اسی قسم کی وحی میں شمار کیا ہے۔ (الاتقان) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب ہی میں بیٹے کی قربانی کا حکم ملا تھا۔ (فافہم) اسی طرح معراج منامی کے واقعات بھی اس امر کے مؤید ہیں۔

4..... براہ راست نزول جبریل علیہ السلام

”مِنْهُ مَا يَكُونُ بِوَاسِطَةِ أَمِينٍ الْوَحْيِ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ“

یعنی جبریل علیہ السلام کے واسطے سے بالمشافہ احکام و کلام کا نازل ہونا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: ”نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَى قَلْبِكَ“ (الشعراء) واضح ہو تمام قرآنی وحی اسی قبیل سے ہے۔ (مناہل العرفان)

5..... صَلَٰصَلَةُ الْجَرَسِ

”وَقَدْ يَكُونُ وَقَعَ الْوَحْيُ عَلَى الرَّسُولِ كَوَقَعِ الْجَرَسِ“

إِذَا صَلَّصَ فِي أُذُنِ سَامِعِهِ“

یعنی کبھی وحی کی آواز سننے والے کے کان میں گھنٹی بجنے کی طرح سنائی دیتی۔ یہ کیفیت آپ پر زیادہ سخت اور بوجھل ہوتی تھی۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ پر (اس طرح) وحی نازل ہوتی تو آپ کا سانس مبارک رکنے لگتا، چہرہ اقدس متغیر ہو کر کھجور کی شاخ کی طرح زرد پڑ جاتا، سامنے کے دانت مبارک سردی سے کپکپانے لگتے اور آپ کو سردی کے موسم میں بھی پسینہ آ جاتا جس سے پیشانی مبارک پسینہ سے شرابور ہو جاتی اور اس کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے۔ (الاتقان)

وحی کی یہ کیفیت بعض اوقات اس قدر شدید ہو جاتی کہ آپ جس جانور پر سوار ہوتے وہ جانور ایسے وقت میں آپ کے بوجھ سے دب کر بیٹھ جاتا جیسا کہ یوم عرفہ کو آپ کی اونٹنی مبارکہ کی کمر (نزل وحی کے بوجھ سے) زمین کے ساتھ مس ہونے لگی اور ایک مرتبہ آپ حضرت زید بن ثابت کے زانوں پر سر مبارک رکھ کر آرام فرما رہے تھے کہ اچانک وحی نازل ہونی شروع ہو گئی۔ حضرت زید بن ثابت کی ران پر اتنا بوجھ پڑا کہ وہ ٹوٹنے لگی۔ (بخاری شریف زاد المعاد)

بعض مفسرین کے نزدیک یہ کیفیت اس وقت ہوتی تھی جبکہ کسی عذاب سے ڈرانے یا دھمکی دینے کی آیت نازل ہونے والی ہوتی۔

6 جبریل کا حقیقی صورت میں نازل ہونا

فَتَارَةً يَظْهَرُ لِلرَّسُولِ فِي صُورَتِهِ الْحَقِيقِيَّةِ الْمَلَكِيَّةِ

یعنی بعض اوقات جبریل امین علیہ السلام اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہوتے آپ کی حیات مبارکہ میں تین بار ایسا ہوا پہلی مرتبہ نبوت کے ابتدائی زمانہ میں مکہ مکرمہ کے مقام اجیاد پر دوسری مرتبہ معراج شریف کے موقع پر جیسا کہ ارشاد ہے ”وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى“ تیسری مرتبہ جب آپ ﷺ نے خود جبریل امین (علیہ



السلام) کو اصلی صورت میں دیکھنے کی خواہش ظاہر فرمائی۔ (فتح الباری)

7..... جبریل کا انسانی صورت میں نازل ہونا

”فَتَارَةً يَظْهَرُ فِي صُورَةِ إِنْسَانٍ يَرَاهُ الْحَاضِرُونَ وَيَسْتَمِعُونَ إِلَيْهِ“
یعنی گاہے جبریل امین کسی انسانی شکل میں ظاہر ہوتے جس کو حاضرین بھی دیکھتے اور سنتے جیسا کہ مشہور صحابی حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں عموماً تشریف لاتے نیز مشکوٰۃ شریف کتاب الایمان حدیث جبریل میں موجود ہے ”إِذَا طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا يُرَى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ“ بعض اوقات کسی سائل یا اعرابی کی صورت میں بھی تشریف لایا کرتے یہ نزول وحی کی سب سے زیادہ آسان کیفیت تھی۔ (الاتقان)

8..... دَوِيَّةُ النَّحْلِ

”وَرُبَّمَا سَمِعَ الْحَاضِرُونَ صَوْتًا عِنْدَ وَجْهِ الرَّسُولِ كَأَنَّهُ دَوِيَّةُ النَّحْلِ“

اکثر اوقات وحی کی ہلکی ہلکی آواز حضور علیہ السلام کے سامنے بیٹھنے والے حاضرین بھی سنا کرتے تھے۔ اس کیفیت کے موقع پر آپ کے چہرہ اقدس کے قریب شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح آواز سنائی دیتی تھی لیکن حاضرین اس آواز سے کوئی کلام یا مفہوم اخذ نہیں کر سکتے تھے۔ یہ صرف ذات رسالت مآب ﷺ کی ہی خصوصیت تھی کہ آپ اس وحی کے کلام اور اس کے مفہوم کو مکالمہ سمجھ لیتے اور بغیر کسی اخفاء والتباس کے ایسی صورت میں وحی کے الفاظ و معانی اپنے قلب و نظر میں حاضر و نقش کا لہجہ پاتے گویا وہ سب کچھ آپ کی لوح دل پر لکھا جاتا تھا۔ (مناہل العرفان فی علوم القرآن)

9..... خفیہ طریقہ سے وحی کا نازل ہونا

”وَتَارَةً يَهْبِطُ عَلَى الرَّسُولِ خَفِيَّةٌ فَلَا يُرَى“

یعنی بعض اوقات خفیہ طریقے سے وحی نازل ہوتی جس کا اظہار صرف آپ کے چہرہ مبارک کے متغیر ہونے سے ہوتا تھا۔ ایسی کیفیت کے وقت آپ ﷺ اس طرح خراٹے بھرتے جیسے کوئی گہری نیند سونے والا خراٹے لیتا ہے یا نیم مدہوشی کی کیفیت طاری ہو جانے سے پتہ چلتا تھا کہ یہ حالت فرشتہ نازل ہونے کی وجہ ہوئی تھی جس کو نیند یا نیم مدہوشی کی بجائے استغراقی حالت کہنا زیادہ موزوں ہے۔ ایسے موقعہ پر آپ کا رابطہ عالم ملکوت ولاہوت سے قائم ہو جاتا تھا اور آپ ﷺ حالت بشریہ عادیہ سے یکسر مختلف ہو جاتے تھے نتیجتاً آپ ﷺ کا جسم اقدس یہ بوجھ اور ثقل محسوس کرتا تھا۔ (مناب العرفان)

کَمَا لَا يَخْفَى عَلَى أَهْلِ الْبَصِيرَةِ الرُّوحَانِيَّةِ

10..... وحی بواسطہ اسرافیل علیہ السلام

اعلان نبوت سے لے کر تین سال تک بحکم رب جلیل حضرت اسرافیل علیہ السلام ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے تھے اور ایک روایت کے مطابق آپ کو کچھ باتیں سکھایا کرتے تھے۔ لیکن واضح رہے کہ اسرافیل علیہ السلام کی زبان سے ختمی مرتبت علیہ التحیۃ والثناء پر قرآن کی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ اسرافیل علیہ السلام کو آپ پر نگران مقرر کرنے میں حکمت یہ تھی کہ صور اسرافیل اور بعثت محمد یہ علی صاحبہا الصلوٰات جو قیام قیامت اور قرب قیامت کی علامات سے ہیں دونوں میں باہمی مماثلت سے سلسلہء وحی کا انقطاع ظاہر ہو جائے یا عادت الہیہ اسی طرح جاری ہے۔ جیسا کہ ذوالقرنین پر یافیل کو موکل مقرر کیا گیا تھا اور خالد بن سنان پر مالک داروغہ دوزخ کو نگران بنایا گیا تھا اسی طرح ملائکہ مقربین کو امور کائنات پر موکل بنایا گیا ہے۔ (الاتقان وغیرہ)

(والله اعلم بحقیقة الحال)

تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ

نزول قرآن

لفظ نزول کا معنی ہے ”نَقَلَ الشَّيْءُ مِنَ الْأَعْلَى إِلَى الْأَسْفَلِ“ یعنی کسی چیز کا اوپر سے نیچے اترنا ”نزول“ کہلاتا ہے۔

یہ نزول اگر دفعةً واحدة (یکبارگی) ہو تو ”انزال“ کہلاتا ہے۔ اگر تدریجاً (آہستہ آہستہ) ہو تو ”تنزیل“ کہلاتا ہے۔

قرآن حکیم کا نزول یکبارگی بھی ہوا ہے اور تدریجاً بھی۔ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو ازل سے لوح محفوظ میں موجود ہے پھر وہاں سے باقتضائے حکمت ایزدی مختلف مراتب نزول سے گزرتا ہوا قلب محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات) پر جلوہ گر ہوا۔

تنزلات قرآن

پہلا تنزل :- اولاً دائرہ اصل اور مرتبہ وجوب سے لوح محفوظ میں نازل ہوا جیسا کہ فرمایا بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ۝ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ (بلکہ یہ قرآن مجید ہے لوح محفوظ میں) پھر وہاں سے الفاظ و معانی کی صورت میں اس کا نزول ہوا۔

دوسرا تنزل :- لوح محفوظ سے آسمان دنیا (بیت العزت) میں نازل ہوا۔

..... ۱ ”إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ“ (القدر)

..... ۲ ”إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةِ مُبَارَكَةٍ“ (الدخان) میں اس کی صراحت موجود ہے

بیت العزت کعبہ شریف کے محاذات میں آسمان پر ملائکہ کی عبادت گاہ ہے۔ یہ نزول (یکبارگی) لیلۃ القدر میں ہوا۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ



سے مروی ہے ”أُنزِلَ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا لَيْلَةَ الْقَدْرِ“
(نسائی والحاکم والبیہقی)

تیسرا فنزل :- بیت العزت سے بواسطہ جبریل امین علیہ السلام حضور سرور عالم ﷺ کے قلب اقدس پر نازل ہوا جس کی دلیل یہ آیت ہے۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ
O عَلَى قَلْبِكَ..... الخ (الشعراء)

تدریجی نزول کی حکمتیں

قرآن مجید سرور کائنات ﷺ پر ایک ہی مرتبہ پورے کا پورا نازل نہیں ہوا بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے تقریباً تیس سال کے عرصہ میں اتارا گیا۔
بعض اوقات ایک چھوٹی سی آیت یا اس کا کوئی ایک جزو نازل ہوتا اور بعض اوقات کئی کئی آیتیں بیک وقت نازل ہو جاتیں۔ مثلاً قرآن کا سب سے مختصر حصہ جو مستقل طور پر نازل ہوا وہ ”غَيْرَ أُولَى الضَّرَرِ“ (النساء) ہے جو ایک لمبی آیت کا جزو ہے اور دوسری طرف پوری سورۃ الانعام ایک ہی بار نازل ہوئی ہے (ابن کثیر)
پورے قرآن کو ایک ہی بار نازل کرنے کی بجائے تھوڑا تھوڑا کر کے کیوں نازل کیا گیا؟

اس کی مندرجہ ذیل حکمتیں بیان کی گئی ہیں۔

پہلی حکمت :- یک دم پورا قرآن نازل ہونے کی صورت میں تمام احکام قرآنیہ کی تعمیل و پابندی ہر مسلمان پر فوراً لازم ہو جاتی اور یہ شریعت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات) کی ان حکیمانہ مصلحتوں کے خلاف ہوتا جو اس میں ملحوظ رکھی گئی ہیں۔

دوسری حکمت :- قریش مکہ کی طرف سے سرور عالم ﷺ کو روزانہ نئی اذیتیں برداشت کرنا پڑتی تھیں اس لیے بار بار آیات قرآنیہ کا نازل ہونا آپ ﷺ کے دل مبارک کی تقویت کا سبب بنتا تھا جس سے ان اذیتوں کا مقابلہ آسان ہو جاتا تھا۔

تیسری حکمت :- قرآن کا اکثر حصہ لوگوں کے مختلف سوالات اور ان کے جوابات اور مختلف واقعات پر مشتمل ہے لہذا ان آیات کا نزول انہی اوقات میں زیادہ مناسب تھا جن میں وہ سوالات کئے گئے تھے یا جب کہ وہ واقعات و حالات رونما ہوتے تھے۔ اس طریقہ سے اہل اسلام کے جذبہ استقامت اور بصیرت و ہدایت میں اضافہ ہوتا رہتا تھا اور قرآن کی حقانیت پر اور زیادہ یقین ہو جاتا تھا۔

چوتھی حکمت :- امت کے امی (ناخواندہ) ہونے کی بناء پر یہی مناسب تھا کہ قرآن تدریجی مراحل میں نازل کیا جاتا تا کہ حفظ قرآن اور فہم قرآن امت پر آسان ہو جائے نیز عادات جاہلیہ ایک ایک کر کے دور ہو جائیں اور عبادات و طاعات کی عادات فطری طریقہ سے ان کے قلب و نظر میں جگہ پکڑ لیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

مشرکین مکہ کے اس اعتراض (قرآن تدریجاً کیوں اترتا) کا جواب قرآن کی مندرجہ ذیل آیت میں موجود ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً ۚ
كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا (الفرقان)

شان نزول یا سبب نزول

قرآن پاک کی تفسیر و تشریح کے لیے متعلقہ آیتوں یا سورتوں کا ”شان نزول“ نہایت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اسکے بغیر آیات قرآنی کا مفہوم و معنی صحیح طور پر سمجھنا ناممکن ہے۔ خاص کر قرآن مجید کی وہ آیتیں جو کسی خاص واقعہ حالت یا سوال کے موقع پر نازل ہوئیں وہ اپنے سیاق و سباق (پیش منظر یا پس منظر) کے آئینہ میں ہی پڑھی اور سمجھی جاسکتی ہیں یہی پس منظر اصطلاح مفسرین میں شان نزول یا سبب نزول کہلاتا ہے۔

مدت نزول

آغاز وحی : سرور عالم ﷺ پر قرآن کی جو سب سے پہلی آیات نازل ہوئیں وہ سورۃ علق کی ابتدائی پانچ آیات ہیں۔

صحیح بخاری کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نزول وحی کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی اس کے بعد آپ کو خلوت میں رہ کر عبادت کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ آپ غار حرا میں تشریف لے جاتے اور کئی کئی راتیں وہاں مصروف ذکر و عبادت رہتے۔ اسی حالت میں ایک دن حضرت جبریل حاضر ہوئے اور سب سے پہلے یوں کہا ”اقراء“ (پڑھیے) آپ ﷺ نے فرمایا ”مَا أَنَا بِقَارِئٍ“ (میں پڑھنے والا نہیں) تین مرتبہ ایسا ہوا۔ جب تیسری بار کہا ”اقراء باسم ربک.....“ الخ، تو حضور ﷺ نے ”مَا لَمْ يَعْلَمْ“ تک پانچ آیتیں تلاوت فرمادیں۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال تھی۔ بعد ازاں چند روز کے لیے وحی آنا بند ہو گئی یہ فترت وحی کا زمانہ کہلاتا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد نزول وحی کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا اور سورۃ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔

مکہ معظمہ میں نزول قرآن کا پہلا دور بارہ سال پانچ ماہ اور بارہ یا تیرہ دن کے عرصہ پر مشتمل ہے۔

نزول وحی کی ابتداء سترہ رمضان المبارک اکتالیس سن ولادت نبوی سے ہوئی اس زمانہ کا اختتام یکم ربیع الاول ۵۴ سن ولادت پر ہوتا ہے۔

مدینہ منورہ میں نزول قرآن کا دوسرا دور ہجرت نبوی ﷺ کے بعد شروع ہوا اور یہ کل نو سال نو ماہ اور نو دن کا عرصہ ہے۔ اس کا آغاز یکم ربیع الاول ۵۴ سن ولادت سے ہوا اور ۹ ذی الحجہ تریسٹھ سن ولادت اور دس ہجری پر اختتام پذیر

ہو گیا۔ اس حساب سے نزول قرآن کی کل مدت بائیس سال دو ماہ اکیس دن بنتی ہے۔
مندرجہ بالا تحقیق سے اس بات کو تائید ملتی ہے کہ مکہ معظمہ میں آپ ﷺ کے
قیام کی مدت تقریباً تیرہ برس ہے اور مدینہ منورہ میں دس برس ہے اور کل مدت وحی
تقریباً تیس برس ہے۔ (واللہ اعلم)

انقطاع وحی : تیس برس کا عرصہ نزول قرآن ختم ہونے پر حجۃ الوداع کے
تاریخی دن کو عرفات کے میدان میں آخری وحی نازل ہوئی

”الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ
لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا“ (المائدہ)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت
پوری کر دی ہے اور میں نے تمہارے لیے اسلام کا دین ہونا پسند کر لیا ہے۔

اس کے بعد سلسلہ وحی منقطع ہو گیا اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اعلان

فرمادیا:

”إِنَّ الْوَحْيَ قَدْ انْقَطَعَ“ (بخاری ابن ماجہ)

ترجمہ: تحقیق وحی کا سلسلہ بند ہو گیا۔

بعض مفسرین کا اس میں اختلاف بھی منقول ہے۔ ان کے نزدیک قرآن
کی آخری آیت سورۃ بقرہ کی درج ذیل آیت ہے۔

”وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ“ (البقرہ)

با اختلاف روایات آپ ﷺ کے وصال مبارک سے چار دن، نو دن، بارہ

دن، چوبیس دن، اٹھائیس دن یا اکاسی دن قبل نزول قرآن کا سلسلہ ختم ہوا اور اس طرح
انسانیت کی مکمل ہدایت کا آخری باب مکمل ہو گیا۔ والحمد لله علی ذالک

حروفِ سبعہ پر قرآن کا نزول

اور اس کا مفہوم

صحیح بخاری، کتاب فضائل قرآن کی ایک حدیث میں سرور عالم ﷺ کا ارشاد ہے۔

”إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرَفٍ فَاقْرَؤُوا مَا تيسَّرَ مِنْهُ“
ترجمہ: تحقیق یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے پس پڑھو اس میں سے اس طریقے پر جو تمہارے لیے آسان ہو۔

اس حدیث میں سات حروف پر قرآن کے نازل ہونے سے کیا مراد ہے؟
علماء مفسرین و محققین کا اس میں شدید اختلاف ہے اور یہ مسئلہ علوم قرآنیہ میں مشکل ترین مسئلہ شمار کیا جاتا ہے۔ علامہ ابن عربی علیہ الرحمہ نے اس مسئلہ میں پینتیس اقوال نقل کئے ہیں۔ (الزکشی البرہان فی علوم القرآن ص ۲۱۲ جلد نمبر ۱)

مذکورہ حدیث علماء کے نزدیک معنی کے اعتبار سے متواتر ہے جیسا کہ مشہور محدث امام ابو عبیدہ قاسم بن سلام اور معروف امام علامہ ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہما نے اس کے تواتر کی تصریح فرمائی ہے اور یہ واقعہ بھی متعدد محدثین نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے منبر نبوی ﷺ پر اعلان فرمایا کہ وہ تمام حضرات کھڑے ہو جائیں جنہوں نے زبان رسالت مآب ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے چنانچہ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتنی بڑی جماعت کھڑی ہو گئی جس کو شمار بھی نہ کیا جاسکے۔ (ابن الجزری النشر فی قرأت العشر)

سات حروف پر قرآن پڑھنے کی اجازت کا فلسفہ

سات حروف پر قرآن پڑھنے کی اجازت کا اصل فلسفہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰات کے لیے تلاوت میں آسانی پیدا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس امت کو یہ سہولت عطا فرمائی ہے تاکہ جو شخص ایک طریقہ سے کوئی لفظ نہیں پڑھ سکتا تو دوسرے طریقے سے پڑھ لینے پر قادر ہو جائے۔ چنانچہ اس امر کی وضاحت صحیح مسلم شریف کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس کے راوی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں سرور عالم ﷺ بنو غفار کے تالاب کے پاس تھے آپ کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ کی امت قرآن کو ایک حرف پر پڑھے آپ ﷺ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے معافی اور بخشش مانگتا ہوں میری امت یہ طاقت نہیں رکھتی پھر جبرائیل علیہ السلام دوبارہ حاضر ہوئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو حکم دے رہا ہے کہ آپ ﷺ کی امت قرآن کو دو حرفوں پر پڑھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے معافی اور بخشش مانگتا ہوں میری امت میں اس قدر طاقت نہیں پھر وہ تیسری مرتبہ آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی امت کو تین حروف پر قرآن پڑھنے کا حکم دیا ہے آپ ﷺ نے معافی اور مغفرت طلب کی کہ میری امت میں اس کی طاقت نہیں حتیٰ کہ :-

”ثُمَّ جَاءَهُ الرَّابِعَةُ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَقْرَأَ أُمَّتَكَ الْقُرْآنَ

عَلَى سَبْعَةِ أَحْرَفٍ فَإِنَّمَا حَرْفٍ قَرَأَ وَأَعْلِيهِ فَقَدْ أَصَابُوا“ (منابل العرفان)

پھر وہ چوتھی بار آئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ کی امت قرآن حکیم کو سات حرفوں پر پڑھے پس وہ جس حرف پر بھی پڑھیں گے ان کی قرأت درست ہوگی۔

قول راجح

ہمارے علماء محققین کے نزدیک ”قرآن کے سات حروف“ کی سب سے بہتر تشریح یہ ہے کہ حدیث پاک میں حروف کے اختلاف سے مراد قراءتوں کا اختلاف ہے یعنی قرآن پاک کی جو قراءتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں ان میں جو باہمی اختلافات پائے جاتے ہیں وہ سات قسموں پر مشتمل ہیں اور یہ قول سب سے پہلے حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے۔

سات اقسام کی تشریح

- 1..... **اسماء کا اختلاف:** جس میں مفرد تشنیہ جمع اور مذکر مؤنث کا اختلاف داخل ہے جیسا کہ ”تَمَّتْ کَلِمَةُ رَبِّکَ“ جس کو ایک قراءت میں ”تَمَّتْ کلمات رَبِّکَ“ بھی پڑھا گیا ہے۔
- 2..... **افعال کا اختلاف:** جیسا کہ کسی قراءت میں صیغہ ماضی ہو کسی میں مضارع اور کسی میں امر مثلاً ایک قراءت میں ”رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا“ ہے۔ اور دوسری میں ”رَبَّنَا بَعْدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا“ ہے
- 3..... **وجوہ اعراب کا اختلاف:** ”جس میں اعراب یعنی زبر زیر پیش کا فرق ہو۔ مثلاً ”لَا يُضَارُّ کَاتِبٌ“ کی جگہ ”لَا يُضَارُّ کَاتِبٌ“ اور ”ذُو الْعَرْشِ الْمَجِیدُ“ کی جگہ ”ذُو الْعَرْشِ الْمَجِیدُ“
- 4..... **الفاظ کی کمی بیشی کا اختلاف:** کہ ایک قراءت میں کوئی لفظ کم اور دوسری میں زیادہ ہو۔

مثلاً ایک قراءت میں ”وَمَا خَلَقَ الذَّکَرُ وَالْاُنْثٰی“ ہے اور دوسری میں ”وَالذَّکَرُ وَالْاُنْثٰی“ ہے اور ”وَمَا خَلَقَ“ نہیں ہے۔

اسی طرح ایک قراءت میں ”تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ“ اور دوسری

میں ”تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ“ ہے

5..... **تقديم وتاخير کا اختلاف:** کہ ایک قرأت میں ایک لفظ مقدم اور دوسری میں مؤخر ہے مثلاً ”وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ“ اور ”جَاءَتْ سَكْرَةُ الْحَقِّ بِالْمَوْتِ“

6..... **بدلیت کا اختلاف:** کہ ایک قراءت میں ایک لفظ ہے اور دوسری قراءت میں اس کی جگہ دوسرا لفظ ہے مثلاً ”نَنْشِذُهَا“ اور ”نَنْشِذُهَا“ اسی طرح ”فَتَبَتُّوْا“ اور ”فَتَبَتُّوْا“ نیز ”طَلَحَ“ اور ”طَلَعَ“۔

7..... **لہجوں کا اختلاف:** جس میں اظہار، ادغام، تفخیم، ترقیق، امالہ، قصر، مد، ہمزه، وغیرہا کے اختلاف شامل ہیں مثلاً موسیٰ ایک قرأت میں امالہ کے ساتھ ہے اور اسے موسیٰ کی طرح پڑھا جاتا ہے اور دوسری قرأت میں بغیر امالہ کے پڑھا جاتا ہے۔

○..... مندرجہ بالا تحقیق حضرت امام ابو الفضل رازی رحمۃ اللہ علیہ کے استقراء کے عین مطابق ہے کیونکہ ان کے استقراء میں تمام اختلافات وضاحت کے ساتھ جمع ہو گئے ہیں۔ محقق ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تیس برس سے زائد غور و فکر کرنے کے بعد سات حرفوں کو سات وجوہ اختلاف پر محمول کیا ہے اور امام ابو الفضل رازی کا قول نقل کر کے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ (النشر فی القراءات العشر)

اختلافِ قرأت

واضح رہے کہ اختلافِ قرأت سے یہ سمجھنا کہ قرآن کریم معاذ اللہ ”مختلف فیہ“ ہو گیا ہے ہرگز درست نہیں۔ یہ امر بلاشبہ متفق علیہ ہے کہ قرآن حکیم جس شکل میں آج ہمارے پاس موجود ہے وہ تواتر کے ساتھ چلا آ رہا ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور قرأتِ اختلاف لفظی ہے مفہوم و معنی کے لحاظ سے تمام حروف متحد ہیں۔ معانی میں ہرگز ایسی غیر معمولی تبدیلی نہیں ہوئی جس سے جائز و ناجائز یا حلال و حرام یا بالعکس ہو جائے یہ تمام متواتر قراءتیں رسول اکرم ﷺ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پھر ان سے تابعین اور ان سے تبع تابعین نے حاصل کیں اور ہر دور میں یہ قراءتیں کتابت و ادائیگی نقل متواتر کے ساتھ علیٰ حالہ قائم رہتے ہوئے ہم تک پہنچیں لہذا تمام متواتر قراءتیں حق درست واجب العمل اور واجب الاعتقاد ہیں اور ان کا منکر کافر ہے۔

آئمہ قرأت

تمام قراءتیں تواتر کے ساتھ سرور عالم ﷺ سے منقول ہیں اس کے بعد ہر زمانے میں کچھ بزرگوں کو اس فن میں خصوصی شغف و اختصاص کی بناء پر امامت کا درجہ حاصل رہا ان میں سے بعض حضرات نے کسی خاص قرأت کی تعلیم و اشاعت سے شغف اختیار کیا اور ان سے ایک خاص قرأت تواتر کے ساتھ روایت کی گئی جس کی وجہ سے وہ قرأت ان کے نام سے منسوب ہوئی ورنہ ہر قرأت کا مصدر و مرجع ذات رسالت مآب ﷺ ہے۔

صحابہ کرام میں سات اکابر تعلیمِ قرأت میں زیادہ مشہور ہوئے۔

۱۔ حضرت عثمان غنی ۲۔ حضرت علی المرتضیٰ ۳۔ حضرت ابی بن کعب



۴۔ حضرت زید بن ثابت ۵۔ حضرت عبداللہ بن مسعود

۶۔ حضرت ابوالدرداء ۷۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہم)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تابعین کی ایک عظیم جماعت نے قرائت سیکھی جو مدینہ مکہ کوفہ بصرہ اور شام میں ممتاز شہرت کی حامل ہوئیں پھر ان حضرات سے آئمہ سبعہ کو اس فن میں عالمگیر شہرت ملی اور درجہ امامت پر فائز ہوئے۔ ان ساتوں اماموں کی قرائتیں متواتر ہیں ان میں بھی احادیث کے سلسلہ اسناد کی طرح قرائت کا سلسلہ اسناد موجود ہے۔ آئمہ سبعہ (رحمۃ اللہ علیہم) کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

سات قراء (قراء سبعہ)

- ۱۔ عبداللہ بن کثیر الداری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۰ھ)
 - ۲۔ نافع بن عبدالرحمن بن ابی نعیم رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۶۰ھ)
 - ۳۔ ابو عمرو بن العلاء رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۵۴ھ)
 - ۴۔ عبداللہ الحنفی رحمۃ اللہ علیہ جو ابن عامر کے نام سے مشہور ہیں (متوفی ۱۱۸ھ)
 - ۵۔ حمزہ بن حبیب الزیات رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۸۸ھ)
 - ۶۔ عاصم بن ابی النجو والاسدی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۷ھ)
 - ۷۔ ابوالحسن علی بن حمزہ الکسائی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۸۹ھ)
- ان سات کے علاوہ تین قراء

- ۱۔ ابو جعفر یزید بن القعقاع رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۰ھ)
 - ۲۔ یعقوب بن اسحاق حضرمی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۰۵ھ)
 - ۳۔ خلف بن ہشام رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۰۵ھ)
- کی قرائتیں بھی متواتر ہیں اور یہ حضرات قراء عشرہ کہلاتے ہیں اور حسب ترتیب ان کی قرائتیں سبعہ و قرائت عشرہ کہلاتی ہیں۔
- ان کے علاوہ بعض حضرات نے چودہ قاریوں کی قرائتیں بھی جمع کی ہیں لیکن وہ شاذ ہیں۔ (مناہل العرفان)

جمع وتدوین قرآن

علمائے سلف کے نزدیک جمع و ترتیب کو تالیف کہا گیا ہے لیکن علماء متاخرین جمع و ترتیب کو تدوین کا نام دیتے ہیں۔

ترتیب توقیفی

قرآن کی ترتیب نزول اور ترتیب تلاوت میں واضح فرق موجود ہے۔ قرآن کی موجودہ ترتیب تلاوت ترتیب نزول نہیں بلکہ یہ ترتیب رسول کریم ﷺ کی معین فرمودہ ترتیب تلاوت کے عین مطابق ہے اور یہ ترتیب بلاشبہ توقیفی ہے۔ توقیف کا معنی ہے آگاہ کرنا واقف کرنا اور بتانا وغیرہا۔ مراد یہ ہے کہ اس ترتیب سے خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو آگاہ و واقف فرمایا تھا اور یہ ترتیب وتدوین دراصل اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اس میں حضور ﷺ کی اپنی ذاتی رائے یا کسی دوسرے فرد کی رائے یا قیاس و اجتہاد کو کوئی دخل نہیں اور اس امر پر پوری امت کا اجماع ہے۔ جمع قرآن کا سلسلہ تین ادوار پر مشتمل ہے۔

پہلا دور..... عہد نبوی

دوسرا دور..... عہد صدیقی

تیسرا دور..... عہد عثمانی

جمع قرآن عہد نبوی میں

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو یہ خصوصی امتیاز بخشا ہے کہ اس کی حفاظت



وصیانت کا خود ذمہ اٹھایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

”إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ“ (الحجر)

ترجمہ: بیشک ہم نے قرآن اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کے لیے اہل علم کے سینوں کو

منتخب فرمایا ہے اور حفظ قرآن کی یہ شان خود قرآن کریم میں بیان فرمادی ہے۔

”بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ“

ترجمہ: بلکہ وہ روشن آیتیں ہیں جو اہل علم (حفاظ کرام) کے سینوں میں محفوظ ہیں۔ اسی طرح صحیح مسلم شریف میں ہے۔

وَمُنْزَلٌ عَلَيْكَ كِتَابٌ لَا يَغْسِلُهُ الْمَاءُ

ترجمہ: اور اللہ آپ پر ایسی کتاب نازل کرنے والا ہے جسے پانی نہ دھو سکے گا۔

یعنی قرآن کو سینوں میں اس طرح محفوظ کر دیا جائیگا کہ عام کتابوں کی طرح

آفات و حادثات کی وجہ سے ضائع ہونے کا کوئی خطرہ باقی نہ رہے گا۔

○ ابتدائے اسلام میں قرآن کی حفاظت کے لیے سب سے موثر ذریعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حافظہ ثابت ہوا۔ اہل عرب دنیا بھر میں حیرت انگیز قوت حافظہ کے مالک تھے۔ ایک ایک آدمی ہزار ہا اشعار و ابیات کا حافظ ہوتا تھا اور معمولی معمولی قسم کے عام دیہاتیوں کو بھی افراد خاندان کے شجروں کے علاوہ اپنے گھوڑوں کے نسب نامے تک یاد ہوتے تھے۔

اس دور کے حالات کے پیش نظر یہی مناسب تھا کہ صحابہ کرام حفاظت قرآن کے لیے قرآن کو یاد کر لیتے کیونکہ اس زمانے میں کاغذ بے حد کمیاب تھا اور کتابت کا سلسلہ بھی محدود تر تھا نیز کتابوں کی نشر و اشاعت کے لیے پریس وغیرہ جیسے لیے دوسرے وسائل و ذرائع بھی موجود نہ تھے۔

○ چنانچہ حفظ قرآن کا سلسلہ حضور سرور عالم ﷺ کے زمانہ حیات ظاہری سے

ہی شروع ہو چکا تھا اور حفظ قرآن کی یہ نعمت عظمیٰ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات کی خصوصیات سے ہے جیسا کہ فرمایا گیا

”وَلَقَدْ يَسِّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ.....“ الخ

حفاظ صحابہ کرام: عہد رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ میں قرآن حکیم کے حفاظ صحابہ کی تعداد اس قدر کثیر ہو چکی تھی کہ ایک ایک بستی میں چالیس سے لے کر ستر تک حفاظ و قراء، تعلیم قرآن کے لئے بھیجے جاتے تھے۔

چنانچہ غزوہ بیر معونہ کے موقع پر ستر حفاظ شہید ہوئے اور اتنی ہی تعداد میں جنگ یمامہ میں شہید ہوئے بلکہ ایک روایت کے مطابق جنگ یمامہ میں سات سو قراء و حفاظ شہید ہوئے۔ مجموعی طور پر روایات کی ترتیب و تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ حفاظ صحابہ کرام کی تعداد دس ہزار تھی جن میں پینتیس حضرات کو خصوصی شرف و امتیاز حاصل تھا۔ ان حفاظ صحابہ کرام میں سات حضرات ایسے تھے جن کی سند تمام عالم میں مسلم و معتمد رہی اور انہی سے سلسلہء حفظ قرآن کی اشاعت ہوئی، وہ سات حضرات یہ ہیں۔

۱۔ حضرت عثمان بن عفان ۲۔ حضرت علی بن ابی طالب ۳۔ حضرت ابی بن کعب ۴۔ حضرت زید بن ثابت ۵۔ حضرت عبداللہ بن مسعود

۶۔ حضرت ابوالدرداء ۷۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہم اجمعین)

حفاظ قرآن کی اس جماعت میں مذکورہ سات حضرات کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت طلحہ، حضرت سعد، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عمرو بن عاص، حضرت معاویہ، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبداللہ بن سائب، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابو حلیمہ معاذ، حضرت مجمع بن ساریہ، حضرت مسلمہ بن مخلد، حضرت انس بن مالک، حضرت عقبہ بن عامر، حضرت تمیم داری، حضرت ابو زید رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے جلیل القدر حضرات شامل تھے۔

قرآن حفظ کرنے والی چار صحابیات

جس طرح حفظ قرآن کی دولت صحابہ کرام میں مردوں کو حاصل ہوئی اسی طرح بعض صحابیات کو بھی پورا قرآن حفظ کرنے کی سعادت میسر آئی تھی۔ چنانچہ ان بعض صحابیات کے اسماء حسب ذیل ہیں۔

1..... ام الموء منین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

2..... ام الموء منین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

3..... ام الموء منین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

4..... ام ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہا

کتابت قرآن حفاظت قرآن کا اصل ذریعہ تو اگرچہ حافظہ ہی تھا تاہم اس کے ساتھ ساتھ سرور عالم ﷺ نے اپنی نگرانی میں قرآن حکیم کی کتابت کا بھی خاص اہتمام فرمایا ہوا تھا جیسا کہ زید بن ثابت اور دیگر صحابہ کی روایات سے واضح ہے۔

”كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ (ﷺ) نُوَلِّفُ الْقُرْآنَ فِي الرِّقَاعِ وَالْأَكْتِافِ“

ترجمہ: ہم نبی اکرم ﷺ کے سامنے ہی قرآنی آیات کپڑے کے ٹکڑوں، بکری کے دست و شانوں وغیرہ پر لکھ لیا کرتے تھے۔

o..... اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

”كَانَ رَسُولُ اللَّهِ إِذَا نَزَلَتْ عَلَيْهِ سُورَةٌ دَعَا بَعْضَ مَنْ يَكْتُبُ فَقَالَ

ضَعُوا هَذِهِ السُّورَةَ فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي يُذَكِّرُ فِيهِ كَذَاوَ كَذَا“ (منابل العرفان)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ پر جب کوئی سورت نازل ہوتی تو آپ کا تبین وحی کو بلا کر فرماتے کہ یہ سورت فلاں جگہ پر رکھو جہاں یہ آیات و مضامین ہیں۔

چنانچہ صحابہ کرام حضور ﷺ سے آیات قرآنیہ سن کر، الفاظ بھی کر لیتے اور اپنے

پاس پتھر کی سلوں، چمڑے کے پارچوں، بانس کے ٹکڑوں، کھجور کی شاخوں اور جانوروں کی ہڈیوں اور گاہے گاہے کاغذ کے ٹکڑوں پر لکھ کر محفوظ کر لیتے تھے۔
چالیس سے زائد نفوس پر مشتمل صحابہ کرام، جمع و کتابت قرآن کی خدمت میں مصروف و مامور تھے ان میں زیادہ مشہور حضرات یہ ہیں۔

کاتبین وحی

- ۱۔ حضرت ابوبکر صدیق ۲۔ حضرت عمر ۳۔ حضرت عثمان ۴۔ حضرت علی ۵۔ حضرت ابی بن کعب ۶۔ حضرت عبداللہ بن ابی سرح ۷۔ حضرت زبیر بن عوام ۸۔ حضرت حنظلہ بن الربیع ۹۔ حضرت خالد بن سعید بن العاص ۱۰۔ حضرت ابان بن سعید بن العاص ۱۱۔ حضرت معقیب بن ابی فاطمہ ۱۲۔ حضرت عبداللہ بن ارقم الزہری ۱۳۔ حضرت شرجیل بن حسنہ ۱۴۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ۱۵۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ ۱۶۔ حضرت عامر بن فہیرہ ۱۷۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ۱۸۔ حضرت ثابت بن قیس بن شماس ۱۹۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ ۲۰۔ حضرت خالد بن ولید ۲۱۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان ۲۲۔ حضرت جہم بن الصلت ۲۳۔ حضرت زید بن ثابت ۲۴۔ حضرت حذیفہ بن الیمان ۲۵۔ حضرت سعید بن جبیر ۲۶۔ حضرت محمد بن مسلمہ ۲۷۔ حضرت علاء رضوان اللہ علیہم اجمعین (بحوالہ فتح الباری زاد المعاد طبری وغیرہا)

جب حضور ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوئے تو آپ نے مسجد نبوی میں ایک صندوق رکھوایا تھا جس میں قرآن کا ہر نیا نازل شدہ حصہ لکھوا کر رکھ دیا جاتا تھا حتیٰ کہ حضور ﷺ کے وصال تک قرآن کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جو تحریری شکل میں مسلمانوں کے پاس موجود نہ ہو۔ اسی طرح عہد رسالت میں قرآن کا ایک مکمل نسخہ تو وہ تھا جو حضور ﷺ نے اپنی نگرانی میں مرتب کروایا تھا۔ وہ اگرچہ کتابی شکل میں نہ تھا بلکہ متفرق ٹکڑوں کی شکل میں تھا اس کے علاوہ بعض صحابہ نے بھی قرآن کے

لکھے ہوئے صحیفے اپنے پاس محفوظ کر رکھے تھے۔

..... ۵ جامعین و کاتبین قرآن میں ایک صحابیہ خاتون کا بھی ذکر آتا ہے جن کا نام زبان رسالت نے شہیدہ رکھا تھا۔ جو زمانہ خلافت فاروقی میں شہید ہو گئیں تھیں (الاتقان) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھی علیحدہ علیحدہ مصحف قرآن کامل (کتابت شدہ) موجود تھے۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد حضرت علی نے بھی خود ایک مصحف لکھا تھا۔ مصحف ابوالدرداء اور مصحف معاذ بن جبل، مصحف زید بن ثابت اور مصحف ابی بن کعب وغیرہا تو بروایت امام بخاری ثابت ہیں۔ ان کے علاوہ عبداللہ بن عمر، ابوموسیٰ اشعری، عبادہ بن صامت، عبداللہ بن مسعود اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہم کے مصاحف کا تذکرہ، تو کئی کتب میں موجود ہے۔

الغرض عہد رسالت میں قرآن کی جمع و حفاظت و حفظ و کتابت کا ثبوت واضح ہوا

والحمد لله على ذلك

جمع قرآن عہد صدیقی میں

حضور ﷺ کی وفات حسرت آیات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا گیا۔ آپ کا عہد خلافت تقریباً دو سال اور تین ماہ ہے۔ آپ کو اپنے زمانہ خلافت میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، کئی فتنوں نے سراٹھایا، کفر و الحاد کے طوفان برپا ہوئے، ان میں فتنہ ارتداد سرفہرست ہے جس کا سرغنہ جھوٹی نبوت کا مدعی مسلمانہ کذاب تھا۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مسلمانہ کذاب کے خلاف اعلان جہاد فرمادیا جس کے نتیجے میں مسلمانہ کذاب کے حامیوں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ذوالحجہ ۱ھ جو یمامہ کے مقام پر جنگ یمامہ ہوئی۔ مسلمانوں کی طرف سے سالار لشکر حضرت خالد

بن ولید رضی اللہ عنہ تھے اس جنگ میں (باختلاف روایات) بارہ سو کے قریب صحابہ کرام شہید ہوئے جن میں سات سو حفاظ قرآن اور ستر قاری شامل تھے۔ ان میں بہترین قاری وحافظ سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ تھے یہ شہداء نہ صرف قرآن کے حافظ وقاری تھے بلکہ جلیل القدر صحابی وعالم تھے۔ ان کے پاس سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے براہ راست سن کر لکھے ہوئے قرآن کریم کے تحریری اجزاء بھی تھے جن کا کھوجانا ایک ناقابل تلافی نقصان تھا۔ اس خدشہ کے پیش نظر کہ اگر اسی طرح حفاظ شہید ہوتے رہے تو کہیں قرآن ہم سے ضائع نہ ہو جائے حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ قرآن کو مرتب کتاب کی شکل میں جمع کر لیا جائے۔ پہلے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات ظاہری میں نہیں کیا میں اس بدعت کا ارتکاب کیوں کروں؟ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ وَاللّٰهِ هَذَا خَيْرٌ خَدَاكِي قسم یہ اچھا کام ہے۔ (بخاری، مشکوٰۃ ۱۹۳)

چنانچہ تھوڑے تامل کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر شرح صدر ہو گیا اور آپ اس امر پر رضامند ہو گئے۔

کتابت قرآن : چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک جلیل القدر صحابی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو کتابت قرآن کی اہم خدمت پر مامور فرمایا۔ آپ عہد رسالت میں بھی کاتب وحی رہ چکے تھے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! اگر حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مجھے پہاڑ اپنی جگہ سے ہلانے کا حکم فرماتے تو مجھ پر اس کا اتنا بوجھ نہ ہوتا جس قدر جمع قرآن کے کام کا ہوا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بڑی محنت اور جانفشانی سے قرآنی آیات کو کھجور کی شاخوں، پتھر کی تختیوں اور صحابہ کے سینوں سے جمع کیا۔ آپ نے کتابت کے دوران خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص اہتمام سے لکھوائے گئے تمام مسودات کو پیش نظر رکھا اور پوری احتیاط

کے ساتھ ایک ایسا مستند نسخہ تیار کر لیا جس کی نقلیں تمام اسلامی علاقوں میں بھیجی گئیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہی سب سے پہلے اس کتاب کا نام مصحف تجویز فرمایا۔ کتاب اللہ کا یہ نسخہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ان کے پاس رہا پھر ان کے وصال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حفاظت میں آیا ان کے بعد یہ نسخہ ان کی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کر دیا گیا۔ امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت دیار مصر، شام، یمن، عراق میں قرآن کریم کے ایک لاکھ نسخے موجود تھے۔ (البدایہ والنہایہ)

ترتیب کتابت و احتیاط

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کا جو نسخہ تیار کیا وہ ترتیب و تہذیب کے لحاظ سے وہی قرآن تھا جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا اور آپ نے اپنی نگرانی میں لکھوایا تھا کیونکہ حضرت زید نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے سن کر سارا قرآن اپنے پاس لکھا ہوا تھا اور انہوں نے اس کتابت شدہ قرآن کا عظیم حصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر کے تصدیق کروالی تھی۔ کتابت قرآن کے سلسلہ میں حضرت زید بن ثابت نے بہت دقیق اور سخت طریقہ اختیار کیا تھا۔ جب کوئی شخص قرآن حکیم کی لکھی ہوئی آیات لے کر آتا تو وہ مندرجہ ذیل چار طریقوں سے اس کی تحقیق و تصدیق فرماتے۔

1..... خود حافظ قرآن تھے اسلئے سب سے پہلے اپنے حافظے اور یادداشت اس کی توثیق فرماتے۔

2..... حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حافظ قرآن تھے وہ سب سے پہلے اپنے حافظے اور یادداشت سے اس کی توثیق فرماتے روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفۃ المسلمین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں حضرات کو یہ ذمہ داری تفویض فرمائی تھی۔

3..... لکھی ہوئی آیات اس وقت تک قابل قبول نہ ہوتیں جب تک دو عادل

اور صادق گواہ اس بات کی گواہی نہ دیتے کہ یہ آیات حضور ﷺ کے سامنے لکھی گئی ہیں۔ سنن ابی داؤد میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خود ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ دونوں کو حکم دیا کہ مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاؤ اور جو آدمی دو گواہوں کے ساتھ قرآن کی کوئی آیت لے کر آئے اسے لکھتے جاؤ۔ امام ابن حجر فرماتے ہیں کہ دو گواہوں سے مراد حفظ اور کتابت ہیں۔ (منابہ العرفان)

4..... لکھی ہوئی آیات کا ان مسودات کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا جو متعدد صحابہ کرام نے بکمال محنت تیار کر رکھے تھے۔ امام ابو شامہ فرماتے ہیں کہ اس کا مقصد احتیاط کے علاوہ یہ بھی تھا کہ حافظہ پر اکتفا کرنے کے بجائے حضور ﷺ کے سامنے لکھے گئے مسودات پر اعتماد کیا جائے۔

”وَإِنَّمَا طَلَبَ الْقُرْآنَ مُتَفَرِّقًا لِيَعَارِضَ بِالْمَجْتَمِعِ عِنْدَ عَن بَقِي
مِمَّنْ جَمَعَ الْقُرْآنَ لِشُرْكَ الْجَمِيعِ فِي عِلْمٍ مَا جَمَعَ“ (البرہان فی علوم القرآن)

مصحف ابوبکر کی خصوصیات

حضرت زید بن ثابت نے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق پوری احتیاط کے ساتھ آیات قرآنیہ کو کاغذ کے صحیفوں پر مرتب شکل میں تحریر فرمایا ”عَنْ سَالِمٍ قَالَ جَمَعَ أَبُو بَكْرٍ الْقُرْآنَ فِي قِرَاطِيسٍ (الاثقان)
ایک روایت میں ہے کہ یہ نسخہ چمڑے کے پارچوں پر لکھا گیا تھا لیکن حافظ ابن جر نے اس بات کی تردید کی ہے (الاثقان)

حضرت زید نے ہر سورت علیحدہ صحیفے میں لکھی تھی اس لئے یہ نسخہ بہت سے صحیفوں پر مشتمل تھا یہی وجہ ہے کہ اس نسخہ کو اصطلاح میں ”ام“ کہا جاتا ہے۔

اس نسخہ میں آیات قرآنیہ تو حضور ﷺ کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق مرتب کی گئی تھیں لیکن سورتیں مرتب نہ تھیں بلکہ ہر سورۃ علیحدہ علیحدہ لکھی ہوئی تھی۔ (الاثقان)



یہ نسخہ سات حرفوں پر جمع کیا گیا (مناہل العرفان)

یہ نسخہ خط حیری میں تحریر کیا گیا (تاریخ القرآن)

اس نسخے میں صرف وہی آیات لکھی گئی تھیں جو غیر منسوخ التلاوت تھیں۔
اس نسخے کی تحریر و تسوید کا واضح مقصد یہ تھا کہ ایک ایسا مستند اور قطعی الیقین نسخہ مرتب ہو جائے جس پر تمام امت کی اجماعی اور اجتماعی تصدیق و توثیق ہوتا کہ امت فتنے میں مبتلا ہو اور بوقت ضرورت اس نسخہ کی طرف رجوع کیا جاسکے۔

جمع و تدوین قرآن کا مقصد

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جمع قرآن کا مقصد یہ تھا کہ قرآن کے منتشر اجزاء کو کھجور کے پتوں، پتھر کی تختیوں، چمڑے کے پارچوں اور ہڈیوں سے نقل کر کے کاغذ کے صحیفوں پر لکھ دیا جائے تاکہ آئندہ کے لیے کلام اللہ کے کسی حصہ کے ضائع ہونے کا خطرہ بھی باقی نہ رہے۔

حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جمع قرآن سے مقصود یہ تھا کہ امت میں اختلاف قراءت کی وجہ سے فساد پیدا نہ ہونے پائے اور تمام مسلمان صرف قراءت قریش پر متحد و متفق ہو جائیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مصحف ابو بکر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھوائے ہوئے قرآن کے عین مطابق تھا اور امت کے ہاتھ میں موجود قرآن وہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو دیا تھا۔ (والحمد لله على ذلك)

پہلا جامع قرآن : عہد صدیقی میں جمع قرآن بہ صورت کتاب نہایت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وہ عظیم کارنامہ ہے جس کی کوئی مثال نہیں مل سکتی۔ دراصل آپ ہی پہلے جامع قرآن ہیں۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ لرم اللہ وجہہ تہ سیدنا محمد منقول ہے۔

”أَعْظَمُ النَّاسِ اجْرًا فِي الْمَصَاحِفِ أَبُو بَكْرٍ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَى ابْنِي

بُکْرَ هُوَ اَوَّلُ مَنْ جَمَعَ كِتَابَ اللّٰهِ

ترجمہ: حفاظت قرآن کے سلسلے میں ابوبکر اس امت میں سب سے زیادہ اجر و ثواب کے مستحق ہیں اللہ کی رحمت ہو، ابوبکر پر وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے کتاب اللہ کو جمع کیا۔ (ابن ابی داؤد وغیرہ)

جمع قرآن عہد عثمانی میں

اختلاف قراءت: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں اسلامی فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا تھا۔ آبادی میں کافی اضافہ ہوا تھا اور مسلمان دور دور تک مختلف شہروں اور علاقوں میں پھیل چکے تھے۔ اب غیر عرب اقوام بھی رشتہ اسلام میں منسلک ہو گئیں تھیں۔ مختلف قوموں میں اختلاف کے باعث ایک نئی ثقافت نے جنم لے لیا تھا۔ لہذا سابقہ خلفاء کی نسبت اس دور میں درس و تدریس قرآن کی زیادہ ضرورت پیش آرہی تھی اسلامی حکومت کے ہر صوبے کے لوگ علیحدہ علیحدہ کسی مشہور صحابی کی قراءت کے مطابق قرآن پڑھنے لگے۔ عرب میں قراءت (بولیوں) کے اختلاف کے لحاظ سے سات بڑے گروہ تھے۔ اس لئے ہر قبیلہ کو اپنی قراءت کے مطابق قرآن پڑھنے کی اجازت تھی کیونکہ اختلاف قراءت سے معانی میں کوئی بنیادی فرق نہیں آتا تھا۔ شام کے رہنے والے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت کے مطابق تلاوت کرتے، کوفہ کے مسلمان حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت پر عمل کرتے، باقی مسلمان حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قراءت کے مطابق قرآن کی تلاوت کرتے حروف کو ادا کرنے اور قراءت کے طریقے ان تینوں اصحاب کے مختلف تھے۔ اس چیز نے قراءت قرآن کے بارے میں ایک عجیب اور نئی صورت حال کو جنم دیا۔ عرب میں اختلاف قراءت کی وجہ سے نو مسلم قوموں میں بھی اس کا اثر رونما ہوا۔ اس فرق میں

بنیادی لحاظ سے کوئی قباحت نہ تھی لیکن سیدھے سادھے عوام بعض چھوٹے چھوٹے اختلافات کو بھی بنیادی سمجھ کر اڑ جاتے۔ بعض دفعہ یہ اختلاف اساتذہ تک پہنچ جاتا اور وہ بھی ایک دوسرے کی قراءت کو غلط قرار دے دیتے، کبھی کبھار شدید تکرار کی وجہ سے سر پھٹول تک نوبت آ جاتی۔ لوگوں کے ذہنوں میں قرآن پاک کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہو رہے تھے اور ممکن تھا کہ اس فتنہ کی وجہ سے جنگ شروع ہو جاتی اور خون کی ندیاں بہہ جاتیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا کارنامہ

چنانچہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ آرمینیا اور آذربائیجان کے محاذ پر جہاد کے بعد واپس لوٹے تو گھر جانے سے پہلے المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

”يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَدْرَكَ النَّاسَ“

ترجمہ: اے امیر المومنین لوگوں کو تھامیے۔

فرمایا کیا بات ہے؟ کہا میں آرمینیا کی لڑائی میں شریک تھا وہاں میں نے دیکھا کہ شام اور عراق والے قراءت قرآن پر باہمی اختلافات کا شکار ہیں اور ایک دوسرے کی تکذیب و تکفیر کرتے ہیں۔ (عمدة القاری، ارشاد الساری)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خود بھی اس خطرے کا احساس ہو چکا تھا اور خود مدینہ طیبہ میں بھی ایسے واقعات پیش آرہے تھے چنانچہ آپ نے اکابر اور ممتاز اہل بصیرت صحابہ کرام کا اجلاس بلا کر خطبہ دیا اور صورت حال کے بارے میں مشورہ طلب فرمایا۔ پوری مجلس نے متفقہ طور پر فیصلہ دیا کہ پوری امت کو ایک مصحف اور ایک لغت پر جمع کر دیا جائے اور مصحف صدیقی کی روشنی میں تمام صحابہ مل کر ایک ایسا نیا نسخہ مرتب و مدون کریں جو اختلاف قراءت کے اثرات سے محفوظ ہو اس کے علاوہ باقی تمام نسخے

جلاد دیئے جائیں تاکہ انتشار کے امکانات ختم ہو جائیں۔

تدوین ثالث : حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس فیصلے کو نافذ کرنے کے لیے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس پیغام بھیجا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے کے جو صحیفے آپ کے پاس موجود ہیں وہ ہمیں بھجوائے جائیں ہم ان کو مصاحف میں نقل کر کے آپ کو واپس کر دیں گے۔ ام المومنین نے فوراً وہ صحیفے بھیج دیئے۔ حضرت عثمان نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، سعید بن العاص رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ کو نقل قرآن کی خدمت پر مامور فرمایا۔ بنیادی طور پر یہ کام مذکورہ حضرات کے ذمے لگایا گیا تھا لیکن بعد میں چند دوسرے صحابہ کو بھی ان کی امداد کے لیے مقرر کیا گیا۔

کتاب المصاحف ابن ابی داؤد میں بطریق محمد بن سیرین روایت ہے کہ تدوین ثالث میں بارہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نقل و املاء کی خدمات انجام دیں۔

مصحف عثمانی کی خصوصیات

ان حضرات نے تدوین ثالث کے سلسلے میں مندرجہ ذیل امور سرانجام دیئے۔

- ۱۔ تمام سورتوں کو ترتیب کے ساتھ ایک ہی مصحف میں لکھا گیا (مستدرک حاکم)
- ۲۔ آیات قرآن کے رسم الخط میں تمام متواتر قراءتیں سمودی گئیں اسی لیے آیات پر نقطے اور حرکات نہ لگائے گئے تاکہ تمام متواتر قراءتوں کے مطابق پڑھا جا سکے مثلاً ”نَشْذُهَا“ لکھا تاکہ اسے ”نَشْذُهَا“ اور ”نُنْشِذُهَا“ دونوں طرح پڑھا جا سکے کیونکہ دونوں قراءتیں درست ہیں۔ (مناہل العرفان جلد اول)

- ۳۔ مشہور یہ ہے کہ عالم اسلام میں بھیجنے کے لئے پانچ مصاحف تیار کرائے گئے تھے لیکن ابن ابی داؤد نے بیان کیا ہے کہ میں نے ابو حاتم سبستانی سے سنا ہے کہ کل سات نسخے لکھے گئے تھے جن میں سے ایک نسخہ مکہ مکرمہ ایک نسخہ شام اور ایک

یمن، ایک بصرہ، ایک بحرین اور ایک کوفہ بھیج دیا گیا اور ایک نسخہ مدینہ طیبہ میں محفوظ رکھ لیا گیا۔ (الاتقان جلد اول)

۴..... مزید احتیاط کے پیش نظر وہی طریقہ کار اختیار کیا گیا جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اختیار کیا گیا تھا چنانچہ وہ متفرق تحریریں اور مختلف مسودات جو عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کے پاس محفوظ تھے انہیں دوبارہ طلب کیا گیا۔ ہر آیت کے لیے دو شاہد بھی طلب کئے گئے۔ حسب ضرورت حفاظ اور قراء سے بھی رجوع کیا گیا۔ اسی طرح اطمینان اور تنقیح کے لیے تمام ذرائع تحقیق، عمل میں لانے کے بعد یہ نئے نسخے مرتب کئے گئے۔

صرف ان آیات پر اعتبار کیا گیا جو تواتر کے ساتھ ثابت تھیں۔
۶..... منسوخ التلاوت آیات کو شامل نہ کیا گیا۔

۷..... بعض صحابہ کے خصوصی مصاحف میں آیات کے ساتھ جوالگ تشریحات لکھی ہوئی تھیں انہیں نئے نسخوں میں شامل نہ کیا گیا۔ (مناہل العرفان)

احراق مصاحف کی روایت

تدوین ثالث کی تفصیل میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی منقولہ روایت کا آخری جملہ یہ ہے۔

”وَأَمَرَ بِمَا سِوَاهُ مِنَ الْقُرْآنِ فِي كُلِّ صَحِيفَةٍ أَوْ مُصْحَفٍ أَنْ يُحْرَقَ“

ترجمہ: اس کے علاوہ کسی صحیفے یا مصحف میں جو کچھ قرآن تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو نذر آتش کرادیا۔

ابن ابی داؤد اور طبرانی وغیرہا نے شعیب سے روایت کی ہے۔

وَأَمَرَهُمْ أَنْ يُحْرَقُوا كُلُّ مُصْحَفٍ يُخَالِفُ الْمُصْحَفَ الَّذِي أُرْسِلَ بِهِ

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر وہ مصحف نذر آتش کرنے کا حکم دیا جو ان

مصاحف کے خلاف تھا جنہیں بلاد اسلامیہ میں بھیجا گیا۔

بعض روایات میں ان کو پھاڑ دینے یا دھوڑا لےنے کا بھی ذکر پایا جاتا ہے۔

جواز احراق: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ مسودے نذر آتش کروائے جو قرآن نہ تھے یا قرآن سے اس طرح خلط ملط ہو گئے تھے کہ انہیں جدا کرنا ممکن نہ رہا تھا۔ جیسا کہ حضرت ملا علی قاری نے لکھا ہے۔

ضَيَّعَهُ كَانَ بِمَا ثَبَتَ أَنَّهُ لَيْسَ مِنَ الْقُرْآنِ أَوْ مِمَّا اخْتَلَطَ بِهِ
اِخْتِلَاطًا لَا يُقْبَلُ إِلَّا نِفْكََاكَ

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نذر آتش اسے کرایا جو قرآن نہ تھا یا قرآن سے اس طرح خلط ملط ہو گیا تھا کہ جدا نہیں کیا جاسکتا تھا۔ (مرقات جلد ۲ ص ۶۳۱)

حضرت امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

”غَسَلُوهَا بِالْمَاءِ ثُمَّ احْرِقُوهَا مُبَالِغَةً فِي إِذْهَابِهَا“

ترجمہ: انہوں نے پہلے پانی سے دھولیا پھر جلایا تا کہ اچھی طرح تلف ہو جائے۔

مسلك احناف: قرآن جلانا جائز ہے یا نہیں اس کے متعلق حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

”وَإِخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِي وَرَقِ الْمُصْحَفِ الْبَالِي إِذَا لَمْ يَبْقَ فِيهِ نَفْعٌ
أَنَّ الْأَوَّلَى هُوَ الْغَسْلُ أَوِ الْأَخْرَاقُ فَقِيلَ الثَّانِي لِأَنَّهُ يَدْفَعُ سَائِرَ صُورِ
الامْتِهَانِ بِخِلَافِ الْغَسْلِ فَإِنَّهُ تَدَاسُ غَسَالَتَهُ وَقِيلَ الْغَسْلُ وَتَصَبُّ
الغَسَالَةِ فِي مَكَانٍ طَاهِرٍ لَانَ الْحَرَقُ فِيهِ نَوْعُ إِهَانَةٍ (مرقات جلد ۲ ص ۶۳۱)

ترجمہ: قرآن کا بوسیدہ ورق جس سے کوئی فائدہ نہ رہے اس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ اسے دھوڑا لے کر یا جلادینا ایک قول یہ ہے کہ جلانا بہتر ہے کیونکہ دھونے میں ایک قسم کی اہانت یہ ہوگی کہ غسالہ پاؤں سے رونداجائے گا اور جلانے میں

ایسی کوئی اہانت نہیں دوسرا قول یہ ہے کہ دھونا بہتر ہے غسالہ کو کسی پاک جگہ میں بہا دیا جائے گا کیونکہ جلانے میں ایک طرح کی اہانت ہے۔
علامہ محمود عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

”قيل هذا كان في ذالك الوقت واما الان فالغسل اولیٰ اذ ارجعت الحاجة الى ازالته وقال اصحابنا الحنفية ان المصحف اذ ابلى بحيث لا ينتفع به يدفن في مكان طاهر بعيد عن وطاء“
ترجمہ: کہا گیا ہے کہ یہ جلانا اس وقت تھا لیکن اب اگر ایسی ضرورت ہو تو دھونا ہی بہتر ہے۔ ہمارے علماء حنفیہ نے فرمایا کہ جب قرآن اتنا بوسیدہ ہو جائے کہ تو اس سے فائدہ حاصل نہ کیا جاسکے تو لوگوں کی پامالی سے دور کسی پاک جگہ دفن کر دیا جائے۔
بہر حال اس سلسلے میں قرآن کریم کی عظمت کا احساس غالب رہنا چاہیے اور سب احترام کے تقاضوں اور اہل اسلام کے جذبات کو پیش نظر رکھ کر دفن کرنا یا جلانے کا اہتمام ہونا چاہیے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کے مشورے سے جلانے کا اہتمام اس لیے کرایا تھا کہ فتنہء اختلاف بالکل معدوم ہو جائے اور آئندہ کوئی شخص مسلمانوں میں اغتشار پیدا نہ کر سکے اور اس سلسلے میں ہر قسم کا وہم اور شک دور ہو جائے۔

صحابہ کرام کی قائید: بخاری نے باب خلق افعال العباد میں ابن ابی داؤد اور ابن الانباری نے مصاحف میں مصعب بن سعد سے روایت کی ہے۔
”قَالَ اَدْرَكْتُ النَّاسَ مُتَوَافِرِينَ حِينَ حَرَّقَ عُثْمَانُ الْمَصَاحِفَ فَاعْجَبَهُمْ ذَالِكَ وَلَمْ يُنْكِرْ ذَالِكُمْ مِنْهُمْ أَحَدٌ“ (کنز العمال ج ۲ ص ۱۸۱)
ترجمہ: میں نے بھاری تعداد میں ایسے لوگوں کو اس وقت پایا جب حضرت عثمان نے مصاحف کو نذر آتش کرایا سب نے اسے پسند کیا اور کسی نے اس کا انکار نہ کیا۔



حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی تائید

ابن ابی داؤد نے بسند صحیح حضرت زید بن غفلہ سے روایت کی انہوں نے فرمایا
 ”قَالَ عَلِيٌّ لَا تَقُولُوا فِي عُثْمَانَ إِلَّا خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ مَا فَعَلَ الَّذِي
 فَعَلَ فِي الْمَصَاحِفِ إِلَّا عَن مَّلَأٍ مِنَّا“

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں کلمہ
 خیر ہی کہو کیونکہ انہوں نے مصاحف کے بارے میں جو کچھ بھی کیا صرف اپنی رائے
 سے نہیں بلکہ ہمارے مشورے سے کیا ہے۔ (الاتقان)

انہی سے ایک روایت میں ہے

لَوْ وُلِّيتُ لَعَمَلْتُ بِالمُصْحَفِ الَّذِي عَمَلَهُ عُثْمَانُ

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر اس وقت میں خلیفہ ہوتا تو میں بھی وہی کرتا جو
 عثمان نے کیا۔ (مناہل العرفان وغیرہ)

تدوین ثالث کا مقصد

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تدوین قرآن کا مقصد
 اسے ضائع ہونے سے بچانے کے لیے کتابی شکل میں مقید کرنا تھا جبکہ حضرت
 عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تدوین قرآن کا مقصد تمام امت کو ایک نسخہ پر متفق کرنا
 اور اختلاف قرأت کی بناء پر پیدا ہونے والے فتنہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنا تھا۔

اعراب قرآن

خط عربی میں پہلے حرکات، سکون، تشدید اور نقطوں کا وجود نہ تھا اس لیے قرآن میں بھی اعراب اور نقطے نہ تھے۔ تَعْلَمُونَ، يَعْلَمُونَ، فَتَحْ، فُتِحْ، سَمَرٌ، شَمَرٌ سب کی شکلیں یکساں ہوتیں مگر یہ عرب کی قدرتی زبان اور ان کے فہم کلام کا کرشمہ تھا کہ وہ ان سب کے بغیر اصلی حرف و حرکت کی تعیین کر لیتے اور صحیح پڑھتے۔ مصحف عثمانی کی تدوین کے بعد بھی قریباً پچاس سال تک لوگ اسی طرح پڑھتے رہے۔ جب مملکت اسلامیہ کے حدود وسیع ہوئے اور عرب و عجم کا اختلاط ہوا تو اکثر عجم اور بعض عرب سے بھی قراءت میں بہت سی غلطیاں ہونے لگیں جس کے پیش نظر حجاج بن یوسف نے حکم دیا کہ ہم شکل حروف میں امتیاز کرنے کے لیے علامات مقرر کی جائیں چنانچہ حضرت نصر بن عاصم لیثی نے نقطے ایجاد کئے جس سے ہم شکل حروف میں اشتباہ جاتا رہا سب سے پہلے باء اور تاء پر نقطے لگائے گئے جسے دیکھ کر لوگ خوش ہوئے اور کہا اس میں کوئی حرج نہیں یہ نقطے تو حروف کے لیے نور اور رونق ہیں۔ انہوں نے اس وقت اختتام آیت کی علامت بھی اولاً نقطے ہی سے مقرر کی پھر موجودہ علامات ایجاد کیں۔

اعراب کو سب سے پہلے ایجاد کرنے والے ابوالاسود دہلی تابعی بصری ہیں جنہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے طریقہ آغاز پر علم نحو کی ایجاد و تکمیل کی انہوں نے ایک شخص کو ”إِنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ“ (بکسرہ لام) پڑھتے سنا (جس کا معنی یہ ہو جاتا ہے کہ بیشک اللہ مشرکوں سے بری ہے اور اپنے رسول سے) یہ غلطی بہت بڑی تھی انہوں نے فرمایا ”مَعَاذَ وَجْهِ اللَّهِ أَنْ يَبْرِيَءَ مِنْ رَسُولِهِ“ (خدا کی پناہ اس سے کہ وہ اپنے رسول سے بری ہو) انہیں اعراب



کی ضرورت کا شدت سے احساس ہوا جس کے بعد انہوں نے اعراب وضع کیا مگر اس وقت زبر، زیر اور پیش وغیرہ کی یہ شکلیں نہ تھیں جو آج ہیں انہوں نے نقطوں ہی سے اعراب کا کام لیا۔

فرق یہ تھا کہ اعرابی نقطوں کے لیے اس رنگ کی روشنائی استعمال نہ ہوتی جس رنگ سے قرآن لکھا ہوتا بلکہ اس کے لیے مخالف رنگ کی روشنائی استعمال کرتے۔ زبر کے لیے حرف کے اوپر ایک نقطہ زیر کے لیے حرف کے نیچے ایک نقطہ اور پیش کے لیے حرف کے اندر ایک نقطہ اور تشدید کے لیے دو نقطے مقرر کئے۔

پھر خلیل بن احمد فراہیدی نے تشدید، ہمزہ، جزم، وصل اور حرکات کی علامتیں ایجاد کیں اور کسرہ، فتح، ضمہ (زبر، زیر، پیش) کی وہ صورتیں وضع کیں جو آج ہیں۔

جب اعراب اور نقطوں کے بعد بھی لوگوں نے قرأت میں غلطیاں دیکھیں تو اس کے حل پر بھی غور کیا مگر سوائے اس کے کوئی حل نظر نہ آیا کہ لوگ قراء، علماء اور حفاظ سے زبانی طور پر اصلاح اور تعلیم و تلقین حاصل کریں۔

پھر علماء امت نے علم حروف، علم اعراب، فن تجوید اور علم قرأت مختلفہ میں باقاعدہ کتابیں لکھیں، تمام امور کی توضیح و تنقیح کی اور مشکلات کا ازالہ فرما دیا۔

قرآن الگ الگ سورتوں میں تو شروع ہی سے منقسم تھا۔ سابق مضمون میں ایک حدیث گزری جس سے معلوم ہوا کہ سات منزلوں کی تعین و تقسیم بھی عہد رسالت ہی میں ہو چکی تھی۔ پاروں کی تقسیم، حجاج ہی کے زمانے میں ہوئی اور مصحف میں منزلوں کے نشانات بھی اسی نے حسن اور یحییٰ بن یعمر سے لگوائے۔ دس آیات کے اختتام پر ایک علامت (ے) لگی ہوتی ہے اس کی ایجاد مامون عباسی کے زمانے میں ہوئی۔ رکوع کی علامت بھی اسی زمانے میں مقرر ہوئی اس طرح کہ نماز تراویح میں جتنی مقدار پڑھ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ رکوع کیا کرتے اس



کے اختتامی کنارے پر یہ علامت (ع) لگادی گئی۔

(تفسیر روح البیان از علامہ اسماعیل حقّی م ۱۱۳۷ھ ج ۹ ص ۹۹ آخر سورة حجرات مطبع عثمانیہ استنبول ۱۹۲۶ء تفسیر نعیمی از مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمہ م ۱۳۹۱ھ مقدمہ)

قرآن کی سورتوں، آیتوں اور کلمات و حروف کی تعداد

تمام معتبر لوگوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں۔ آیتوں کے بارے میں ابو عمر دوانی ارشاد فرماتے ہیں کہ چھ ہزار آیات تو بالاجماع سب کہتے ہیں زائد کی تعیین میں اختلاف ہے۔ ابن الضریس نے سید المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ قرآن میں چھ ہزار چھ سو سولہ آیتیں ہیں اور تین لاکھ تیس ہزار چھ سو اکہتر حروف ہیں۔ ایک جماعت نے کلمات قرآن ستر ہزار نو سو چونتیس شمار کئے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(الاتقان ج ۱ نوع ۱۹ ص ۷۹، ۷۸ مفتاح السعاده و مصباح السیاده فی موضوعات العلوم احمد بن

مصطفیٰ طاہر حکمری زادہ ج ۲ ص ۳۹۳ تا ۳۹۶)

اعجاز قرآن

اعجاز قرآن کا مسئلہ امت میں ہمیشہ موضوع بحث رہا ہے اور اس موضوع پر ہر دور میں علمائے محققین، مختلف کتابیں تصنیف فرماتے رہے ہیں چنانچہ قاضی ابوبکر باقلانی، الزمکانی، خطابی، الزمائی، ابن سراقہ، امام رازی، امام جلال الدین سیوطی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہم اللہ کی کتابیں اس مسئلہ پر بنیادی حیثیت کی حامل ہیں۔

معجزہ کی تعریف

قرآن کے کلام معجز ہونے پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے۔ معجزہ کا لفظ اعجاز سے مشتق ہے جس کا معنی ہے ”عاجز کر دینا“ اصطلاح شرع میں ہر اس خارق عادت امر کو معجزہ کہا جاتا ہے جو پیغمبر کے ذریعے اس طرح ظاہر ہو کہ قدرت بشریہ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز رہے تاکہ لوگوں کو وہ چیز انسانی مادی قوت سے بالاتر اور اسباب ظاہری سے خارج جان کر یقین آجائے کہ یہ لامحالہ قدرت خداوندی کا کرشمہ ہی ہے جو انبیاء و مرسلین کی صداقت و حقانیت کا واضح اور ٹھوس ثبوت مہیا کرتا ہے۔

معجزات دو قسم پر ہیں ۱۔ معجزات حسیہ ۲۔ معجزات عقلیہ (معنویہ)

انبیاء کرام کو بالعموم معجزات حسیہ دیئے گئے جو محسوس و مشاہد تھے اور آنکھوں سے دکھائی دیتے تھے جیسے ابراہیم علیہ السلام پر نار کا گلزار ہو جانا، موسیٰ علیہ السلام کا ید بیضا، سمندر میں عصا مارنے سے راستے بن جانا، پتھروں سے پانی کے بارہ چشمے جاری ہونا، عیسیٰ علیہ السلام کا مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دینا، مردوں کا زندہ کرنا، پرندوں کی صورتیں بنا کر ان میں جان پھونک کر اڑا دینا، داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں میں لوہے کا موم کی طرح نرم ہو جانا وغیرہ ذالک

کیونکہ امم سابقہ میں اکثریت بلید الذہن لوگوں کی تھی جن پر حماقت و جہالت کا غلبہ اور فہم و فراست اور نور بصیرت کا فقدان تھا اس لیے ان کے سامنے انبیاء کے ایسے معجزات پیش کیے گئے جو آنکھوں سے نظر آ سکیں اور معمولی سمجھ والے کو بھی اپنی طرف کھینچ سکیں۔

معجزات عقلیہ

امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰات والتسلیمات کے سامنے زیادہ تر معجزات عقلیہ (معنویہ) ظاہر کئے گئے جن کا غالب تعلق فہم و فراست اور عقل و بصیرت سے تھا کیونکہ عرب کے وہ سردار جو وحی کے اولین مخاطب تھے ان میں اکثریت اہل فکر و تدبر کی تھی اس لیے ان کو باطنی معنوی اور روحانی معجزات دکھائے گئے لیکن چونکہ ان اہل عرب میں کچھ کم فہم، احمق اور موٹے ذہن کے افراد بھی تھے ان کے لیے عقلی معجزات کے ساتھ ساتھ حسی معجزات بھی جمع کر دیئے گئے تاکہ حجت تمام ہو جائے۔ (وللہ الحمد)

قرآن عقلی معجزہ ہے

معجزات دلائل نبوت ہوا کرتے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ تمام نبیوں کو معجزات دے کر مبعوث فرماتا ہے چونکہ سرور عالم ﷺ کی شریعت قیامت تک کے لیے ہے اس لیے آپ کو ایسے معجزات دیئے گئے جو آپ کی رسالت اور شریعت کے مناسب تھے اور آپ کی وفات پر انبیائے سابقین کی طرح منقطع ہونے والے نہ تھے بلکہ ان کی معجزانہ شان قیامت تک کے لیے باقی اور قائم رہنے والی تھی اس طرح آپ کی نبوت کے دلائل زیادہ تر معجزات عقلیہ بنائے گئے جن میں سب سے بڑا اور مہتمم بالشان معجزہ قرآن کریم ہے معجزات حسیہ چونکہ وقتی تھے اس لیے حضرات انبیاء کے زمانوں کے ختم ہونے کے ساتھ ہی ختم ہو گئے اب عسائید بینا احياء موتی جیسے معجزات کا مشاہدہ نہیں ہو سکتا لیکن قرآن حکیم حضور ﷺ کا ایسا ب



مثال عقلی معجزہ ہے جو کسی زمانے کے ساتھ کبھی ختم نہ ہوگا اور آنے والے لوگ ہر دور میں آپ کی نبوت و رسالت پر ایمان لاتے رہیں گے۔

خدا کا منحرف امی نبی کی شان کو دیکھے
نبوت کو پرکھنا ہو تو اس قرآن کو دیکھے

اُمہات معجزات

معجزہ کا مقصد مخلوق کو اس کی مثل لانے سے عاجز کر دینا ہے اس اعتبار سے معجزے کی دو قسمیں ہیں۔

ایک قسم وہ ہوتی ہے جو تحت قدرت ہو لیکن پھر بھی لوگ اس کام کے کرنے سے عاجز رہ جائیں ان کو عاجز کر دینا اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو نبی کے صدق پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ یہود کا دل موت کی تمنا کرنے کی جانب سے پھیر دینا اور کفار مکہ کا قرآن کی مثل لانے سے عاجز رہ جانا وغیرہما۔

دوسری قسم وہ ہے جو انسان کی قدرت سے خارج ہے اور وہ ان کی مثل لانے پر قادر ہی نہیں ہو سکتے جیسے چاند کو دو ٹکڑے کرنا، درختوں اور پتھروں کا کلام کرنا، انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کرنا وغیرہم۔ یہ ایسے کام ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی انجام نہیں دے سکتا۔ نبی کے ہاتھ پر ان کا وقوع اللہ تعالیٰ کا اپنا فعل ہوتا ہے اور اس کے ساتھ انکار کرنے والوں کو چیلنج کیا جاتا ہے کہ تم بھی اس کی مثل پیش کرو یہ ان کا معجزہ دکھانے کے لیے کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

”قُلْ لِّیْنَ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَّاتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا

الْقُرْاٰن لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانْ بِعُضْهُمۡ لِّبَعْضِ ظٰہِرًا“ (بنی اسرائیل)

ترجمہ: فرمادیتے ہیں اگر تمام انسان اور جنات اکٹھے ہو کر اس قرآن جیسا کلام پیش کرنا چاہیں تو اس کی مثل پیش نہ کر سکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کی کتنی امداد کیوں نہ کریں۔

○ سرور عالم ﷺ کے معجزات لاتعداد ہیں جن کا شمار احاطہ بشری سے خارج ہے تاہم آپ کے معجزات عقلیہ میں سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے جس کی مثل ایک سورۃ بلکہ ایک آیت بھی آج تک ساری دنیا مل کر پیش نہیں کر سکی۔ کفار و مشرکین عرب جب قرآن کے اعلان صداقت کے خلاف کوئی آواز بلند کرنے پر قادر نہ ہو سکے تو یہ پراپیگنڈہ شروع کر دیا کہ:

”لَوْلَا أَنْزَلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّنْ رَبِّهِ“

ترجمہ: یعنی آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اتاری جاتیں؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ارشاد فرمایا کہ:

أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ

ترجمہ: یعنی کیا ان کو یہ سب سے بڑی نشانی کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا جو ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے۔

یعنی یہ لوگ قرآن سے بڑھ کر اور کیا معجزہ و نشانی تلاش کرتے ہیں قرآن ہی تو سب سے بڑا معجزہ ہے۔

اسی طرح آپ کے معجزات حسیہ میں سب سے بڑا معجزہ ”شق القمر“ ہے جس کا ذکر اس آیہ کریمہ میں فرمایا گیا۔

”اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ“

ترجمہ: یعنی قیامت قریب آگئی اور چاند ٹکڑے ہو گیا۔

یہ وہ عظیم الشان معجزہ ہے جس کا انکار کوئی پرلے درجے کا بد بخت اور بے دین ہی کر سکتا ہے کیونکہ قرآن کے علاوہ احادیث بھی اس معجزے کی صداقت پر گواہ ہیں۔

وجوہ اعجاز

علماء محققین اور مفسرین امت نے وجوہ اعجاز پر مستقل کتابیں تالیف فرمائی



ہیں کیونکہ قرآن مجید کی اعجازی خصوصیات علوم و معارف کا وہ بحر ناپیدا کنار ہیں جن کا احاطہ کرنا بشری طاقت سے باہر ہے تاہم آئمہ مفسرین نے اپنی بصیرت کے مطابق اعجازی خصوصیات کے کچھ ایسے چند اصول و کلیات کا بیان فرمایا ہے جو بہت سے وجوہ اعجاز کو حاوی و شامل ہیں۔ ان خصوصیات کو چار عنوانات پر تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ اعجاز الفاظ ۲۔ اعجاز ترکیب ۳۔ اعجاز اسلوب ۴۔ اعجاز نظم

اعجاز الفاظ

پورے قرآن پاک میں الحمد سے لے کر والناس تک کوئی ایک لفظ بھی غیر فصیح نہیں بلکہ ہر لفظ جس مقام پر آیا ہے وہ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے ایسا اٹل ہے کہ اسے بدل کر اس کی جگہ اسی فصاحت و بلاغت کے ساتھ دوسرا لفظ لانا ممکن ہی نہیں ہے۔ قرآن اپنے مقصد کی ادائیگی کے لیے وہی لفظ یا کلمہ منتخب فرماتا ہے جو معنی کی ادائیگی، مقصد کی وضاحت، عبارت کے سیاق و سباق اور اسلوب کے بہاؤ کے لحاظ سے ایسا موزوں ترین ہو کہ اس مراد کے ادا کرنے کے لیے اس سے زیادہ جامع اور بلیغ کوئی کلمہ نہیں ہو سکتا یہ حقیقت چند مثالوں سے واضح ہو سکتی ہے۔

مثال اول :- لغت عرب میں موت کا مفہوم ادا کرنے کے لیے متعدد الفاظ

استعمال کئے جاتے تھے۔ مثلاً ”الموت“ الحف“ الحمام“ الهلاک“ المنون“

الشعوب“ السام“ الفناء“ المنيۃ“ القاضیۃ“ الطلاطل“ الخالج“ القیتم“

الجبار“ الشجب“ وغیرہا مگر قرآن نے ان تمام الفاظ کی بجائے موت کے لیے لفظ

توفی استعمال فرمایا ہے جس کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو پورا پورا لے لینا“ کیونکہ موت

کی حقیقت روح حیوانی کے اجزاء کو جسم سے سمیٹ کر نکال لینے کا نام ہے اس لیے

حقیقت موت کو ظاہر کرنے کے لیے لفظ توفی سے زیادہ جامع و بلیغ کوئی لفظ نہیں

ہو سکتا تھا نیز اس کلمہ کے استعمال نے دور جاہلیت کا یہ اعتقاد بھی رد کر دیا کہ موت

فنا ہے محض اور عدم مطلق کا نام ہے۔

قرآن نے تَوْفٰی کا لفظ استعمال کر کے یہ حقیقت واضح فرمادی کہ موت فنائن محض اور اعدام مطلق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روح قبض کر لینے کا نام موت ہے اور ہر انسان کی روح اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ اور موجود ہے وہ جب چاہے گا جسم کے منتشر اجزاء کو یکجا کر کے ان میں روح دوبارہ لوٹا دیگا۔

”وَهُوَ عَلَىٰ جَمْعِهِمْ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ“ (الآیہ)

موت کے لئے یہ لفظ قرآن حکیم سے پہلے کسی نے استعمال نہیں کیا۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

”قُلْ يَتَوَفَّاكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ

تُرْجَعُونَ“ (السجدہ)

لفظ تَوْفٰی نے جہاں موت کی حقیقت واضح کی اس کے ساتھ مسئلہ بعث بعد الموت کو بھی واضح کر دیا۔ والحمد لله علی ذالک

مثال دوم : عربی زبان میں بعض الفاظ ایسے بھی مستعمل ہیں جو مفرد ہونے کی حالت میں تو زبان پر سہل سبک اور فصیح ہوتے ہیں لیکن ان کی جمع ثقیل معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً لفظ ارض (زمین) پر سہل اور سبک ہے اس کی جمع ارضون اور اراضی ہے جس کے الفاظ ثقیل اور بوجھل محسوس ہوتے ہیں اور ان کی وجہ سے کلام کی سلاست میں بھی فرق واقع ہو جاتا ہے۔ جمع کا مفہوم ادا کرنے کے لیے فصحاء اور ادباء عرب جمع کے صیغے استعمال کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں خواہ کلام میں کتنا ہی ثقل واقع ہو جائے۔ اس کے برعکس قرآن نے متعدد مقامات پر سموات کو بصیغہ جمع اور ارض کو بصیغہ مفرد استعمال کیا ہے ایک مقام پر سات زمینوں کا ذکر (بصیغہ جمع) مطلوب تھا لیکن قرآن نے صیغہ جمع سے احتراز کر کے ایسی حسین اور دلکش تعبیر اختیار فرمائی کہ مفہوم بھی ادا ہو گیا اور کلام کے حسن میں اضافہ در اضافہ ہو گیا جیسا کہ ارشاد فرمایا:

”اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ“

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور زمین سے بھی ان کی مثل۔
اس آیت کریمہ میں سماء (آسمان) کی جمع سماوات تولائی گئی مگر ارض کی جمع لانے کی بجائے ”مِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ“ کی تعبیر استعمال فرمائی جس کے مفہوم و معانی میں فصاحت و بلاغت کے دریا موجزن ہیں۔

مثال سوم:- ہر لغت میں بعض الفاظ ایسے ضرور ہوتے ہیں جو صوتی اعتبار سے پسندیدہ نہیں سمجھے جاتے لیکن ان کا مفہوم ادا کرنے کے لئے ان کے پاس متبادل لفظ نہ ہونے کی وجہ سے اس کے استعمال پر مجبور ہوتے ہیں۔ مثلاً عربی میں تعمیر مکان کے لیے پکی ہوئی اینٹوں سے متعلق جتنے الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ سب ثقیل اور ناپسندیدہ ہیں جیسے کہ ”اجر‘ قرمد‘ طوب“

قرآن میں یہ بیان کرنا مقصود تھا کہ فرعون نے اپنے وزیر ہامان کو حکم دیا کہ میرے لیے ایک اونچا محل تعمیر کرنے کے لیے اینٹیں پکاؤ، اس واقعے کو بیان کرنے کے لیے اینٹ کا لفظ استعمال کرنا ناگزیر تھا قرآن نے اس مفہوم کو ایسے معجزانہ انداز سے بیان کیا ہے کہ مفہوم کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ ثقیل الفاظ کے استعمال کی قباحت بھی پیدا نہیں ہونے دی چنانچہ ارشاد فرمایا:

”فَاَوْقِدْ لِي يَا هَامَانُ عَلَى الطِّينِ فَاجْعَلْ لِي صَرْحًا“

ترجمہ: پس اے ہامان گیلی مٹی پر آگ روشن کر کے میرے لیے ایک محل تعمیر کرو
اس آیت میں اینٹیں پکانے کا مفہوم ادا کرنے کے لیے ثقیل الفاظ کی بجائے ”اَوْقِدْ لِي عَلَى الطِّينِ“ کے الفاظ کی خوبصورت تعبیر اختیار کرنے پر ذوق سلیم اور طبع فہیم کو وجد آ جاتا ہے اور قرآن کے اعجاز لفظی کی خصوصیات پر یقین اور بھی مضبوط ہو جاتا ہے۔

اعجاز ترکیب

قرآن حکیم کے اعجاز کا ایک پہلو آیتوں اور جملوں کی ترکیب کا اعلیٰ اور بے

مثال معیار ہے۔ قرآن ایک ایسی خاص ترکیب اختیار کرتا ہے کہ اس مقام پر مراد کو ادا کرنے کے لیے وہی سب سے زیادہ بلیغ اور جامع ہوتی ہے اگر اس ترکیب میں معمولی سار و بدل یا تقدم و تأخر کر دیا جائے تو بلاغت میں وہ حسن اور سلاست میں وہ شیرینی نہیں رہتی جو قرآن کی اعجازی شان کے لائق ہے۔

یہاں اس حقیقت کو تین مثالوں سے واضح کیا جاتا ہے۔

مثال اول: - لغت عرب میں قاتل سے قصاص لینے کے لیے کئی مقولے مشہور اور رائج تھے۔ مثلاً ”اَكْثِرُوا الْقَتْلَ لِيُقِلَّ الْقَتْلُ“ (قتل زیادہ کرو تا کہ قتل کم ہو جائے) اسی طرح ”الْقَتْلُ اَنْفَى لِلْقَتْلِ“ (قتل سے قتل کی روک تھام ہوتی ہے) اس قسم کے جملے قصاص کا مفہوم ادا کرنے کے لئے زبان زد عام تھے اور اہل عرب ان جملوں کو فصیح سمجھتے تھے لیکن قرآن نے قصاص کے مفہوم کو جس انوکھی شان سے ادا فرمایا ہے لغت عرب کے تمام جملے اس کی معنویت جامعیت اور سلاست و فصاحت کے آگے سر بسجود نظر آتے ہیں ملاحظہ ہو:

”وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَاۤاُولِی الْاَلْبَابِ“ (البقرہ)

ترجمہ: اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے اے عقل والو! غور فرمائیں! یہ جملہ کس قدر بلاغت کا شہکار معلوم ہوتا ہے۔

مثال دوم: - حضرت یوسف علیہ السلام کے ذکر میں زلیخا (امراۃ العزیز) کا ان کو اپنی طرف مائل کرنے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ جس انداز میں قرآن نے اس واقعہ کو ادا کیا ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا انداز یا دوسری تعبیر و ترکیب اس مفہوم کو ادا نہیں کر سکتی تھی۔ مثلاً فرمایا گیا

”وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ“

ترجمہ: اور پھسلا یا یوسف علیہ السلام کو ان کے نفس سے اس عورت نے کہ جس کے گھر میں وہ تھے۔

اپنی طرف مائل کرنے اور پھسلانے والی عورت کے لیے اور بھی کئی تعبیریں اور ترکیبیں ممکن تھیں اس کا نام یا لقب (زلیخا، امراة، سیدة البیت) بولا جاسکتا تھا۔ لیکن قرآن نے باقی تمام عنوانات چھوڑ کر ”الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا“ کا عنوان اختیار کر کے جو مقصد ادا فرمایا ہے وہ کسی دوسرے عنوان سے ادا ہونا ممکن نہ تھا اور وہ مقصد مخاطب کو یہ بتانا اور سمجھانا تھا کہ اللہ کے نبی حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف مائل کرنے والی عورت محض ایک عام عورت نہ تھی جو صرف جنسی تقاضوں اور طبعی خواہشوں کی بناء پر ایسا کہہ رہی تھی بلکہ وہ اس گھر کی مالک تھی یوسف علیہ السلام اس کے انعامات و اکرامات کے سامنے ممنون تھے خلوت بھی حاصل تھی اور دروازے بھی بند کر رکھے تھے اور یوسف علیہ السلام اس کے گھر میں رہتے تھے اور وہ تحکم و تنبیہ کے لہجے میں کہہ رہی تھی ”هِيَ لَكَ“ جلدی کر۔ غور فرمائیں! کہ ان تمام اسباب و احوال کے جمع ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے نبی برحق کا جواب یہ تھا۔

”مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ.....“ الخ

ترجمہ: اللہ کی پناہ! وہ (عزیز مصر) میرا ربی اور محسن ہے اس نے مجھے اچھا ٹھکانا دیا ہے میں اس کی امانت میں خیانت کیسے کر سکتا ہوں جبکہ ایسا کرنا ظلم ہے اور بے شک ظالم لوگ کبھی فلاح نہیں پاتے۔

اس جگہ ایک مقصد یہ بھی تھا کہ یوسف علیہ السلام کی عصمت و عفت اور پاک دامنی واضح ہو جائے۔ مذکورہ بالا دونوں مقاصد جس شان کے ساتھ ان آیتوں کی حسن ترکیب اور کمال ترتیب سے بیاں و عیاں ہو رہے ہیں وہ کسی دوسری ترکیب لفظی اور ترتیب معنوی سے ہرگز ادا نہیں ہو سکتے تھے۔

قرآن کا یہی وہ اعجاز ترکیب ہے جس کے متعلق امام رازی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں۔

”إِنَّ الْقُرْآنَ كَمَا أَنَّهُ مُعْجَزٌ بِحَسَبِ فَصَاحَةِ الْفَاطَةِ وَشَرَفِ

مَعَانِيهِ فَهُوَ أَيْضًا مُعْجَزٌ بِحَسَبِ تَرْتِيبِهِ وَنَظْمِ آيَاتِهِ“ (تفسیر کبیر جلد دوم)

ترجمہ: قرآن کریم جس طرح اپنے الفاظ کی فصاحت اور معانی کے شرف کے اعتبار سے معجزانہ شان دکھاتا ہے وہ اسی طرح کلمات کی ترتیب اور آیات کے نظم و ربط کے لحاظ سے بھی معجزہ ہے۔

مثال سوم:- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے جب فرعونی فوجوں کو اپنے تعاقب میں دیکھا تو پکار اٹھی ”اِنَّا لَمُنْرٰكُوْنَ“ ہم تو پکڑے گئے۔ اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو جلال کے لہجے میں فرمایا ”كَلَّا اِنَّ مَعِيَ رَبِّیْ سَیْهِدُیْنَ.....“ الخ
ترجمہ: خبردار! ایسا نہیں بیشک میرے ساتھ تو میرا رب ہے وہ مجھے راہ دیتا ہے۔

اسی مفہوم سے ملتے جلتے وہ الفاظ ہیں جو سرور عالم ﷺ نے غار ثور میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرماتے تھے ”لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا“
ترجمہ: غم نہ کر بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے

یہ دونوں آیتیں ظاہری لحاظ سے قریب المعنی ہیں۔

یعنی دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی معیت اور نصرت کے شامل ہونے کا بیان ہے لیکن جس جگہ جو تعبیر و ترکیب لفظی اختیار کی گئی ہے وہی اس مقام کی غرض و غایت صحیح طور پر بیان کر سکتی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے جو اپنی قوم سے فرمایا اس میں ”كَلَّا“ حرف تنبیہ ہے اور ”مَعِيَ“ میں ضمیر واحد متکلم ہے اور معیت خداوندی کا صرف اپنے حق میں اظہار فرمایا ہے کیونکہ آپ کے مخاطبین پر مایوسی کا غلبہ تھا اور رحمت الہی اور معیت خداوندی کے شامل حال ہونے کا انہیں کوئی یقین نہ تھا اس لیے آپ نے بطور تنبیہ یہ عنوان اختیار کرتے ہوئے ضمیر واحد متکلم استعمال فرمائی کہ خبردار! میرا رب تو میرے ساتھ ہے۔

دوسری آیت ”لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا“ میں ضمیر جمع متکلم استعمال ہوئی

ہے کیونکہ یہاں متکلم (سرور کائنات ﷺ) اور مخاطب (سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ)



دونوں رحمت الہی اور معیت خداوندی کے ساتھ ہونے پر کامل یقین رکھتے تھے۔ اس لیے یہاں جمع متکلم کا عنوان ہی مناسب تھا۔ ذرا سائناتل کرنے کے بعد ظاہر ہو جاتا ہے کہ اگر مترجہ بالا ترکیب اختیار نہ کی جاتی تو دونوں جگہ عبارت اپنا مقصد ادا کرنے سے قاصر رہتی۔

یہی قرآن کا اعجاز ترکیب ہے جو اس کے کلام اللہ ہونے پر صراحۃً دلیل ہے۔

اعجاز نظم

قرآن کریم کا ایک خاص اعجاز اس کی آیات کا باہمی ربط و تعلق اور نظم الفاظ و ترتیب کلمات میں ہے۔ سرسری نظر سے قرآن کریم کی تلاوت کرنے سے بظاہر یہ محسوس ہوگا کہ اس کی ہر آیت جدا مضمون کی حامل ہے اور ان کے درمیان کوئی ربط نہیں ہے اسی وجہ سے نظم قرآن کے بارے میں مفسرین کے دو گروہ ہو گئے ہیں۔ بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ قرآن کریم چونکہ تیس سال میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا ہے اس لیے ہمیں کوئی ربط و ترتیب تلاش کرنے کی ضرورت نہیں اس کی ہر آیت ایک مستقل مضمون کی حامل ہے۔ اس کے برخلاف دوسرے گروہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ قرآن کریم ایک مکمل کتاب ہے۔ وہ شروع سے آخر تک باہم مربوط ہے اور اسی نقطہ نظر سے اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ اس دوسرے گروہ کی دلیل یہ ہے کہ کسی کتاب کا بے ربط ہونا اس کے نقص کی دلیل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام لازماً اس نقص سے بری ہے۔ مگر پہلا گروہ اس کے جواب میں یہ کہتا ہے کہ جس طرح کائنات کے قدرتی مناظر میں کوئی ربط اور ترتیب نہیں ہوتی بلکہ ان کا حسن ہی اس بے ترتیبی میں ہوتا ہے کہ کہیں بل کھاتا ہو اور یا ہے اور کہیں ناہموار پہاڑ ہیں کہیں اونچی نیچی وادیاں ہیں اسی طرح قرآن کریم کا حسن بھی اس کی اس مستقل حیثیت میں ہے۔ غزل کے ہر شعر کا موضوع جدا ہوتا ہے اور اس کو کوئی عیب نہیں سمجھتا، پس (بلاشبہ) اسی طرح قرآن کریم میں بھی بے ترتیبی کوئی عیب نہیں بلکہ یہ اس کا قدرتی حسن و جمال ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات کے درمیان نہایت لطیف ربط پایا جاتا ہے اور اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا ورنہ اگر کوئی ترتیب ملحوظ نہ ہوتی تو ترتیب نزول اور ترتیب کتاب کی چنداں ضرورت نہ تھی جس ترتیب سے قرآن حکیم نازل ہوا تھا اسی ترتیب سے لکھ لیا جاتا۔ یہ جو کتابت میں آنحضرت ﷺ نے ایک الگ ترتیب فرمائی ہے وہ اس بات کی بڑی واضح دلیل ہے کہ قرآنی آیات میں ربط موجود ہے البتہ یہ ربط قدرے دقیق ہوتا ہے اور اس تک پہنچنے کے لیے بڑے غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس ربط کو اتنا دقیق اور غامض رکھنے کی حکمت بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے (واللہ اعلم) کہ ہر آیت کی ایک مستقل حیثیت باقی رہے اور اس کے الفاظ کا عموم ختم نہ ہونے پائے تاکہ ”الْعِبْرَةُ بِعُمُومِ اللَّفْظِ“ پر عمل کرنا آسان ہو۔ اس کے علاوہ اس زمانے میں اہل عرب کے خطبات و قصائد کا اسلوب عموماً یہی ہوتا تھا کہ ان کے مضامین مرتب اور مربوط ہونے کے بجائے مستقل حیثیت رکھتے تھے لہذا یہ طریقہ اس دور کے ادبی ذوق کے عین مطابق تھا چنانچہ اگر سرسری نظر سے دیکھا جائے تو قرآن کریم کی ہر آیت مستقل معلوم ہوگی لیکن جب آپ ذرا غور کی نظر سے دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ پورا کلام مسلسل اور مربوط ہے۔ اسی طرح قرآن کریم نے اپنے نظم میں جو اسلوب اختیار فرمایا ہے وہ اس کا دقیق ترین اعجاز ہے اور اس کی تقلید، بشری طاقت سے بالکل باہر ہے۔ بہت سے علماء نے قرآن کریم کے نظم کی توضیح کے لیے مستقل کتابیں لکھی ہیں اور بعض مفسرین نے اپنی تفسیروں کے ضمن میں اسے بیان کرنے کا خاص اہتمام کیا ہے۔ اس معاملے میں امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیرہ شاید سب سے زیادہ قابل تعریف کاوش ہے۔ انہیں اللہ نے نظم قرآن کی تشبیح کا خاص سلیقہ اور خاص توفیق عطا فرمائی ہے۔ ان کے بعد قاضی ابوالسعود رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نظم قرآن کی خصوصیات کو بیان فرمانے کا خاص اہتمام فرمایا ہے۔ بعد کے بیشتر مفسرین اس معاملے میں انہی دو حضرات کے خوشہ چیں نظر آتے ہیں۔

نظم قرآن کی ایک ہلکی سی جھلک اس مثال میں دیکھی جاسکتی ہے کہ سورہ حجر میں ایک جگہ ارشاد ہے

نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ وَإِنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْعَلِيمُ ۝
ترجمہ: میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں غفور اور رحیم ہوں اور میرا عذاب بھی بڑا دردناک ہے۔

اسکے بعد فوراً ارشاد ہے۔

”وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ“

ترجمہ: اور انہیں ابراہیم کے مہمانوں کی خبر دے دو

اور اس کے بعد فرشتوں کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنے کا مشہور واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ بظاہر ان دونوں باتوں میں کوئی جوڑ معلوم نہیں ہوتا لیکن ذرا غور سے دیکھئے تو درحقیقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ پہلے جملے کی تائید ہے اس لیے جو فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تھے انہوں نے دو کام کئے ایک یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام جیسے صالح بیٹے کی خوش خبری دی دوسری انہی فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی بستی پر جا کر عذاب نازل کیا۔ پہلا کام ”أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ“ کا مظاہرہ تھا اور دوسرا کام ”عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْعَلِيمُ“ کا اس طرح یہ دونوں جملے باہم نہایت گہرا تعلق رکھتے ہیں لیکن الگ الگ دیکھئے تو ان کی مستقل حیثیت بھی ہے۔

اعجاز اسلوب

اعجاز قرآن کا سب سے روشن پہلو اعجاز اسلوب ہے۔ قرآن کا یہ عجیب و غریب اسلوب لغت عرب کے نظم و نثر کے معارض، اور معنادار طریقے سے جدا اور ہر اسلوب سے ممتاز نظر آتا ہے عرب کے شعراء، فصحاء، بلغاء اور خطباء، قرآن کے اسلوب کو ہر نظم و نثر سے مختلف پا کر حیران ہوتے تھے کہ یہ اسلوب یہ انداز بیان اور یہ



طرز کلام آخر کس معیار اور قاعدے پر ہے؟

قرآن کے اسلوب کی چند معجزانہ خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

پہلی خصوصیت :- علماء بلاغت کے نزدیک اسلوب کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ خطابی ۲۔ علمی ۳۔ ادبی

ان تینوں قسموں میں سے ہر ایک کی خصوصیات جدا جدا ہیں۔ اسی لیے کسی ایک عبارت یا جملے میں یہ تینوں اسالیب جمع نہیں ہو سکتے۔ ایک ہی شخصیت جب خطاب کرے تو انداز اور ہوگا، جب کوئی علمی مقالہ لکھے تو اسلوب جدا ہوگا اور جب کوئی ادبی شہکار پیش کرے تو اسلوب نگارش علیحدہ ہوگا لیکن قرآن حکیم کا اعجاز ان تینوں اسالیب پر حاوی ہے۔

قرآن میں خطابت کی قوت اور شوکت، علم کی متانت اور سنجیدگی، ادب کا زور اور دبدبہ پوری طرح موجود ہے اور کسی پہلو کے اعتبار سے بھی کوئی کمی نظر نہیں آتی سارا قرآن اس خصوصیت کا بے مثال مظہر ہے۔

دوسری خصوصیت :- قرآنی نثر میں اشعار کے قواعد و ضوابط اوزان و قوافی کا اعتبار نہیں رکھا گیا لیکن اس کے باوجود قرآنی نثر میں ایسی حلاوت و شیرینی ہے کہ ہر پڑھنے اور سننے والا ایک ایسا لذیذ شیریں اور متوازن صوتی آہنگ پاتا ہے کہ اشعار کا دامن بھی ایسی لطافت اور حلاوت سے خالی ہوتا ہے۔ قرآن اپنے الفاظ و تراکیب کو اس طرح ترتیب دیتا ہے کہ ہر حرف سے عظمت خداوندی ظاہر ہوتی ہے اور اس کی تلاوت سے دلوں میں انوار توحید کی بارش برسنے لگتی ہے۔ انکے تلفظ سے انسان کا جمالیاتی ذوق بھی حظ وافر محسوس کرنے لگتا ہے۔ کفار عرب نے اسی بنا پر قرآن کو شعر قرار دیا تھا وہ جانتے تھے کہ شعر کی تعریف اس کلام پر صادق نہیں آتی لیکن اس میں شعری ذوق اور وجدان کے لئے وہ جمالیاتی لذت بدرجہ اتم موجود ہے۔

تیسری خصوصیت :- کسی بھی تقریر و تحریر میں اگر ایک مضمون یا ایک قصہ

بار بار دہرایا جائے تو متکلم یا محرر خواہ ادب و انشاء کا امام ہو ایک مرحلے پر پہنچ کر سامعین بے ذوق ہو جاتے ہیں اور طبیعت، انقباض و گرائی کے باعث اکتا جاتی ہے، کلام کا زور ٹوٹ جاتا ہے اور کلام کی تاثیر بھی باقی نہیں رہتی لیکن قرآن کا یہ خاص اعجاز ہے کہ ایک ہی آیت یا قصہ مختلف انداز میں بار بار دہرایا جاتا ہے اور ایک ہی بات کئی مرتبہ بیان کی جاتی ہے۔ ہر اعادہ میں اس آیت، قصہ اور بات کا نیا لطف، نئی لذت، نئی تاثیر اور نیا کیف محسوس ہوتا ہے۔ جو قصہ دوسری بار بیان ہوتا ہے وہ ایسے نئے اور نرالی انداز سے بیان کیا جاتا ہے کہ بالکل نئے مضمون اور نئے قصے کا احساس ابھرنے لگتا ہے۔ دنیا میں ایسا اسلوب بیان آج تک نہیں پایا گیا اور نہ آئندہ اس کا کوئی امکان ہے۔

چوتھی خصوصیت :- قرآن مجید کے اسلوب کی ایک امتیازی خصوصیت ایجاز و اختصار ہے قرآن نے بالکل چھوٹے اور مختصر جملوں میں وہ وسیع و عریض علوم و مضامین سمیٹے ہیں کہ آنے والے ہر دور اور ہر زمانے کے لوگوں کو ان سے مکمل ہدایات مل رہی ہیں۔ قرآن حکیم نے اس قدر مختلف الانواع والاوضاع علوم و مضامین بیان کئے ہیں کہ عقل انسانی ان کے ادراک و احاطہ سے عاجز و قاصر ہے۔

جَمِيعُ الْعِلْمِ فِي الْقُرْآنِ لَكِنْ

تَقَاصَرَ عَنْهُ أَفْهَامُ الرِّجَالِ .

قرآن کے وہ تمام مضامین از قبیل وعظ و نصیحت ہوں یا امثال و قصص، ان میں ترغیب ہو یا ترہیب، تبشیر ہو یا تنذیر، وعدہ ہو یا وعید، وہ عقائد ہوں یا احکام، اوامر ہوں یا نواہی، وراثت کے قوانین ہوں یا تاریخی واقعات اپنی بے پناہ وسعتوں کے باوجود ایجاز و اختصار کا ایسا دلکش اور لا جواب نمونہ ہیں کہ دنیا کی کسی کتاب اور کسی قادر الکلام کے کلام میں ایسی مثال نہیں مل سکتی۔ قرآن میں سیاست اور جہان بینی کے اصول بھی ہیں اور معاشیات و عمرانیات کے اسباق بھی، تاریخی حقائق بھی ہیں اور فلسفہ و سائنس کے عقدے بھی، لیکن ہر موضوع پر اختصار کے ساتھ ایسی جامع اور مربوط



ہدایات دی ہیں جو ہر دور اور ہر ماحول کے دنیاوی اور اخروی تقاضوں کے عین مطابق ہیں وہ آج بھی اور آئندہ بھی ٹھوکریں کھانے والی پسماندہ انسانیت کو نشان منزل دے رہی ہیں ۔

خدا کا منحرف امی نبی کی شان کو دیکھئے
نبوت کو پرکھنا ہو تو اس قرآن کو دیکھئے

شان نزول

کوئی واقعہ جو حضور ﷺ کے زمانہء حیات ظاہری میں رونما ہوا ہو تو اس کا حکم بیان کرنے کے لیے کوئی آیت نازل ہوئی یا حضور ﷺ سے کوئی سوال کیا گیا تو اس کے جواب میں کوئی آیت یا سورۃ نازل ہوئی تو چونکہ وہ واقعہ یا سوال کسی آیت یا سورۃ کے نزول کا سبب بنا اس لیے اس کو آیت یا سورۃ کا شان نزول یا سبب نزول کہتے ہیں۔

قرآنی آیات کی قسمیں

قرآنی آیات دو قسم پر ہیں ایک قسم تو وہ آیات ہیں جو کسی خاص واقعہ، حادثہ یا سبب کی بناء پر نازل نہیں ہوئیں بلکہ صرف خلق خدا کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے نازل ہوئیں جو بیشتر ہیں اور یہاں جن کے بیان کرنے کی ضرورت و گنجائش نہیں۔

دوسری قسم وہ آیات ہیں جو کسی خاص واقعہ، حادثہ یا سبب کی بناء پر نازل ہوئیں یہاں ان کا احاطہ بھی مقصود نہیں کیونکہ اس سلسلے میں علماء مفسرین نے مستقل اور جامع کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن میں شیخ علی بن المہدی، الواہدی، الجعفری اور ابن حجر کے نام مشہور ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام ”لباب النقول فی اسباب النزول ہے“

شان نزول کے علم کی اہمیت اور فوائد

کسی آیت کے شان نزول کے بارے میں جاننے کے تین فائدے ہیں۔
پہلا فائدہ: - تو یہ ہے کہ کسی خاص موقع پر آیت کے نزول میں حکمت الہیہ کا پتہ چلتا ہے اس میں ایک مسلمان اور کافر دونوں کیلئے فائدہ ہے۔ مثلاً جب کسی مسلمان کو

یہ علم ہوتا ہے کہ یہ آیت فلاں وجہ سے نازل ہوئی تو اس کا ایمان مزید مضبوط ہوتا ہے اور اس کے اندر احکام خداوندی اپنے اوپر نافذ کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جبکہ ایک منصف مزاج کافر کو ایسی آیات ایمان کی طرف رغبت دلاتی ہیں اور یہ بات کھل کر اس کے سامنے آتی ہے کہ احکام اسلامی انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے نازل ہوئے ہیں صرف جھگڑوں کے فیصلے کرنے کے لئے نہیں۔

دوسرا فائدہ:- یہ ہے کہ کسی آیت کے شان نزول کے علم سے اس آیت کے معنی اور مفہوم کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ امام واحدی تو یہاں تک کہتے ہیں کہ شان نزول کے علم کے بغیر کسی آیت کی تفسیر جاننا ناممکن ہے۔

تیسرا فائدہ:- یہ ہے کہ جب شان نزول کا پتہ ہو تو کسی آیت کو یاد کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

مزید وضاحت کے لیے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

پہلی مثال: سورۃ بقرہ میں ارشاد ہے۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تَوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ

ترجمہ: اور اللہ ہی کے لیے ہیں مشرق اور مغرب پس جدھر بھی رخ کرو ادھر ہی اللہ کی ذات ہے۔

اس آیت مبارکہ کے ظاہری مفہوم سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنا کوئی ضروری نہیں بلکہ جدھر جی چاہتا ہے منہ کر کے نماز پڑھ لیں لیکن جب ہمیں اس کے شان نزول کا علم ہوا کہ یہ آیت تو حالت سفر میں مسافر کے بارے میں ہے یا سمت قبلہ معلوم نہ ہونے پر اجتہاد کے ساتھ تعلق رکھتی ہے تو ہمیں اس آیت کی سمجھ آئی کہ اس کا صحیح مفہوم کیا ہے۔

دوسری مثال: حضرت عروہ بن زبیر کو صفا اور مروہ کی سعی کے فرض یا واجب ہونے میں یہ آیت پڑھ کر شک ہوا:



”إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا“

یعنی حج و عمرہ کرنے والے کے لیے صفا و مروہ کی سعی کرنے میں کوئی گناہ نہیں اس سے تو بظاہر گناہ کی نفی ثابت ہوتی ہے فرضیت ثابت نہیں ہوتی لہذا جب حضرت عروہ بن زبیر نے اپنی خالہ حضرت عائشہ صدیقہ سے سوال کیا تو انہوں نے اس آیت کا شان نزول بیان کیا کہ مشرکین مکہ نے غلبہء اسلام سے قبل ایک بت صفا اور ایک کوہ مروہ پر رکھا ہوا تھا تو دوران سعی وہ دونوں بتوں کو چومتے تھے لہذا بعض مسلمانوں کے دلوں میں خیال پیدا ہوا کہ شاید کوہ صفا و مروہ کی سعی کرنا گناہ ہو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس طرح حضرت عائشہ نے ان کو سمجھایا کہ یہاں گناہ کی نفی ہے فرضیت کی نفی نہیں ہے۔

تیسری مثال : اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

”وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى“ (الانفال)

ترجمہ: اور جس وقت آپ نے پھینکی تو وہ آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی اس میں غزوہ بدر کے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب حضور ﷺ نے کفار کی طرف خاک کی مٹھی پھینکی جس سے ان کا زور ٹوٹ گیا۔ غور فرمائیے! اگر یہ شان نزول سامنے نہ ہو تو اس آیت کا مطلب واضح نہیں ہو سکتا۔

ان چند مثالوں سے یہ امر بخوبی ذہن نشین ہو جاتا ہے کہ قرآن کی تفسیر کے سلسلے میں شان نزول کی کیا اہمیت اور فائدے ہیں۔

جو لوگ شان نزول جاننے کی اہمیت اور فائدوں کے قائل نہیں دراصل وہ لوگ قرآنی علم سے بے بہرہ ہیں اور قرآن میں اپنی من مانی تاویلات کرنا چاہتے ہیں۔

(والعیاذ باللہ تعالیٰ)

اسباب مختلف ہوں لیکن آیت ایک ہی نازل ہو

جب کسی آیت کے بارے میں دو روایتیں ہوں کہ یہ آیت فلاں واقعہ کی وجہ سے نازل ہوئی، دوسری روایت میں ہو کہ فلاں سبب سے نازل ہوئی ایسی صورت میں ان دونوں روایتوں کے بارے میں دیکھا جائیگا یا تو ایک روایت صحیح ہوگی اور دوسری غیر صحیح یا دونوں روایتیں صحیح ہوں گی اور ان میں کوئی سبب ایسا ہوگا جس کی وجہ سے ایک روایت کو دوسری پر ترجیح دی جاسکے یا دونوں صحیح ہوں اور ایک کو دوسری پر ترجیح بھی نہ دی جاسکے لیکن دونوں پر عمل کرنا ممکن ہو یا دونوں صحیح ہوں ایک کو دوسری پر ترجیح بھی نہ دی جاسکے نہ ہی دونوں پر عمل کرنا ممکن ہو تو یہ چار صورتیں بنتی ہیں۔

..... پہلی صورت یہ ہے کہ ایک شان نزول کے بارے میں دو روایتیں ہوں ایک صحیح اور دوسری غیر صحیح ہو تو صحیح پر اعتماد کیا جائے گا اور غیر صحیح کو رد کر دیا جائے گا اس کی مثال وہ روایت ہے جسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے حضرت جناب رضی اللہ عنہ سے کہ حضور ﷺ بیماری کی وجہ سے ایک دو راتیں نوافل کے لئے قیام نہ کر سکے تو ایک عورت آئی اور کہا اے محمد ﷺ میرا خیال ہے تیرے رب نے تجھے چھوڑ دیا ہے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

”وَالضُّحٰی ۝ وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۝ مَا وَدَّ عٰکِ رُبُّکَ وَمَا قَلٰی ۝“ الخ (الضحیٰ)

اسی بارے میں ایک دوسری روایت ہے جسے طبرانی نے روایت کیا ہے حضرت حفص بن میسرہ رضی اللہ عنہ سے کہ ایک جرو؟ حضور اکرم ﷺ کے گھر میں داخل ہوا اور آپ کی چٹائی کے نیچے مر گیا تو آپ ﷺ پر چار دن تک وحی نہ آئی۔ آپ نے

حضرت خولہ سے کہا کیا وجہ ہے چاردن سے جبریل نہیں آئے؟ تو انہوں نے گھر کی صفائی کرتے ہوئے اس جرو کو نکالا تو آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی ”وَالصُّحُفُ.....“ الخ
اس وقت ہمارے سامنے ایک آیت کے شان نزول کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ پس ہم پہلی روایت کو ترجیح دیں گے جو صحیح ہے اور دوسری روایت میں ایک راوی مجہول ہے لہذا وہ مرجوح ہے۔

۲..... دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شان نزول کے بارے میں دونوں روایتیں صحیح ہوں تو ایک کو دوسری پر ترجیح دی جائے گی اور وجہ ترجیح یہ ہوگی کہ یا تو ایک روایت دوسری کے مقابلے میں زیادہ صحیح ہوگی یا ایک روایت کا راوی بہ نسبت دوسری کے واقعہ کا عینی شاہد ہوگا۔ مثلاً امام بخاری حضرت ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کے ساتھ مدینہ میں پیدل چل رہا تھا کہ راستے میں یہود کی ایک جماعت نے حضور ﷺ سے ”روح“ کے بارے میں سوال کیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔
قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي..... الخ (بنی اسرائیل)

❁ اسی کے متعلق دوسری روایت ہے جسے امام ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قریش نے یہود سے کہا کہ کوئی سوال، محمد سے پوچھنا چاہتے ہو تو بتاؤ! تو انہوں نے کہا روح کے متعلق سوال کرو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی

قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي..... الخ

پہلی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی جبکہ دوسری سے پتہ چلتا ہے کہ مکہ میں قریش کے سوال پر نازل ہوئی۔

پہلی روایت زیادہ راجح ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ پہلی امام بخاری کی روایت کردہ ہے جبکہ دوسری کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ بخاری کی روایت کو دوسروں کی روایت پر ترجیح ہوتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلی روایت کے راوی

ابن مسعود اس واقعہ کے معنی شاہد ہیں جبکہ دوسری روایت میں ایسا نہیں۔

۳..... تیسری صورت یہ ہے کہ ایک شان نزول کے بارے میں جب دو روایتیں ہوں اور دونوں برابر ہوں کہ ایک کو دوسری پر ترجیح بھی نہ دی جاسکے تو ہم کہیں گے کہ اس آیت کے شان نزول کے متعدد اسباب ہیں اور ایسا کہنے میں کوئی امر مانع بھی نہیں۔ علامہ ابن حجر کہتے ہیں۔ ”لَا مَانِعَ مِنْ تَعَدُّدِ الْأَسْبَابِ“

اس کی مثال وہ روایتیں ہیں جنہیں بخاری نے روایت کیا ہے۔ مثلاً

✽ حضرت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی پر تہمت لگائی کہ میں نے اسے شریک بن سحما ء کے ساتھ خلوت میں دیکھا ہے حضور ﷺ نے گواہی مانگی انہوں نے قسم کھائی کہ میں سچ کہتا ہوں اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

”وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ“ (النور)

✽ اسی سلسلہ میں دوسری روایت بھی امام بخاری نے روایت کی ہے سہل بن سعد سے کہ عویمیر نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ اگر ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ خلوت میں کسی غیر مرد کو پائے؟ تو حضور نے فرمایا اللہ نے تیرے اور ہلال بن امیہ کے بارے میں آیت اتاری ہے اور انہیں لعان کا حکم دیا۔

لہذا اس صورت میں ہم دونوں روایتوں پر عمل کرتے ہوئے کہیں گے کہ ایک آیت کے متعدد شان نزول ہیں۔

۴..... چوتھی صورت یہ ہے کہ ایک آیت کے شان نزول کے بارے میں دو روایتیں ہوں اور دونوں پر بیک وقت عمل بھی نہ کیا جاسکتا ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ ہم یہ کہیں گے کہ یہ آیت مکرر نازل ہوئی کسی خاص وجہ سے۔

امام زرکشی کہتے ہیں۔ ”قَدْ يُنْزَلُ الشَّيْءُ تَعْظِيماً لِشَانِهِ وَتَذْكِيراً

عِنْدَ حُدُوثِ سَبَبِهِ وَخَوْفِ نِسْيَانِهِ

اس کی مثال وہ روایت ہے جیسے امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے مثلہ بنایا گیا تو حضور ﷺ نے حضرت حمزہ کی نعش کے قریب کھڑے ہو کر کہا کہ میں تیرے بدلے میں ستر کافروں کو مثلہ بناؤں گا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

”إِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهِ“

اسی سلسلہ میں دوسری روایت امام ترمذی نے حضرت ابی بن کعب سے روایت کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت فتح مکہ کے دن نازل ہوئی جبکہ پہلی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آیت غزوہ احد کے موقع پر نازل ہوئی لہذا ہم کہیں گے کہ یہ آیت مکرر نازل ہوئی۔

سبب یا شان نزول ایک ہو لیکن آیات مختلف نازل ہوں

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سبب ایک ہوتا ہے لیکن آیات مختلف و متعدد نازل ہوتی ہیں اس میں کوئی حرج بھی نہیں اور نہ ہی حکمت خالق کے منافی ہے کیونکہ اس میں مقصود ہدایت مخلوق ہوتی ہے۔ اس کی مثال درج ذیل ہے۔

ابن جریر اور طبرانی نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ ایک درخت کے سایہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک نیلی آنکھوں والا آدمی آیا اس سے حضور ﷺ نے پوچھا کیا وجہ ہے کہ تو اور تیرے ساتھی مجھے گالیاں دیتے ہو؟ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ قسمیں کھانے لگا کہ ہم نے آپکو گالی نہیں دی تو اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔

”يُحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ.....“ الخ (التوبہ)



❁ امام حاکم اور احمد نے اسی حدیث کو بعینہ ذکر کر کے لکھا ہے کہ پھر یہ آیات نازل ہوئیں۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ الخ (المجادلہ)
دیکھا آپ نے سب ایک ہی ہے لیکن آیات مختلف نازل ہوئیں۔
(وبالله التوفیق)

قرآنی آیات کی ترتیب

لفظ آیت کا معنی : لفظ آیت قرآن مجید میں مختلف معانی میں استعمال ہوا

ہے اس کا ایک معنی معجزہ ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

سَلُّ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَمَا آتَيْنَاهُمْ مِنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ (البقرہ)

ترجمہ: یعنی پوچھئے! بنی اسرائیل سے کہ ان کو ہم نے کتنے معجزات عطا فرمائے۔

آیت کا ایک معنی عبرت بھی ہے۔ جیسے:

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّأُولِي الْبَابِ

ترجمہ: یعنی اس میں عقل مندوں کے لیے عبرت ہے۔

اسی طرح آیت کا لفظ برہان و دلیل کے معنی میں بھی قرآن میں آیا ہے جیسے

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ..... الخ (الروم)

ترجمہ: یعنی اللہ کے وجود کی دلیلوں میں سے ایک زمین و آسمان کی پیدائش بھی ہے

اصطلاحاً آیت سے مراد وہ جملے ہیں جو کسی سورۃ کے اندر لکھے ہوئے ہیں

اور ایک مفہوم پر دلالت کرتے ہیں۔

آیت کو پہچاننے کا طریقہ

یہ جاننے کے لیے کہ فلاں جملہ آیت ہے یا نہیں نیز فلاں سورۃ میں کتنی

آیات ہیں ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں

ہے کیونکہ اس معاملہ میں ذہنی قیاس اور رائے زنی کی کسی کو مجال نہیں جیسا کہ صحیح بخاری

اور ابوداؤد میں ابوسعید بن معلیٰ سے روایت ہے کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ حضور

ﷺ نے مجھے آواز دی میں نے کوئی جواب نہ دیا کیونکہ نماز پڑھ رہا تھا۔ پھر میں

(نماز کے بعد) حضور کے پاس آیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نماز پڑھ رہا تھا آپ نے فرمایا کیا تم نے اللہ کا یہ ارشاد نہیں سنا۔

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ“ (الانفال)

ترجمہ: یعنی اے مسلمانو! جب تمہیں اللہ اور اس کا رسول بلائیں تو فوراً آجایا کرو۔

پھر فرمایا کیا میں تمہیں ایک ایسی سورۃ نہ بتاؤں جو قرآنی سورتوں میں

سب سے زیادہ عظمت والی ہے؟ میں نے عرض کی ضرور یا رسول اللہ ﷺ تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ ”الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ ہے یہ سبع مثانی ہے۔

اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ سورۃ فاتحہ کی سات آیات ہیں۔ اسی طرح

ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہر چیز کی

ایک چوٹی ہوتی ہے قرآن کی چوٹی سورۃ بقرہ ہے اور اس سورۃ میں ایک آیت ہے جو

تمام قرآنی آیات کی سردار ہے وہ آیۃ الکرسی ہے۔ امام ابن عربی فرماتے ہیں کہ حضور

ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سورۃ فاتحہ کی سات آیات ہیں اور سورۃ ملک کی تین آیات ہیں

قرآنی آیات کی تعداد

قرآن پاک میں چھ ہزار دو سو چھتیس آیات ہیں اور بتیس لاکھ بارہ ہزار چھ

سو ستر حروف ہیں نیز قرآن پاک میں انتیس ہزار پانچ سو بیاسی زبیریں اور باون ہزار

دو سو تینتالیس زبیریں اور آٹھ ہزار آٹھ سو چار پیشیں ہیں نیز پانچ سو چالیس رکوع ہیں۔

قرآنی آیات کی ترتیب

قرآنی آیات کی موجودہ کتابی شکل میں ترتیب پر پوری امت کا اجماع ہے

کہ یہ ترتیب آنحضرت ﷺ کی ہدایات کے مطابق ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ پر جب

وحی نازل ہوتی تو جبرائیل امین علیہ السلام اللہ کے حکم کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ کو

بتاتے کہ فلاں آیت فلاں سورۃ میں لکھی جائے پھر حضور ﷺ اسی ترتیب کے مطابق وہ

آیات صحابہ کے سامنے تلاوت فرماتے اور حکم فرماتے کہ ان آیات کو فلاں سورۃ میں لکھ دیا جائے۔ پھر حضور ﷺ بار بار صحابہ کے سامنے ان آیات کو نمازوں میں اور خطبات میں تلاوت فرماتے اور پھر ہر سال جبرائیل کے ساتھ اسی ترتیب کے مطابق دور فرماتے اس طرح یہ ترتیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً حفاظ کے سینوں میں پختہ ہو گئی۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ یہ ترتیب مُنَزَّلٌ مِّنُ اللّٰہ ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

کسی بھی کلام کا حسن اس میں ہے کہ اس کے تمام جملوں اور فقرات میں ترتیب اور نظم ہو لیکن یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ قرآن جس کی فصاحت و بلاغت کو معجزہ قرار دیا جاتا ہے اس کے بارے میں بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ایک سورت کا دوسری سورت سے کوئی ربط نہیں اور نہ ہی ایک سورۃ کی مختلف آیات میں کوئی مناسبت اور موافقت ہے بس ویسے ہی مختلف آیات مختلف سورتوں میں جمع کر دی گئی ہیں۔

حیرت ہے کہ یہ فضول خیال ایک عظیم کتاب کے متعلق لوگوں کے اندر کس طرح جا گزیں ہو گیا جس کے متعلق دشمن بھی اعتراف کرتے ہیں کہ اس نے دنیا میں ہلچل مچادی اور اذہان و قلوب بدل ڈالے۔ ایسے لوگوں کے جواب میں صرف یہی بات کافی ہے کہ اگر فی الواقع قرآن میں کوئی ترتیب نہیں ہے تو پھر بہترین ترتیب نزولی ہوتی ہے۔ جس ترتیب سے آیات نازل ہوئی تھیں اسی ترتیب کے ساتھ جمع کر دی جاتیں لیکن ہر مسلمان جانتا ہے کہ مصحف کی ترتیب نزولی نہیں ہے بلکہ آنحضرت ﷺ کی خاص ہدایات کے تحت خاص مواقع معین کیے گئے ہیں۔

دوسری مناسب ترتیب مقداری ہو سکتی تھی یعنی آیتیں برابر مقدار میں مختلف سورتوں میں جمع کر دی جاتیں لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ یہ صورت بھی نہیں بلکہ سورتیں چھوٹی بڑی ہیں اور کتنی ہی چھوٹی سورتیں ایسی ہیں جو فضیلت کے اعتبار سے بڑی سورتوں سے مقدم ہیں۔

ہر صاحب علم اس سے بخوبی واقف ہے کہ سورتوں کی حد بندی اور ان کی تمام ترتیب آنحضرت ﷺ کی ہدایات کے مطابق عمل میں آئی ہے۔ پس حضور ﷺ سے بڑھ کر کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ کس آیت کو کس آیت کے ساتھ ترتیب دینا ہے اور کس سورۃ کو کس کے بعد لہذا یہاں کسی کے اجتہاد اور قیاس کو دخل نہیں۔ اللہ کی کروڑوں رحمتیں نازل ہوں امام ابو جعفر بن زبیر پر جنہوں نے اس اہم مسئلہ پر مسلمانوں کی راہنمائی کے لیے ”البرہان فی مناسبتہ الای والسور“ لکھی اور امام برہان الدین بقاعی نے نظم الدرر فی تناسب الای والسور لکھی۔

قرآنی سورتوں کی ترتیب

اس مضمون میں ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ قرآن مجید کی سورتوں کی موجودہ ترتیب نزولی حضور ﷺ کی مرتب شدہ ہے یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اجتہاد کر کے سورتوں کو ترتیب دیا۔ سب سے پہلے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سورۃ کس کو کہتے ہیں؟

لفظ سورۃ کا معنی

سورۃ کے لغوی معنی ہیں شرف، منزلت اور بلندی اس لفظ کے مادہ میں چار دیواری کا مفہوم بھی شامل ہے۔

قرآن کی سورت سے مراد ایک مستقل قطعہ یا باب ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ قرآن پاک کی ہر سورت علم و حکمت کی بلندی، اعجاز شرف اور قدر و منزلت کی رفعتوں کی مالک ہے اور معانی و مطالب کی ایک ایسی مستحکم فصیل ہے جس میں باطل کسی صورت راہ نہیں پاسکتا۔

اکثر علماء مفسرین کے نزدیک اصطلاحاً لفظ سورۃ سُورُ الْبَلَدُ سے ماخوذ ہے۔ سُورُ الْبَلَدُ اس فصیل یا مضبوط دیوار کو کہتے ہیں جو پرانے وقتوں میں شہر کے ارد گرد اہل شہر کی حفاظت کے لیے بنائی جاتی تھی۔ اس کی کئی وجوہات بیان کی گئی ہیں۔

ایک تو یہ ہے کہ جس طرح دیوار ایک اینٹ کے اوپر دوسری اینٹ رکھنے سے بنتی ہے اسی طرح سورت بھی ایک آیت کو دوسری آیات کے ساتھ ملائے سے ترتیب پاتی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح فصیل اہل شہر کی حفاظت اور دفاع کیلئے بنائی

جاتی ہے اسی طرح قرآن مجید کی ہر ہر سورۃ حضور ﷺ کے دفاع اور آپ کی ذات اقدس پر کفار و مشرکین کی طرف سے کیے گئے اعتراضات کے رد اور حضور کی صداقت کی دلیل بن کر نازل ہوتی تھی اس لئے اسے سورۃ کہہ دیا گیا۔

ہر سورت آیات سے ترتیب پاتی ہے۔ قرآن پاک میں کل ایک سو چودہ سورتیں ہیں۔ سورتیں ایک دوسری سے مختلف ہیں کچھ بڑی ہیں اور کچھ چھوٹی ہیں قرآن مجید میں سب سے بڑی سورۃ ”سورۃ البقرہ“ ہے جس کی آیات کی تعداد دو سو چھیاسی ہے اور سب سے چھوٹی سورت ”سورۃ کوثر“ ہے جس کی آیات کی تعداد تین ہے۔

قرآنی سورتوں کے نام

علماء مفسرین کی اس بارے میں دو آراء ہیں کہ آیا سورتوں کو سورۃ بقرہ، سورۃ آل عمران، سورۃ نساء اور سورۃ المائدہ وغیرہ ناموں سے پکارنا جائز ہے یا نہیں؟ جو علماء، قرآنی سورتوں کو ان ناموں سے پکارنے کے خلاف ہیں وہ فرماتے ہیں سورۃ بقرہ، سورۃ آل عمران وغیرہ کہنے کی بجائے یوں کہنا چاہیے۔

السُّورَةُ الَّتِي يُذَكِّرُ فِيهَا الْبَقَرَةُ وَالسُّورَةُ الَّتِي يُذَكِّرُ فِيهَا آلُ
عِمْرَانَ وَنَحْوُ ذَلِكَ

یعنی یوں کہنا چاہئے کہ وہ سورۃ جس میں گائے کا ذکر ہے اور وہ سورۃ جس میں آل عمران کا ذکر ہے وغیرہ، اور دلیل کے طور پر طبرانی شریف کی یہ روایت پیش کرتے ہیں۔

عَنْ أَنَسٍ لَا تَقُولُوا سُورَةُ الْبَقَرَةِ وَلَا سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ وَلَا
سُورَةُ النِّسَاءِ وَلَكِنْ قُولُوا السُّورَةُ الَّتِي يُذَكِّرُ فِيهَا الْبَقَرَةُ

لیکن دوسرے طبقہ فکر کے علماء کہتے ہیں کہ قرآنی سورتوں کو سورۃ بقرہ وغیرہ کہنا جائز ہے۔ ایسا کہنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فلاں فلاں سورۃ اس اس نام سے مشہور ہے۔

اگر ایسا کہنا ناجائز ہوتا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین کی ایک جماعت سورتوں کے مختلف نام نہ رکھتی جیسا کہ حضرت حذیفہ سورہ توبہ کو سورۃ عذاب بھی کہتے تھے۔ اسی طرح حضرت خالد بن سعدان سورۃ البقرہ کو فسطاط القرآن اور حضرت سفیان بن عیینہ سورۃ فاتحہ کو الکافیہ بھی کہتے تھے۔

باقی رہی مذکورہ بالا روایت تو اس کے بارے میں امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں - **هَذَا حَدِيثٌ ضَعِيفٌ غَرِيبٌ (البیہقی)**

سورتوں کی ترتیب

سورتوں کی ترتیب کے بارے میں بھی علماء مفسرین کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے (واضح رہے کہ یہ وہ اختلاف ہے جس کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اختلاف علماء امتی رحمۃ) کیونکہ یہ اختلاف نیک نیتی پر مبنی ہوتا ہے اور قرآن فہمی میں زیادہ سے زیادہ محنت کرنے کا جذبہ دلوں میں موجود رہتا ہے۔

قرآن مجید کی سورتوں کی موجودہ ترتیب آیا حضور ﷺ کے بتانے سے قائم کی گئی یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اجتہاد کر کے یہ ترتیب قائم فرمائی۔ اس بارے میں علماء مفسرین کی دو آراء ہیں۔

پہلی رائے: تو یہ ہے کہ موجودہ ترتیب صحابہ کے اجتہاد کا نتیجہ ہے۔ نبی پاک ﷺ کی حیات طیبہ میں قرآنی سورتوں کو موجودہ شکل میں مرتب نہیں کیا گیا تھا۔ ایسی رائے رکھنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو مصحف ترتیب دیا تھا وہ ترتیب نزولی کے مطابق تھا یعنی اس میں سب سے پہلے یہ سورت تھی - **اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ**

نیز حضرت ابن ابی اور حضرت ابن مسعود کے مصاحف میں سورتوں کی ترتیب کے حوالے سے شدید اختلاف تھا۔ امام مکی نے اس قول کو اختیار کیا ہے کہ قرآنی آیات کی ترتیب حضور ﷺ کے حکم کے مطابق ہوئی لیکن سورتوں کی ترتیب



صحابہ کے اجتہاد سے ہوئی۔

دوسری رائے: یہ ہے کہ قرآنی آیات کی طرح قرآنی سورتوں کی ترتیب بھی توقیفی (یعنی حضور ﷺ کی جانب سے مقرر کردہ) ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کسی سورت کو اپنی مرضی کے ساتھ مرتب نہیں کیا۔ ایسی رائے رکھنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان مصاحف پر اتفاق کیا تھا جو عہد عثمان میں لکھے گئے تھے اور کسی ایک نے بھی ان سے اختلاف نہیں کیا تھا۔

تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مصاحف عثمانی پر اجماع اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان مصاحف کی ترتیب توقیفی تھی۔ اگر یہ ترتیب اجتہادی ہوتی تو کم از کم حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن ابی بنیہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تو اپنے مصاحف پر ڈٹے رہتے جن میں سورتوں کی ترتیب کے حوالے سے شدید اختلاف تھا بلکہ ان اصحاب نے اپنے اپنے موقف سے رجوع کر لیا اور اپنے مصاحف کو اپنے ہاتھوں سے جلادیا تھا اور مصحف عثمانی پر اتفاق کر لیا تھا۔

موجودہ ترتیب کا احترام واجب ہے

مندرجہ بالا دلائل سے یہ بات ثابت ہو چکی کہ قرآنی سورتوں کی موجودہ ترتیب توقیفی (یعنی نبی علیہ السلام کے حکم کے مطابق) ہے۔

بہر حال یہ ترتیب توقیفی ہو یا اجتہادی اس کا احترام واجب ہے کیونکہ اس پر تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجماع ہے اور اجماع فی نفسہ حجت ہوتا ہے اور اجماع کی مخالفت فتنہ اور فساد کو جنم دیتی ہے۔

واضح رہے کہ سورتوں کی ترتیب کا لحاظ رکھنا تلاوت کے دوران واجب نہیں بلکہ مستحب ہے خواہ یہ تلاوت دوران نماز ہو یا غیر نماز میں ہو۔

واللہ اعلم بالصواب



قرآن یکبارگی کیوں نازل نہ ہوا؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَقَالُوا مَا لِهَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ (الفرقان)

ترجمہ: اور انہوں نے کہا کہ یہ کیسے رسول ہیں؟ کہ جو (ہماری طرح) کھاتے پیتے ہیں اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً (الفرقان)

ترجمہ: اور کہا کفار نے ان پر نازل ہونے والی کتاب یکبارگی کیوں نازل نہیں ہو جاتی؟

یہ ہیں دو بنیادی اعتراض جو کفار و مشرکین مکہؓ محبوب خدا ﷺ کی ذات اقدس پر کیا کرتے تھے تو اللہ رب العزت کو خاطر حبیب کی اتنی گرانی بھی گوارا نہ ہوئی فوراً جبریلؑ آ پہنچے اور عرض کی۔

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ رَبُّكَ يُقْرَأُكَ السَّلَامَ وَيَقُولُ لَكَ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا أَنَّهُمْ لِيَا كُلُّونَ الطَّعَامِ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ الخ

ترجمہ: اے رسول ﷺ! آپ کا رب آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ (ان کا یہ اعتراض بالکل لغو ہے) اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے رسولوں کو مگر وہ بھی تو کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔

پہلے اعتراض کا جواب اللہ تبارک و تعالیٰ نے معترضین کی تکذیب کے ساتھ ارشاد فرمایا لیکن دوسرے اعتراض کے جواب میں ان کو غلط نہیں کہا۔ اس انداز بیان

سے دو چیزیں ظاہر ہوتی ہیں ایک یہ کہ قرآن مجید وقفہ وقفہ سے نازل ہوا اور دوسری یہ کہ سابقہ رسولوں پر جو کتب سماویہ نازل ہوئیں وہ سب یکدم اتاری گئیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس دوسرے اعتراض کا جواب دینا چاہا تو معترضین کی تکذیب کی بجائے قرآن مجید کے تدریجاً نزول کی حکمتیں بیان فرمائیں چنانچہ ملاحظہ فرمائیں!

قرآن پاک کے تدریجاً نزول کی حکمتیں

ارشاد ربانی ہے۔

كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا (الفرقان)

ترجمہ: ایسا (یعنی قرآن کو وقفہ وقفہ سے نازل کرنا) ہم نے اس لئے کیا ہے کہ ہم اس کے ذریعے آپ کا دل مضبوط کریں اور (اسی لیے) ہم نے ٹھہر ٹھہر کر اسے پڑھا ہے۔

یعنی قرآن کو جو ہم وقفہ وقفہ سے نازل فرماتے ہیں اس میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ پہلی حکمت: یہ ہے کہ اس طرح ہم اپنے نبی کا حوصلہ بڑھاتے ہیں آپ کے دل کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ اس طریقہ کی وجہ سے حضور ﷺ کے قلب اطہر کو کئی اعتبار سے تقویت ملتی ہے۔

اپنے اللہ کی جانب سے بار بار فرشتے کے نزول سے آپ کا دل خوشی سے بھر جاتا اور سینہ مبارک سے ہر قسم کا بوجھ ہلکا ہو جاتا۔

ہر موقع پر جب وحی نازل ہوتی تو آپ کے دل کو مزید اطمینان ہوتا کہ جس خالق نے مجھے اس عظیم کام کو سرانجام دینے کے لئے مقرر فرمایا ہے اس کی نظر عنایت ہر وقت میرے شامل حال ہے۔

آپ ﷺ کی ذات والا صفات پر دشمنان دین کی طرف سے کیے گئے رقیق



حملوں کا جواب میسر آتا اس طرح آپ کا عزم ازسرنو، جواں ہوتا اور مختلف اوقات میں پہنچنے والی تکلیفوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو مختلف انداز میں تسلیاں دیتا۔ ارشاد ہوتا ہے **وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا (الطور)** اے محبوب! اس اکھڑ مزاج قوم کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف پر صبر کریں آپ ہر وقت ہماری نظروں میں ہیں۔

دوسری حکمت: تدریجاً نزول میں یہ حکمت بھی کارفرما تھی کہ اس نئی امت کے افراد کی آہستہ آہستہ تربیت کر دی جائے۔ مثلاً

ان کے لئے قرآن پاک کو یاد کرنا اور اس کے احکام کو سمجھنا آسان ہو جائے۔ کیونکہ یہ ان پڑھ قوم تھی قرآن پاک کے یکبارگی نازل ہونے سے ان کیلئے سمجھنا یاد کرنا اور لکھنا سب کچھ ناممکن ہو جاتا۔

نیز قرآن ایک دستور حیات ہے اس کو آہستہ آہستہ نافذ کرنا ہی مناسب تھا تاکہ اس کو اپنانے میں آسانی ہو۔ اگر کئی قوم کو اپنی تمام رسوم یکبارگی ترک کر کے بالکل جدید دستور اپنانے کا حکم دیا جائے تو اس کے لئے بڑا مشکل کام ہو جاتا ہے لیکن اگر آہستہ آہستہ احکام نازل ہوں تو اس طرح ان پر عمل کرنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔ لہذا ابتدائی طور پر اس قوم کو اخلاق کی طرف دعوت دی گئی پھر شرک سے نفرت دلا کر توحید کی عظمت بیان کی گئی، مرنے کے بعد دوسری زندگی اور حساب و کتاب کے بارے میں دلائل دیئے گئے پھر عبادات کی طرف ان کا رخ موڑتے ہوئے ہجرت سے قبل نماز فرض کی گئی پھر دو ہجری کو زکوٰۃ اور روزے فرض کئے گئے پھر ہجرت کے چھٹے سال حج فرض کیا گیا۔

تیسری حکمت:- اس کتاب مبین کے تدریجاً نزول کی تیسری حکمت جو ہماری ناقص سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہو سکتی ہے کہ جب بھی کوئی نیا واقعہ پیش آئے اس کی مناسبت سے قرآن مجید کا نزول ہو مثلاً۔

جب کسی نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہمیں بتائیے کہ ”روح“ کیا چیز

ہے تو اس کے جواب میں فوراً یہ آیت نازل ہوئی۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ
مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا (الاسراء)

ترجمہ: یعنی اے محبوب! یہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں تو انہیں فرمادو کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں نہایت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

روح

روح کے بارے حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روح ایک لطیف جسم ہے جس کا مرکز وسط قلب ہے اور یہ بدن میں پھیلے ہوئے رگ و ریشہ کے ذریعے جسم کے ہر جزو میں سرایت کر جاتا ہے۔

اسی طرح ایک اور موقع پر یہود کی انکسخت کی وجہ سے مشرکین نے حضور ﷺ سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھا کہ وہ کون تھا؟ تو اس کے بارے میں باری تعالیٰ نے پورا رکوع نازل فرمادیا۔

ذوالقرنین

ذوالقرنین اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا تھا۔ اس کا اپنی رعایا اور مفتوحہ اقوام کے ساتھ سلوک اور کردار مومنانہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو حکمرانی کے لئے بہت وسیع سلطنت عطا کی تھی۔ نہایت رحم دل بادشاہ تھا۔ خالق کائنات نے اس کو بیشمار صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں۔ اسے وسیع خطہ ارض پر تسلط بخشا، اسے علم و قدرت اور آلات وغیرہ عطا کئے جن سے کام لیکر وہ ہر چیز تک رسائی کر سکتا تھا۔

نوٹ: بعض مفسرین کی رائے میں ذوالقرنین سکندر کو ہی کہا گیا ہے لیکن یہ بات تحقیق کی کسوٹی پر صحیح ثابت نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم بالصواب

ناسخ اور منسوخ

”ارشاد باری تعالیٰ ہے۔“

مَا نُنسخ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا (البقرہ)

ترجمہ: اور جو آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لاتے ہیں۔

نسخ کا معنی و اقسام

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نسخ کا معنی ہے ”بدلنا“

(تفسیر ابن کثیر جلد اول)

اس نسخ کی بہت سی اقسام ہیں جن میں سے صرف چار پیش کی جاتی ہیں۔

پہلی قسم:- پہلی قسم تو یہ ہے کہ آیت کا حکم منسوخ ہو جائے لیکن تلاوت باقی رہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتِينَ (الأنفال)

ترجمہ: یعنی اے مسلمانو! اگر تم بیس صبر کرنے والے ہو گے تو دو سو کفار پر غالب آ جاؤ گے۔

یہ آیت تلاوت میں تو باقی ہے لیکن حکم کے اعتبار سے بعد والی آیت سے

منسوخ ہے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

الَّذِينَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ

صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ (الأنفال)

ترجمہ: یعنی اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف فرمائی ہے اور اسے معلوم ہے کہ تم میں کمزور

بھی ہیں پس اب اگر تم ایک سو صبر کرنے والے ہو گے تو دو سو کفار پر غالب آؤ گے۔
 اسی صورت کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔ ارشاد ہے۔

وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ..... فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ (النساء)

ترجمہ: یعنی تمہاری عورتوں میں سے کوئی بدکاری کرے (تو جرم ثابت ہونے پر) اس کو گھر کے اندر بند کر دو یہاں تک کہ اسے موت آ جائے۔

یہ آیت بھی تلاوت میں تو باقی ہے لیکن اس کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ اسکی نسخ آیت ملاحظہ کریں۔ ارشاد ربانی ہے۔

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ... الخ (النور)

ترجمہ: زانیہ عورت اور زانی مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔

ان دو مثالوں سے واضح ہو گیا کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آیت تلاوت تو کی جاتی ہو اور اس کی تلاوت پر ثواب بھی برابر ملتا ہو لیکن اس کا حکم منسوخ ہو جاتا ہے۔

دوسری قسم: نسخ کی دوسری قسم یہ ہے کہ آیت کی تلاوت تو منسوخ ہو جائے لیکن اس کا حکم باقی رہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم یہ نہ کہو کہ ہم نے سارا قرآن حاصل کر لیا ہے بلکہ یوں کہو کہ جو ظاہر ہوا وہ ہم نے حاصل کیا ہے۔ (التقان)

ابو امامہ بن سہل کی خالہ فرماتی ہیں کہ ہمیں حضور ﷺ نے آیت رجم اس طرح پڑھائی تھی۔

الشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنِيَا فَارْجُمُوهُمَا.

ترجمہ: یعنی جب کوئی بوڑھا شخص یا بوڑھی عورت حرام کاری کے مرتکب ہوں تو انہیں رجم کرو۔

دیکھا آپ نے کہ یہ آیت پورے قرآن میں نہیں ہے یعنی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے لیکن حکم باقی ہے۔

❦ اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ اس

آیت کا آخری حصہ بھی تلاوت میں منسوخ ہو چکا ہے۔ پوری آیت اس طرح تھی

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ
وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا وَعَلَى الَّذِينَ يُصَلُّونَ فِي الصُّفُوفِ الْأُولَى (مترک القرآن)

❦ اسی طرح ایک اور روایت ملاحظہ فرمائیں حضرت سالم رضی اللہ عنہ اپنے

والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ دو آدمیوں نے حضور ﷺ سے ایک سورۃ پڑھی

اسے خوب یاد کر لیا اور ہر نماز میں اسے پڑھتے لیکن ایک رات جب وہ نماز کے لئے

کھڑے ہوئے تو وہی سورۃ پڑھنی چاہی لیکن بہت محنت و کوشش کے باوجود وہ سورۃ

کسی کو یاد نہ آئی۔ صبح کو حضور ﷺ کی بارگاہ میں پہنچ کر واقعہ عرض کیا تو حضور ﷺ نے

فرمایا تمہارا کوئی قصور نہیں یہ سورۃ اللہ ہی کی طرف سے منسوخ ہو گئی ہے۔ اسی لیے

تمہارے ذہنوں سے بھلا دی گئی ہے۔ (طبرانی کبیر)

تیسری قسم : نسخ کی تیسری قسم یہ ہے کہ کسی آیت کی تلاوت اور حکم دونوں

منسوخ ہوں نیز ناسخ کی عبارت بھی منسوخ ہو۔

مثلاً جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرَ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يَحْرُمْنَ ثُمَّ

نُسِخْنَ بِخَمْسِ مَعْلُومَاتٍ

ترجمہ: یعنی قرآن پاک میں یہ آیت نازل ہوئی تھی کہ دس مرتبہ دودھ پینے سے

حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے لیکن پھر اس کی ناسخ یہ آیت نازل ہوئی کہ پانچ

مرتبہ دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اس آیت کی تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہو چکے ہیں۔

اور پھر اس کی ناسخ آیت کی عبارت بھی منسوخ ہو گئی جس کا پتہ صرف اس حدیث سے

ہی چلتا ہے جسے امام مالک نے اپنی مؤطا کے باب الرضاع میں روایت کیا ہے۔

چوتھی قسم: نسخ کی چوتھی قسم ہے نسخ القرآن بالسنة یعنی قرآن کا نسخ، حدیث کے ذریعے۔ اس قسم کے نسخ کے بارے میں علماء فن کے ہاں اختلاف ہے کہ قرآن کا نسخ، حدیث کے ذریعے ہو بھی سکتا ہے یا نہیں۔ اکثریت اس نسخ کی قائل ہے بہر حال جو اس نسخ کے قائل ہیں وہ مندرجہ ذیل مثال پیش کرتے ہیں کہ قرآن پاک میں ہے۔

إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمْ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ النسخ (البقرہ)

ترجمہ: یعنی جب تم میں سے کسی کو موت آئے اور مال چھوڑے تو چاہیے کہ وصیت کر جائے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لئے۔ لیکن یہ آیت اس فرمان رسول ﷺ کی وجہ سے منسوخ ہے

كَانَ الْمَالُ لِلْوَلَدِ وَكَانَتِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ فَنَسَخَ اللَّهُ مِنْ ذَلِكَ مَا أَحَبَّ فَجَعَلَ لِلذَّكَرِ مِثْلَ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ لَا وَصِيَّةُ لِلْوَارِثِ النسخ
ترجمہ: یعنی پہلے مال بیٹے کے لئے اور وصیت والدین کے لئے تھی لیکن اللہ نے اس کو منسوخ فرمادیا۔ اب مرد کے لئے عورت کے مقابلہ میں دو گنا حصہ ہے اور ماں باپ دونوں کے لئے الگ الگ چھٹا حصہ ہے۔ (بخاری شریف)

وہ آیت جس پر صرف ایک صحابی نے عمل کیا اور منسوخ ہو گئی

وہ آیت جس کے حکم پر صرف ایک صحابی نے عمل لیا اور وہ منسوخ ہوئی درج ذیل ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَا جِئْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدْ مَوَّابِينَ يَدِي نَجْوَاكُمْ صَدَقَةٌ النسخ (البقرہ)



ترجمہ: یعنی اے ایمان والو! جب تم رسول مکرم ﷺ سے کوئی سرگوشی کرنا چاہو تو ایسا کرنے سے پہلے کچھ صدقہ و خیرات کیا کرو۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ مشقت میں پڑ گئے کہ پہلے کچھ صدقہ و خیرات دیں پھر حضور ﷺ سے بات کریں۔ ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صدقہ و خیرات کر کے حضور ﷺ سے بات چیت کی اس کے فوراً بعد اس حکم کو منسوخ کرنے کیلئے یہ حکم نازل ہوا۔

ء اَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوا اِلَيْهِ (المجادلہ)

ترجمہ: یعنی کیا تم اس چیز سے ڈرتے ہو کہ اپنی عرض کرنے سے پہلے کچھ صدقہ دو پس تم نماز پڑھو اور زکوٰۃ دیتے رہو یہ ہی تمہاری طرف سے صدقہ ہے۔
لہذا مندرجہ بالا آیات ایسی ہے کہ اس کے حکم پر صرف اکیلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی عمل کیا تھا کہ اس کا حکم منسوخ ہو گیا۔

نسخ کی حکمتیں

واضح رہے کہ نسخ صرف احکام میں ہوتا ہے جن کی حیثیت وقتی ہوتی ہے اصول دین یا واقعات میں نسخ نہیں ہوتا۔

نسخ کا مسئلہ نہایت نازک ہے اور بعض لوگ بلاسوچے سمجھے فوراً بول اٹھتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ سے پہلے غلطی ہو گئی تھی جسے اس نے منسوخ کر کے نیا حکم دیا؟۔ (معاذ اللہ)
کاش ایسے لوگ گہرائی میں جا کر اس کتاب مبین کا مطالعہ کرتے تو انہیں اس اعتراض کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی۔ ایک طبیب اپنے مریض کی حالت کے مطابق اس لئے نسخہ تجویز کرتا ہے پھر جیسے مرض کی کیفیت بدلتی جاتی ہے وہ نسخہ کے اندر لکھی ہوئی دوائیوں میں رد و بدل کرتا ہے۔ کیا ایسا کرنے پر کوئی طبیب پر یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ پہلے اس سے غلطی ہوئی اور اب اصلاح کر رہا ہے۔



اسی طرح یہ کتاب ہدایت بھی بیمار انسانیت کے لئے پیغام شفا ہے۔ اس کے احکام کو بھی اللہ نے اپنے بندوں کے احوال کے مطابق بدلائسمیں بے شمار حکمتیں ہیں جن میں سے چند ایک پیش خدمت ہے۔

پہلی حکمت: تو ”بندوں کا امتحان“ ہو سکتی ہے۔ مثلاً پہلے قبلہ بیت المقدس تھا پھر اس کی جگہ کعبہ کو قبلہ بنایا گیا۔ اس میں آزمائش یہ تھی کہ کون ہمارے نبی ﷺ کے رخ پھرنے کے ساتھ فوراً اپنا رخ کعبہ کی جانب پھیلتا ہے اور کون انکار کرتا ہے۔

دوسری حکمت: یہ ہے کہ اسلامی شریعت بتدریج قائم ہوئی اس لئے احکام میں حسب ضرورت تبدیلی آتی رہی۔ پہلے دو نمازیں فرض تھیں پھر پانچ ہوئیں، پہلے شراب حرام نہ تھی پھر حرام قرار دی گئی، ابتداء اسلام میں عورتوں کے لئے پردہ ضروری نہ تھا بعد میں یہ پابندی لگائی گئی۔

یہ سب چیزیں مسلمانوں کے احوال کے مطابق آہستہ آہستہ نازل بھی ہوتی رہیں اور حسب ضرورت ان میں تبدیلیاں بھی آتی رہیں۔

لیکن جب دین مکمل ہو گیا تو اس کے بعد قیامت تک یہ اصول بنادیا گیا کہ

لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ (یونس)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں۔

خدا سمجھنے کی توفیق بخشے۔ آمین

تفسیر قرآن

تفسیر کا لغوی مفہوم

لغت عرب میں تفسیر کے معنی ہیں الْأَيُّضَاحُ وَالتَّبَيُّنُ یعنی کسی بات کی وضاحت کرنا اور اس کو اس طرح کھول کر بیان کرنا کہ سننے والے کو سمجھ آ جائے۔

تفسیر کا لفظ قرآن مجید میں اسی معنی میں استعمال ہوا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا (الفرقان)

ترجمہ: اے محبوب! (کفار) جو مثال آپ کے پاس لائیں گے ہم اس کے بدلے میں آپ کے پاس حق اور اس کی بہترین تفصیل لائیں گے۔

تفسیر کا اصطلاحی مفہوم

عِلْمٌ يُبْحَثُ فِيهِ عَنِ الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ مِنْ حَيْثُ دَلَالَتُهُ عَلَى مُرَادِ اللَّهِ تَعَالَى بِطَاقَةِ الْبُشْرِيَّةِ * (منہج الفرقان)

یعنی اصطلاح علماء میں تفسیر سے مراد وہ علم ہے جس میں بشری استطاعت کے مطابق اس امر سے بحث کی جاتی ہے کہ الفاظ قرآنی سے خداوند تعالیٰ کی مراد کیا ہے

اجزائے علم تفسیر

یہ علم مندرجہ ذیل اجزاء پر مشتمل ہے۔

- 1 قرآن پاک کے الفاظ کا تلفظ کس طرح کیا جائے۔؟
- 2 الفاظ قرآنی کے لغوی معانی کیا ہیں۔؟
- 3 ہر لفظ کے بارے میں معلوم ہونا کہ اس کا اصل مادہ کیا ہے اور اس کی موجودہ صورت کیسے بنی۔؟

- 4..... الفاظ کی باہمی نحوی اور صرفی ترکیب Gramatical Analysis کیا ہے؟
 5..... پوری آیت اپنے سیاق و سباق کے حوالے سے کیا معنی دے رہی ہے۔؟
 6..... آیات کے شان نزول کے بارے علم ہونا وغیرہا۔

تفسیر اور تاویل میں فرق

تفسیر کے معنی یہ ہیں کہ ایک معنی پر یقین کر لینا کہ اللہ کی اس لفظ سے یہی مراد ہے اور تاویل یہ ہے کہ چند احتمالات میں سے ایک کو اختیار کرنا۔ (تفسیر روح المعانی ص ۵ ج ۱)
 تاویل کا معنی ظن اور شک نہیں بلکہ تاویل کی اضافت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ظنی ہے یا قطعی۔ اگر تاویل کی نسبت اللہ اور رسول کی طرف ہو تو یہ قطعی ہے بلکہ ایسی تاویل اصل میں تفسیر ہی ہے۔ اگر وہ تاویل حدیث رسول ﷺ یا صحابہ کرام کی تفسیر نہیں بلکہ مقررہ قواعد کے تحت آیات قرآنی سے استنباط ہے تو پھر تاویل کہا جائے گا۔ اگر یہ تاویل کسی نص قرآنی یا حدیث سے متصادم ہو تو یہ تاویل نہیں بلکہ تحریف کہلائے گی۔

ضرورت تفسیر

قرآن اللہ رب العزت کی وہ فصیح و بلیغ کتاب ہے کہ ہر قاری یا مخاطب اس کے تمام معانی و مفاہیم از خود نہیں سمجھ سکتا بلکہ اللہ رب العزت کا یہ دستور ہے کہ جب بھی اس نے کسی قوم کی ہدایت و رہنمائی کے لئے کوئی کتاب نازل فرمائی تو ساتھ ہی اس کتاب کی عملی تفسیر (Practical) کرنے کے لئے رسول بھی بھیجے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام نے یہ دعائیں کی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ
 الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ الخ (البقرہ)

ترجمہ: اے اللہ ان میں ایسا رسول بھیج جو ان کو کتاب اور حکمت سکھائے۔



لہذا اللہ نے اپنی آخری کتاب کی تشریح و تفسیر (Explanation) اور تعلیم کے لئے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا۔

کسی نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ ہمیں حضور ﷺ کے اوصاف بیان کریں تو آپ نے فرمایا کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟۔

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنُ یعنی حضور کی زندگی قرآنی تعلیمات کا عملی نمونہ تھی۔ (بخاری)

یہ بات تجربہ اور مشاہدہ (Observation) سے بھی ثابت ہے کہ بسا اوقات کسی اچھے فلسفی یا شاعر کا کلام ہی عامۃ الناس کی سمجھ میں نہیں آتا لہذا اس کو سمجھنے کے لئے اس کی تشریح و توضیح کرنی پڑتی ہے۔ جب ایک انسانی تصنیف کی یہ کیفیت ہے تو پھر اللہ رب العزت کی نازل کردہ علم و حکمت سے بھرپور کتاب کو شارح اور مفسر کے بغیر کیسے سمجھا جاسکتا ہے۔ صحابہ کرام اہل عرب تھے عربی ان کی مادری زبان تھی اور انہیں عربی سیکھنے کیلئے کسی کے پاس جانے کی بھی ضرورت نہ تھی اور قرآن بھی عربی میں ہی نازل ہوا لیکن اہل زبان ہونے کے باوجود قرآنی معارف اور حکمتوں کو سمجھنے میں انہیں دشواری پیش آئی اور قدم قدم پر حضور ان کی راہنمائی فرماتے رہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآنی علوم اور معارف کے صحیح ادراک کے لئے تفسیر رسول ناگزیر و اشد ضروری ہے۔

جیسا کہ صحیح مسلم باب تفسیر القرآن میں ہے کہ جب قرآن مجید میں یہ آیت

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ... الخ (الانعام)

ترجمہ: ”یعنی جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ مخلوط نہ کیا وہی ہدایت پر ہیں“ نازل ہوئی تو صحابہ کرام اس کے ظاہری مفہوم کو دیکھ کر بہت پریشان ہوئے اور سوچنے لگے کہ کون ایسا شخص ہے جس نے کوئی ظلم (کو تا ہی وغیرہ) نہ کیا ہو۔ جب اس پریشانی کو حضور کے سامنے بیان کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ ظلم ایسا نہیں جو تم سمجھ رہے ہو کہ ہر کو تا ہی کو ظلم سمجھ لیا جائے بلکہ اس ظلم سے مراد ظلم عظیم ہے جیسا کہ

قرآن میں ارشاد ہے۔

إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ یعنی شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

غور فرمائیں کہ باوجود اس بات کے کہ صحابہ کی مادری زبان عربی تھی اور صحبت رسول سے فیضیاب بھی تھے لیکن پھر بھی کلام اللہ کی صحیح مراد کو پانے کے لئے تشریح و تفسیر رسول کے محتاج تھے۔ اگر آج کوئی خود ساختہ مفکر یہ اعلان کرے کہ حدیث رسول کی ضرورت نہیں بلکہ قرآن خود ہی سب کچھ سمجھاتا ہے تو ایسے آدمی کی عقل پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے۔

قرآن تو خود منصب رسالت یوں بیان فرماتا ہے۔

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ

ترجمہ: یعنی یہ کلام ہم نے آپ پر اس لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کریں جو ان کی طرف احکام نازل کیے گئے ہیں۔

ثابت ہوا کہ رسول کریم پر قرآن نازل ہی اس لئے ہوا ہے کہ وہ لوگوں کو اس کی تفسیر سمجھائیں۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

گر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

اقسام تفسیر

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ تفسیر کی چار قسمیں ہیں

- 1 تفسیر حلال اور حرام
 - 2 وہ تفسیر جسے اہل عرب نے اپنی زبان میں کیا۔
 - 3 وہ تفسیر جو علماء نے کی۔
 - 4 وہ تفسیر جسے اللہ اور رسول کے سوا کوئی نہیں جانتا۔
- حلال و حرام، دلائل تو حید، تشریحی احکام، رد شرک یہ ایسے امور ہیں جن کی تفسیر و تشریح سطحی علم سے واقف آدمی بھی جان سکتا ہے۔ اس کیلئے زیادہ علوم و فنون کے جاننے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ ایسی آیات کے الفاظ کا معنی صرف ایک اور بڑا واضح مفہوم دیتا ہے۔ مثلاً ارشاد ہے۔

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (الایۃ)

اس آیت سے آدمی آسانی سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں۔ اگرچہ وہ یہ نہ بھی جانتا ہو کہ لفظ ”لا“ عربی میں نفی کے لئے استعمال ہوتا ہے اور ”إِلَّا“ اثبات کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ایسی آیات جن کی تشریح و تفسیر اللہ اور اس کے رسول کے سوا کوئی نہیں جانتا وہ علم غیب کے زمرے میں آتی ہیں مثلاً وہ آیات جن میں قیامت کے بارے میں ذکر ہے۔ روح، حروف مقطعات اور متشابہات وغیرہ۔ ایسی آیات کی تفسیر کیلئے کسی قسم کے اجتہاد کی مجال نہیں۔ ان کی معرفت کیلئے صرف ایک راستہ ہے اور وہ ہے نص قرآنی یا حدیث رسول ﷺ

وہ تفسیر جو علماء نے اپنے اجتہاد سے کی ہے اس پر اکثر تاویل کا اطلاق کیا



جاتا ہے۔ واضح رہے کہ یہ تاویل، نص قرآنی یا کسی حدیث رسول سے متصادم نہیں ہوتی بلکہ ایسی تاویل، تفسیر ہی کے زمرے میں آتی ہے مثلاً آیات قرآنی سے احکام مستنبط کرنا، مجمل آیات کی وضاحت کرنا، عام کلام کو بعض وجوہات کی بنا پر خاص کرنا وغیرہ۔

مآخذ تفسیر

تفسیر قرآن کے لئے سب سے اہم مآخذ یہ ہیں۔

- 1 تفسیر القرآن بالقرآن
- 2 تفسیر القرآن بالحدیث
- 3 تفسیر القرآن باقوال الصحابہ
- 4 تفسیر القرآن باقوال التابعین

تفسیر القرآن بالقرآن

قرآن پاک میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک جگہ ایک حکم مختصراً بیان کیا جاتا ہے لیکن پھر کسی دوسری جگہ اسی حکم کو تفصیلاً بیان کر دیا جاتا ہے۔ اس کو تفسیر القرآن بالقرآن کہتے ہیں مثلاً ارشاد ہے۔

فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ (البقرہ)

ترجمہ: یعنی آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند دعائیہ کلمات سیکھے۔ پس اللہ نے آپ کی توبہ قبول فرمائی۔

لیکن اس جگہ وہ دعائیہ کلمات مذکور نہیں ہیں جو آدم علیہ السلام نے سیکھے تھے۔ پس سورہ اعراف میں ان کلمات کو تفصیلاً بیان کر دیا گیا۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (اعراف)

ترجمہ: اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ اسی طرح ارشاد ہوتا ہے کہ

وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ (الطارق)

ترجمہ: قسم ہے آسمان کی اور قسم ہے طارق کی۔ اور تم کیا جانو کہ طارق کیا ہے ساتھ ہی واضح کر دیا النُّجْمُ الثَّاقِبُ یعنی وہ چمکنے والا ستارہ ہے۔
اسی طرح قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ الخ (الفاتحہ)
ترجمہ: یعنی اے اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ لیکن ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔

لیکن یہاں ان لوگوں کا ذکر نہیں جن پر اللہ کا انعام ہوا بلکہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔
أُولَئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ
وَالصَّالِحِينَ (النساء)

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ نے جن پر اپنا انعام فرمایا وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور نیک لوگ ہیں۔

تو ان مثالوں سے واضح ہوا کہ بعض اوقات بہت سے مسائل قرآنی آیات کا سیاق و سباق دیکھنے سے حل ہو جاتے ہیں۔

تفسیر القرآن بالحدیث

رسول اللہ ﷺ کا منصب ہی یہ ہے کہ وہ قرآن پاک کی تشریح و توضیح، عملی صورت میں فرمائیں تاکہ لوگ آسانی سے آیات قرآنی کے مقاصد کو سمجھ سکیں۔ اسی لئے ارشاد ربانی ہے۔

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ

ترجمہ: یعنی ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کریں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔



ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کتاب اللہ کے معلم اور مفسر ہیں۔

اسی لیے خود معلم کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي (صحیح بخاری)

ترجمہ: یعنی مجھ سے احکام حج سیکھو اور نماز پڑھو جیسے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

یہ بات ایک حقیقت ہے جسے ہٹ دھرمی سے بھی جھٹلایا نہیں جاسکتا کہ

کتاب و سنت کا باہمی تعلق لازم و ملزوم ہے۔ سنت رسول کے بغیر قرآن فہمی کا دعویٰ

بالکل لغو ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں بے شمار احکامات ایسے ہیں جو مجمل ہیں اور

حضور ﷺ نے ان کی تشریح و تفسیر فرمائی۔ مثلاً

قرآن پاک میں مطلق حکم ہے کہ۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ (یعنی نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو) (البقرہ)

لیکن یہاں نہ نماز ادا کرنا کا طریقہ مذکور ہے نہ نمازوں کی رکعات کی تعداد

کا بیان ہے اور نہ اوقات نماز کا۔

اسی طرح حکم خداوندی ہے کہ زکوٰۃ دو لیکن نصاب زکوٰۃ کی تفصیل مذکور

نہیں۔ یہ تمام تفصیلات ہمیں حضور ﷺ کی سنت سے ہی میسر آتی ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم میں چور کی سزا کا مطلق حکم ہے کہ

فَاقْطِعُوا أَيْدِيَهُمَا (یعنی ان کے ہاتھ کاٹ دو۔) (المائدہ)

لیکن حضور ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ دایاں ہاتھ کاٹنا ہے۔ امام بخاری

ہوں یا مسلم یا ترمذی سبھی محدثین نے باقاعدہ تفسیر قرآن کے باب باندھے ہیں جن

میں کثرت سے ایسی مستند احادیث لائے ہیں جن میں احکامات قرآنی کی تفصیل

اور تشریح ملتی ہے۔

مثلاً قرآن مجید میں ہے۔

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا سَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ (الانفال)



ترجمہ: یعنی کفار کے مقابلے کے لئے جتنی قوت ہو سکے تم جمع کرو۔

تو صحیح مسلم میں حضرت عامر سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا قوت سے مراد تیر اندازی ہے۔

اسی طرح ترمذی شریف میں حضرت عدی بن حبان سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا کہ سورۃ فاتحہ میں مذکور ”مَغْضُوبٌ عَلَيْهِمْ“ سے مراد یہودی ہیں اور ”الضَّالِّينَ“ سے مراد نصاریٰ ہیں۔ مزید ملاحظہ ہو!

مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ قرآن پاک میں جو ارشاد ہے کہ

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى (البقرہ)

ترجمہ: یعنی نمازوں کی پابندی کرو خصوصاً صلوٰۃ الوسطیٰ کی تو اسمیں حضور نے فرمایا الصلوٰۃ الوسطیٰ سے ”عصر“ کی نماز مراد ہے۔

❁ اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ کی تفسیر کے سلسلے میں صحیح مسلم میں حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کوثر سے مراد جنت میں ایک نہر ہے جو اللہ نے مجھے عطا فرمائی ہے۔ (مسلم شریف ص ۱۹۱ ج ۲)

مندرجہ بالا تمام مثالوں سے یہ اچھی طرح واضح ہو گیا کہ حضور ہی مفسر قرآن ہیں اور آپ ہی معلم قرآن ہیں۔

تفسیر قرآن باقوال الصحابہ

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ان مقدس ہستیوں سے بڑھ کر قرآن نہیں کا دعویٰ اور کس کو ہو سکتا ہے جو براہ راست قرآن کی تعلیم حضور ﷺ سے حاصل کرتے تھے قرآن جن کے سامنے نازل ہوتا رہا جنہوں نے جبریل امین کو کئی مرتبہ بشکل



انسانی دیکھا۔ ان میں سے کئی صحابہ کرام تو ایسے تھے جنہوں نے اپنی زندگیاں ہی قرآن فہمی کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ کتب تفسیر اور فن تفسیر کی ورق گردانی سے یہ چیز بڑی واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ تفسیر قرآن کے سلسلے میں سب سے زیادہ روایات جن اصحاب کی ملتی ہیں وہ بالترتیب یہ چار ہیں۔

- 1 حضرت عبداللہ بن عباس
- 2 حضرت عبداللہ بن مسعود
- 3 حضرت علی
- 4 حضرت ابی بن کعب (رضی اللہ عنہم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

یہ حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس کے صاحبزادے تھے۔ ہجرت سے تین برس پہلے پیدا ہوئے اور حضور ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر مبارک تیرہ برس تھی۔

حضرت عبداللہ بن عباس کے حق میں حضور کی دعا

حضور ﷺ نے اپنے رب سے دعا کی

اللَّهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَعَلِّمْهُ التَّوِيلَ

ترجمہ: یعنی اے اللہ! عبداللہ بن عباس کو دین کی سمجھ عطا کر اور اسے قرآن کی تفسیر سکھا دے۔

ایک اور موقع پر حضور نے ابن عباس کے حق میں یوں دعا فرمائی۔

اللَّهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

اے اللہ! اسے (ابن عباس کو) کتاب و حکمت سکھا دے۔

بچپن ہی سے حضرت ابن عباس حضور کی صحبت میں رہے اور پھر جلیل القدر

صحابہ سے بھی علم حاصل کیا۔



حضور کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس کو قرآن کا وہ فہم اور ادراک عطا کر دیا کہ کم و بیش تمام جلیل القدر کبار صحابہ کرام بھی اگر کسی آیت کی تفسیر میں کچھ اختلاف یا الجھن محسوس کرتے تو حضرت ابن عباس کی طرف رجوع کرتے تو حضرت ابن عباس مسئلہ کو یوں حل فرماتے کہ سب حیران رہ جاتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بہت زیادہ احترام کرتے حتیٰ کہ بعض صحابہ معترض ہوئے کہ آپ اس نوجوان کا بزرگوں سے بھی زیادہ کیوں احترام کرتے ہیں تو فوراً حضرت عمر نے پوچھا بتاؤ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ..... الخ میں اللہ نے کیا خاص اشارہ فرمایا ہے تو تمام صحابہ خاموش ہو گئے پھر آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم بتاؤ۔ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس سورۃ پاک میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اس پر حضرت عمر نے کہا کہ یہی وجہ ہے میں اس نوجوان کا سب سے زیادہ احترام کرتا ہوں۔

علاوہ ازیں حضرت عمر کے پاس جب بھی کوئی مشکل مسئلہ آتا تو اسے حضرت ابن عباس کے پاس بھیجتے پھر جو حل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کرتے اسے فوراً قبول کر لیتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تفسیر القرآن میں ابن عباس کے مقام کو یوں خراج تحسین پیش کرتے ہیں کہ

”ایسے لگتا ہے کہ ابن عباس ایک باریک پردہ کے پیچھے سے غیبی حقائق کو دیکھ کر آیات کی تفسیر کرتے ہیں۔“

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی آیا اور عرض کیا کہ اس آیت کی تفسیر بیان کیجیے۔

الْمَ يَرِ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَا هُمَا
ترجمہ: یعنی کیا کفار نے دیکھا نہیں کہ زمین اور آسمان بند تھے تو ہم نے انہیں کھول دیا۔

ابن عمر نے فرمایا ابن عباس کے پاس جاؤ وہ تمہیں جو تفسیر بتائیں واپسی پر مجھے بھی بتاتے جانا۔ جب یہ سائل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ آسمان خشک تھے یعنی ان سے بارش نہ ہوئی تھی اور زمین سخت تھی کہ سبزہ نہ اگاتی تھی۔ پس بارش کے طفیل زمین سبزہ اور پھل اگانے لگی۔ پس آسمان کے فتق (کھلنا) سے مراد بارش ہے اور زمین کے فتق سے مراد پھل اور پھول اگانا ہے جب یہ تفسیر اس سائل نے حضرت ابن عمر کو بتائی تو آپ بے ساختہ بول اٹھے کہ مجھے اب پتہ چلا کہ ابن عباس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی علم عطا ہوا ہے۔

ان مذکورہ بالا فضائل سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ تمام مفسرین نے تفسیر قرآن کے سلسلے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی سب سے زیادہ روایات کیوں نقل کی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وہ دوسرے جلیل المقام صحابی ہیں جن کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بعد تفسیر قرآن کے سلسلہ میں سب سے زیادہ روایات ہیں۔ آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ چھٹے نمبر پر اسلام لائے یعنی اولین میں سے ہیں اور آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت زیادہ خدمت کی۔ اکثر سفر و حضر میں حضور کے ساتھ رہتے وضو کیلئے پانی اور مسواک کا انتظام کرتے جب حضور کھڑے ہوتے تو آپ کو جوتا پہناتے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی جگہ تشریف رکھتے تو حضرت عبداللہ بن مسعود حضور کے جوتے اتار کر اپنے پاس رکھ لیتے۔ آپ تمام صحابہ کرام سے بڑھ کر یکے حافظ قرآن تھے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابن مسعود سے قرآن سننا پسند فرماتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ قرآن کو اسی طرح تروتازہ تلاوت کرے جس طرح وہ اتر اٹھا تو وہ ابن مسعود کی طرح پڑھے۔ حضرت ابن



مسعود اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہم جب قرآن کی دس آیات پڑھ لیتے تو اس وقت تک آگے نہ بڑھتے جب تک ان کا مکمل معنی و مفہوم اور ان پر عمل کرنا نہ سیکھ لیتے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

آپ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ فصاحت و بلاغت اور علم و حکمت کے سمندر تھے، اکثر مشکل مسائل میں صحابہ، حضرت علی کی طرف رجوع کرتے تھے۔

خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا۔

أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا

ترجمہ: میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔

آپ بیک وقت مفتی بھی تھے اور قاضی بھی اور تفسیر قرآن کے اسرار و رموز کے عظیم عالم بھی۔ حضرت ابن عباس، حضرت علی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں نے تفسیر قرآن کے سلسلے میں جو کچھ سیکھا وہ حضرت علی سے ہی سیکھا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ تفسیری اقوال منقول ہیں۔ آپ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ ”اللہ کی قسم مجھے ہر آیت کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ کس وجہ سے اور کہاں نازل ہوئی، دن کو نازل ہوئی یا رات کو مجھے اللہ نے بڑا روشن دماغ عطا کیا ہے۔“

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

آپ کا شمار بھی مفسرین صحابہ کے درجہ میں ہوتا ہے۔ آپ اسلام لانے سے قبل یہود کے علماء میں شمار ہوتے تھے اور قدیم کتابوں کے اسرار و رموز سے بخوبی واقف تھے اور اسی وجہ سے آپ کو اسباب نزول، مقدم و مؤخر اور ناسخ و منسوخ کے بارے میں کافی معلومات تھیں اور آپ قرآن مجید کے سب سے بڑے عالم تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا کہ:

اقْرَأْهُمْ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، یعنی ابی بن کعب سب سے بڑے قاری ہیں



حضرت عمرؓ نہیں مسلمانوں کا سردار کہہ کر پکارتے تھے۔ واضح رہے کہ جو صحابی نزول وحی کے وقت موجود تھا تو اس کی تفسیر مرفوع حدیث کا درجہ رکھتی ہے (تذریب الراوی ص ۶۴)

تفسیر القرآن باقوال التابعین

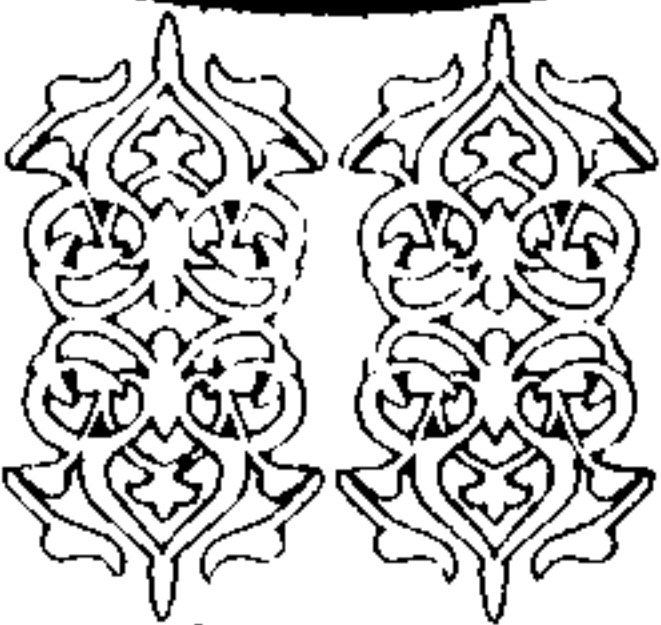
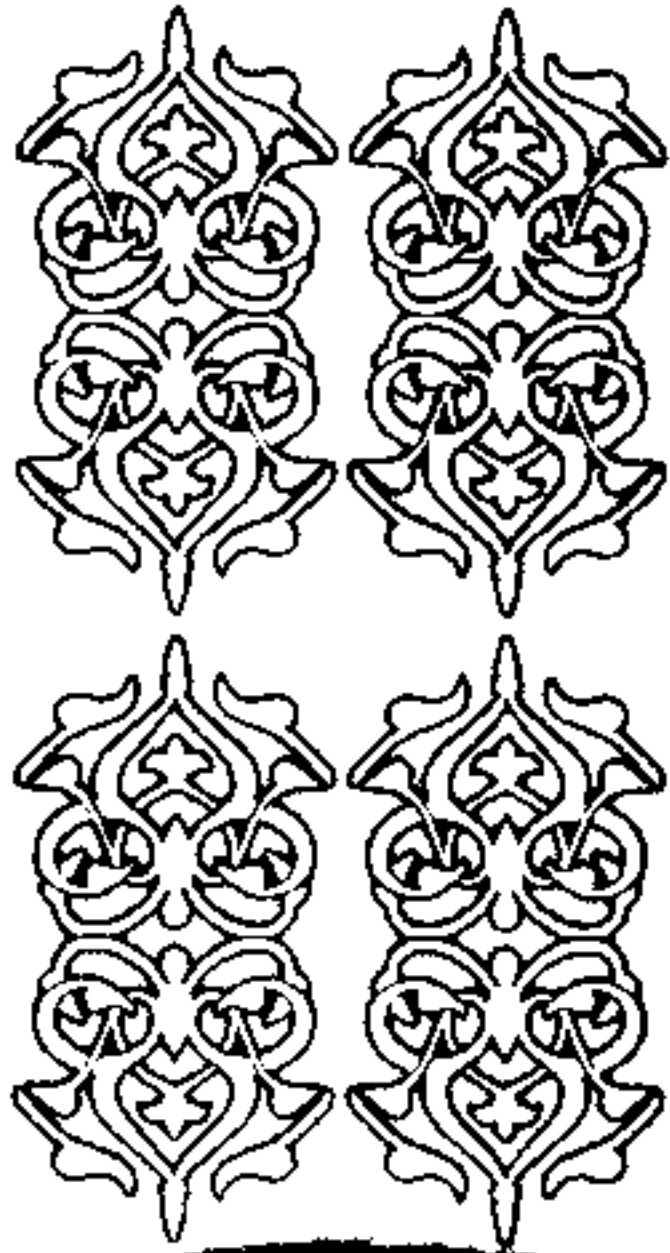
تابعین سے مراد وہ حضرات ہیں جنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کی اور ان سے علم حاصل کیا۔

اس سلسلے میں زمانہ قدیم سے ہی اختلاف ہے کہ آیا تفسیر میں تابعین کے اقوال حجت ہیں یا نہیں۔ امام ابن کثیر نے اس سلسلہ میں بہترین فیصلہ دیا ہے کہ اگر کوئی تابعی تفسیر کسی صحابی سے نقل کر رہا ہو تو اس کا حکم وہی ہے جو صحابی کی تفسیر کا ہے اور اگر خود اپنا قول بیان کر رہا ہو تو دیکھا جائے گا کہ کسی دوسرے تابعی کا قول اس کے خلاف ہے یا کہ نہیں۔ اگر کوئی قول اس کے خلاف موجود ہو تو اس وقت تابعی کا قول حجت نہیں ہوگا بلکہ اس آیت کی تفسیر کے لئے قرآن کریم، لغت عرب، احادیث رسولؐ آثار صحابہ اور دوسرے شرعی دلائل پر غور کر کے کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔ اور اگر تابعین کے درمیان کوئی اختلاف نہ ہو تو اس صورت میں بلاشبہ ان کی تفسیر حجت اور واجب الاتباع ہوگی۔

تابعین میں سے چند مشہور مفسرین کے نام یہ ہیں۔

حضرت سعید بن جبیر	حضرت مجاہد	حضرت محمد بن کعب القرظی
حضرت حسن بصری	حضرت قتادہ	وغیرہ (رضی اللہ عنہم)





حدیث کی ضرورت اور اہمیت

اس نازک اور پر فتن دور میں جہاں دین اسلام کے خلاف ہزاروں فتنے جنم لے رہے ہیں وہاں ایک خطرناک فتنہ ”انکار حدیث“ کا بھی ہے آج کل کی مادی اور لادینی طاقتیں اسلام کی پابندیوں سے آزاد رہنے کیلئے اس فتنے کو سہارا دے رہی ہیں۔

در اصل یہ فتنہ مقام نبوت اور منصب رسالت سے بے خبری کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے، اس فتنے کی آگ کو بجھانے کی کوشش کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اسی غرض سے یہ بندہ عاجز حدیث کی ضرورت و اہمیت کے موضوع پر چند قابل توجہ امور قارئین کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ ہلکی سی کوشش قبول و منظور فرمائے۔ (اللہم آمین)

منصب رسالت

قرآن پاک کی متعدد آیات مبارکہ میں منصب رسالت کی تفصیلات بتائی گئی ہیں جن میں سے ایک آیت مقدسہ درج ذیل ہے

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَالْأَنبَاءُ (آل عمران ۱۶۴)

اس آیت میں رب العزت جل جلالہ نے اپنے حبیب لبیب علیہ التحیۃ والثناء کے چار مناصب و فرائض بیان فرمائے ہیں، جن کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

پہلا منصب: يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ امت پر آیات قرآنی کی تلاوت
دوسرا منصب: وَيُزَكِّيهِمْ امت کا اجتماعی طور پر تزکیہ نفوس

تیسرا منصب: وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ تعلیم کتاب
چوتھا منصب: وَالْحِكْمَةَ تعلیم حکمت

اس جیسی دوسری متعدد آیات میں بھی اسی طرح کی تفصیل بیان کی گئی ہے خاص طور پر جس بات پر زور دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول برحق کو صرف آیات قرآنی سنادینے کے لئے نہیں بھیجا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کے تزکیہء نفوس اور کتاب و حکمت کی تعلیم و تربیت اور تشریح و توضیح کا فریضہ بھی سونپا ہے کیونکہ آپ کتاب اللہ کے معلم بھی ہیں اور شارح بھی جیسا کہ قرآن پاک کی سورہ نحل میں بھی واضح ارشاد موجود ہے:

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (النحل، ۱۳۲)

ترجمہ: یعنی اے محبوب ﷺ! یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف اس لئے نازل کی کہ آپ لوگوں کے لئے اس تعلیم کو خوب واضح فرمادیں جو ان کے لئے اتاری گئی ہے۔ ان آیات میں جو تعلیم دی گئی ہے اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ قرآن کی وضاحت و تشریح کا فرض ادا کرنے کے لئے محض قرآنی الفاظ و کلمات پڑھ کر سنا دینا ہرگز کافی نہیں بلکہ ان الفاظ و کلمات سے کچھ زائد مطالب و معانی کا بیان کرنا بھی لازمی ہے اور یہ امر ظاہر ہے کہ یہی زائد تشریح و توضیح ”حدیث“ کہلاتی ہے۔ اسی طرح سورہ اعراب میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَا مَرْهُمُ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيَجِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَ يَحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (الاعراف، ۱۵۷)

یعنی ہمارا رسول لوگوں کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور ان کیلئے پاک اشیاء کو حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتا اور ان پر سے بوجھ اور بندھن اتارتا ہے جو ان پر چڑھے ہوئے تھے۔



غور فرمائیں! اس آیت میں صراحت کے ساتھ بتا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تشریحی امور پر اختیارات عطا فرمادیئے ہیں۔ آپ شارع ہیں اور امر و نہی، حلال و حرام، جائز و ناجائز پر باذن اللہ اختیار رکھتے ہیں اور شرعی فیصلے فرماتے ہیں اور آپ حکم و قضاء پر بھی مقرر ہیں جیسا سورہ نساء کہ ارشاد فرمایا گیا:

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ
بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ (النساء، ۱۰۰)

ترجمہ: اے حبیب ﷺ! ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ قرآن اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اللہ کی دکھائی ہوئی روشنی میں فیصلے فرمائیں۔

اسکے علاوہ واضح اعلان بھی موجود ہے

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (النساء، ۶۵)
یعنی اے نبی ﷺ تیرے رب کی قسم! وہ لوگ ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے اختلافات اور جھگڑوں میں تجھے حاکم (فیصلہ کرنے والا) تسلیم نہ کر لیں پھر جو آپ فیصلہ فرمادیں تو اس کی طرف سے اپنے دل میں کوئی رکاوٹ یا تنگی محسوس نہ کریں اور تیرے فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔

اس آیت میں بھی حضور سرور دو عالم ﷺ کے لئے حاکم، قاضی اور جج ہونے کے منصب کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

قرآن نے اس امر کو پورے طور پر واضح کر دیا ہے کہ نبی محض چٹھی رساں (ڈاکیا) کی حیثیت نہیں رکھتا اور نہ ہی قرآنی الفاظ کو یاد کر کے لوگوں کو سنا دینے پر اس کا فریضہ ادا ہوتا ہے بلکہ نبی شارع اور حاکم کی حیثیت سے اپنے قول اور عمل کے ذریعے قرآنی مطالب و معانی کی تشریح و تعبیر کا بھی مکلف اور پابند ہوتا ہے اور اس کا قول و عمل امت کیلئے سند اور حجت قطعی کا درجہ رکھتا ہے۔ جب تک نبی کے عمل اور قول

کی روشنی میں قرآن نہ پڑھیں گے اس وقت تک نہ قرآن پر عمل ہو سکے گا اور نہ ہی قرآن سمجھا جاسکے گا۔

قرآن کی تشریح و تعبیر کے طریقے

قرآن کی تشریح و تعبیر دو طرح سے ہو سکتی ہے

- 1 : نبی کے عمل کے ذریعے..... اس کو عملی تشریح کہتے ہیں
 - 2 : نبی کے قول کے ذریعے..... اس کو قولی تشریح کہتے ہیں
- عمل کے ذریعے قرآن کی تشریح کی دو مثالیں پیش خدمت ہیں۔

پہلی مثال

قرآن میں حکم ہے۔ اَقِمْوُ الصَّلٰوةَ ”نماز قائم کرو“

اب سوال پیدا ہوگا کہ لفظ صَلٰوة کا کیا مفہوم ہے؟ نماز کیسے پڑھیں؟ اوقات نماز اور رکعات نماز کی تعداد کتنی ہے؟ نماز کے فرائض واجبات سنن اور مستحبات کی تفصیلات کیا ہیں؟ رکوع و سجود، قیام و قعود میں کیا کیا پڑھیں؟

یہ وہ مسائل ہیں جن کا تفصیلی جواب قرآن میں مذکور نہیں۔ قرآن خاموش ہے کیونکہ قرآن کا کام اصول بیان کرنا ہے۔ اس کے فروع اور شعبے حدیث کے ذریعے ہی بیان ہو سکتے ہیں، قرآن نے صرف اصول بیان کر دیا ہے ”نماز پڑھو“ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اس حکم قرآنی پر عمل درآمد کیلئے آمادہ ہوئے تو انہیں لامحالہ یہ تفصیلات نبی کے عمل کے ذریعے حاصل ہوئیں۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

صَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمْوْنِیْ اُصَلِّیْ اے میرے صحابہ مجھے دیکھو! (بخاری)

جس طرح میں نماز پڑھتا ہوں تم بھی اسی طرح نماز پڑھو (بخاری)

تو ثابت ہوا کہ نبی کا عمل قرآن کی تشریح کرتا ہے۔ نبی کا عمل سامنے نہ ہو تو قرآن پر عمل ناممکن ہو جاتا ہے۔



دوسری مثال

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے **وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ** (البقرہ) ”اے لوگو! پورا کرو حج کو“ اب سوال یہ ہے کہ حج کا مفہوم کیا ہے؟ حج کیسے کریں؟ حج کے ایام اور احکام و مناسک کی تفصیلات کہاں سے حاصل کریں؟ نحر، طواف و زیارت، رمی جمرات وغیرہ کی کیا حقیقت ہے؟ ان سوالات کے جوابات کے سلسلے میں قرآن خاموش ہے لیکن امت کے لئے نبی ﷺ کے عمل نے یہ عقدہ حل کر دیا۔ آپ نے حجتہ الوداع کے موقع پر اپنے عمل کے ذریعے **اَتِمُّوا الْحَجَّ** کے حکم قرآنی کی تشریح فرمادی اسی طرح روزہ، زکوٰۃ تمام عبادات و معاملات، نبوت کی عملی تشریح کے بعد ہی ادائیگی کے قابل ہیں۔ ثابت ہوا کہ قرآن کی اصلی منشاء نبی کی عملی تشریح کے بغیر واضح نہیں ہو سکتی، اور یہی ضرورت حدیث کی دلیل ہے۔

قرآن کا اصلی مفہوم اور اس کی حقیقی منشاء

سمجھنے کے دو ہی طریقے ہیں

ایک طریقہ تو یہ ہے کہ نبی ﷺ اپنے عمل کے ذریعے قرآنی مفہوم کی وضاحت و نشاندہی کرے جس کی دو مثالیں آپ کے سامنے بیان ہوئیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ نبی اپنے قول و فرمان کے ذریعے قرآن کا معنی اور اس کی منشاء متعین کرے اور سمجھائے تاکہ نبی ﷺ کی قولی تشریح سے قرآن کی تفسیر و تعبیر معلوم کی جاسکے اس کی بھی دو مثالیں پیش خدمت ہیں۔

قولی تشریح کی پہلی مثال

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **”كُلُوا وَ اشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ**

الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ“ (البقرہ)

ترجمہ: یعنی اس وقت تک سحری کھاتے رہو جب تک فجر کے کالے دھاگے سے

سفید دھاگہ ظاہر نہ ہو جائے۔

اس آیت میں فجر کی پو پھوٹنے (طلوع صبح صادق) تک سحری کھانے کی اجازت دی گئی ہے۔ ابتداء میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس آیت قرآنی کا صحیح اور متعین مفہوم نہ سمجھ سکے تھے یہاں تک کہ ایک صحابی نے رات کو ایک کالا دھاگہ اور ایک سفید (دونوں دھاگے) اپنے سرہانے رکھ لئے اور رات کو بار بار اٹھ کر دیکھتے کہ یہ کالا دھاگہ سفید کب ہوگا چنانچہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمائیں کہ خیط ابیض سے کیا مراد ہے اور خیط اسود سے کیا مراد ہے؟۔

حضور ﷺ نے فرمایا خیط ابیض سے مراد فجر کی سفیدی ہے اور خیط اسود سے مراد رات کی سیاہی ہے (بخاری) جب حضور نے اپنے قول سے اس آیت قرآنی کی تشریح فرمائی تب صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) سمجھے کہ اس آیت کا مطلب کیا ہے۔

قوی تشریح کی دوسری مثال

فرمان باری تعالیٰ ہے ”فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا“ (النساء)

ترجمہ: یعنی پاک مٹی سے تیمم کرو۔

اس آیت میں پانی میسر نہ آنے کی صورت میں ہر قسم کے حدث سے پاک ہونے کے لیے پاک مٹی سے تیمم کر لینے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسلام کا ابتدائی دور تھا صحابہ کرام ابھی اسلام کی تفصیلات سے آگاہ نہ تھے اور آیت تیمم کا پورا مفہوم نہ سمجھ سکے ایک بار سفر کے دوران بعض صحابہ کرام کو غسل واجب کی ضرورت پیش ہوئی تو انہوں نے ریت پر لیٹ کر اپنے سارے جسم پر ریت ملنا شروع کر دی جب حضور ﷺ کی خدمت میں یہ ماجرا پیش ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ آیت وضو اور غسل ہر دو ضرورتوں کی تکمیل پر مشتمل ہے لہذا غسل کے لیے بھی صرف تیمم ہی کافی ہے تب



جا کر صحابہ کرام اس آیت کے حقیقی مفہوم سے آشنا ہوئے۔

قارئین حضرات! قرآن کی مذکورہ آیتیں سامنے رکھیں اور سوچیں کہ جب تک نبی کریم ﷺ نے اپنے عمل و قول کے ذریعے قرآن کی تشریح نہیں فرمائی صحابہ کرام کو بھی قرآن سمجھ میں نہ آیا حالانکہ وہ اہل زبان تھے، فصیح اللسان تھے، عربی ان کی مادری زبان تھی قرآن کے اولین مخاطب تھے، حضور ﷺ کی صحبت میں رہتے تھے جب وہ لوگ قرآن کو سمجھنے کے لیے حضور ﷺ کی عملی اور قولی تشریحات و توضیحات کے محتاج تھے تو ہم لوگ کس شمار میں ہیں کہ نبی ﷺ کی قولی اور عملی تشریح کے بغیر کلام اللہ کو سمجھنے کا دعویٰ کر سکیں (معاذ اللہ) یہ بات ظاہر ہے کہ نبی کے قول و عمل ہی کا دوسرا نام حدیث ہے۔ لہذا حدیث کو چھوڑ کر قرآن فہمی کا دعویٰ کرنا لاف زنی کے مترادف ہے اسی لیے اللہ رب العزت نے حضور ﷺ کو قرآن کا معلم بھی قرار دیا اور مبین بھی جیسا کہ ارشاد فرمایا:

۱..... ”وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (البقرہ)

۲..... ”وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ“ (النحل)

ثابت ہوا کہ قرآن کا سکھانا اور کھول کر بیان کرنا رسالت کے منصب میں شامل ہے۔ جس طرح قرآن کا متن مسلمانوں کے لیے حجت ہے اسی طرح اس کی نبوی تشریح و تعبیر بھی امت کے لیے حجت اور واجب القبول ہے۔ آیت مذکورۃ الصدر میں نبوت کے چار مناصب و فرائض بیان کئے گئے ہیں۔

پہلا منصب :- تلاوت آیات ہے جس کا مطلب تو واضح اور ظاہر ہے

دوسرا منصب :- تزکیہ امت ہے یعنی افراد امت کو قلب و نظر کی پاکیزگی سے مزین کرنا

جیسا کہ فیضان نبوت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں تزکیہ کا عملی نمونہ

بن گئی تھیں۔ اور آئندہ بھی قیامت تک مشکوٰۃ نبوت کے ذریعے تزکیہ امت کا عمل جاری رہے گا۔

تیسرا منصب :- تعلیم کتاب ہے۔ تعلیم سے مراد آیات کے معانی و مطالب کی تشریح و توضیح کا بیان ہے نہ کہ نفس تلاوت کیونکہ اس طرح تحصیل حاصل بھی ہے اور بے مقصد تکرار بھی جو کہ قرآن کی جامعیت و بلاغت کے خلاف ہے۔

چوتھا منصب :- تعلیم حکمت ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حکمت کیا چیز ہے؟ اس کا جواب دوسری آیت سے مل رہا ہے۔

ارشاد ربانی ہے: **وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (النساء)**

ترجمہ: اے محبوب! ہم نے آپ پر کتاب بھی نازل فرمائی اور حکمت بھی۔

معلوم ہوا کہ کتاب بھی اللہ کی طرف سے حضور ﷺ پر نازل ہوئی اور حکمت بھی کتاب بھی ”مَنْزَلٌ مِنَ اللَّهِ“ ہے اور حکمت بھی ”مَنْزَلٌ مِنَ اللَّهِ“ ہے۔ کتاب بھی وحی ہے اور حکمت بھی وحی ہے۔ اس امر کی مزید وضاحت کے لیے ایک حدیث کا مفہوم قابل غور ہے۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ (ابوداؤد ابن ماجہ)

ترجمہ: آگاہ رہو کہ مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ایک چیز اس کی مثل بھی دی گئی ہے۔

تمام علماء سلف متفق ہیں کہ اس آیت میں حکمت سے مراد سنت (حدیث) ہے اور سنت بھی وحی کی ایک قسم ہے چنانچہ علامہ ابن قیم نے کتاب الروح (صفحہ نمبر ۹۲) میں لکھا ہے۔

”وَالْكِتَابُ هُوَ الْقُرْآنُ وَالْحِكْمَةُ هِيَ السُّنَّةُ بِاتِّفَاقِ السَّلَفِ“

ترجمہ: یعنی کتاب سے مراد قرآن ہے اور حکمت سے باتفاق سلف سنت رسول مراد ہے غور فرمائیں! فرمان رسالت یہ ہے کہ مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے اور اس کی مثل ایک چیز بھی دی گئی ہے تو قرآن کی مثل وہی شئی ہو سکتی ہے جو قرآن کی

طرح مُنَزَّلٌ مِنَ اللَّهِ ہوگی۔ ثابت ہوا کہ کتاب بھی اللہ کی طرف سے نازل ہوئی اور حکمت بھی اللہ کی طرف سے نازل ہوئی۔ قرآن بھی وحی خدا اور حکمت بھی وحی خدا ہے۔ قرآن وحی جلی اور حکمت وحی خفی ہے، قرآن وحی متلو ہیں اور حکمت وحی غیر متلو ہے، وحی متلو قرآن ہے جس کا ایک ایک حرف تو اتر سے ثابت ہے اور وہ اپنے لفظ و معنی دونوں کے لحاظ سے اللہ کا کلام ہے۔ وحی غیر متلو حدیث ہے۔ وہ معنی کے لحاظ سے تو اللہ کا کلام ہے لیکن الفاظ کے لحاظ سے رسول اللہ ﷺ کا کلام ہے۔

بجملہ تعالیٰ دلائل قطعیہ کے ساتھ یہ امر واضح ہوا کہ قرآنی احکام کی عملی صورت بیان کرنے کے لیے احادیث رسول ﷺ کی اشد ضرورت ہے مثلاً زکوٰۃ، حج، عمرہ، صوم، یتیم وغیرہ کے جو معانی شرعاً مطلوب ہیں وہ محض ان الفاظ کے لغوی مفہوم سے ہرگز واضح نہیں ہو سکتے۔

ثابت ہوا کہ اگر احادیث نبوی ﷺ نہ ہوں تو مسلمانوں کے پاس قرآن کے معانی شرعیہ اور مطالب اصلیہ متعین کرنے کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہ جاتا۔ اگر احادیث مبارکہ کو معتبر نہ جانا جائے تو ہم قرآن کی بتائی ہوئی شاہراہ ہدایت پر نہیں چل سکتے۔ اسی حقیقت سے پردہ اٹھانے کے لیے ارشاد فرمایا گیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب)

ترجمہ: اے مسلمانو! تمہاری عملی زندگی کے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔
وَهَذَا هُوَ الْمَقْصُودُ فَافْهَمُوا وَتَدَبَّرُوا

پیکرِ جمال

نور ازل نے جب عدم کے گیسو وا کئے تو شب و بجور سے صبح نور عیاں ہوئی جیسا کہ ”کُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا..... الخ“ کے عنوان سے یہی حقیقت مستورہ عریاں ہوئی حقیقت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات) سی نور ازل کی پہلی تجلی ہے جو سب تکوین کائنات اور باعث تخلیق ممکنات قرار پائی۔

”لَوْلَاكَ لَمَّا خَلَقْتُ الْاَفْلَاقَ“ کا یہی راز ہے کہ مخلوقات اسی شہنشاہ لولاک کے قدم پاک کی خیرات ہے آیت ”وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ“ (انبیاء) اسی امر کی غماز ہے کہ حسن کائنات اسی جان کائنات کے جمال کی زکوٰۃ ہے۔ اور یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ شمس و قمر کی تابشوں کا ہر چمکارہ اور عرش و کرسی کی نازشوں کا ہر نظارہ اسی شاہد رعنا کے حسن تبسم کی سوغات ہے۔

وہ نقاشِ ازل کا نقشِ اول

وسیم و نسیم، مصطفیٰ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کہ جس کی تحسین و تزئین، تشکیل و تعمیر، تعلیم و تادیب اور حسن تخلیق میں مصور حقیقی نے کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔

وہ شہکارِ قدرت

جس کو خالق ہستی نے صورت و سیرت، حسن و جمال، فضل و کمال اور جود و نوال کی جن عظمتوں اور بلندیوں پر فائز فرمایا عالم ممکنات میں اس کی مثال ناممکن ہے۔ امام ربانی حضرت سیدنا شیخ مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز نے فرمایا:

”در عالم امکان مثل او متصور نیست“

وہ محبوب مطلق جس کی ہر ادا محبوب خدا، ہر نگاہ مرکزِ ہدیٰ، ہر عشوہ جان و فاعل، ہر جلوہ

جہاں سخا، ہر تیور کاں حیا، ہر دم دلربا، ہر قدم دلکشا، ہر سخن جانفزا بلکہ سارا بدن معجزہ نما
تجھے بنا کے جو نزدیک و دور سے دیکھا
خدا نے خود کو نہایت غرور سے دیکھا



جلوہ سامانیاں چودہ طبق کو محیط ہیں، حسن یوسف میں صباحت غالب تھی اور حسن مصطفیٰ میں ملاحت کا غلبہ تھا، حسن یوسف پہ نظریں جمتی نہ تھیں اور حسن مصطفیٰ سے نظریں ہٹتی نہ تھیں۔

وہ حسین تو یہ احسن ہیں، وہ شریف تھے تو یہ اشرف ہیں، وہ کریم تھے تو یہ اکرم ہیں، وہ کامل تھے تو یہ اکمل ہیں، وہ جمیل تھے تو یہ اجمل ہیں۔

حسن یوسف دیکھ کر مصر کی عورتوں نے انگلیاں تو کاٹ لیں مگر ایمان نہ لائیں، اور حسن مصطفیٰ دیکھ کر عرب کے مرد ایمان پہلے لائے اور گردنیں بعد میں کٹائیں غرضیکہ:

لو امی زلیخا لورأین جینہ

لا ثرن بقطع القلوب علی یدی

کسی شاعر نے کیا خوب کہا!

ہزار صبح بھار از نگاہ می چکدش
جنوں ز سایہ زلف سیاہ می چکدش
چمن چمن گل ونسریں ز عکس رخ ریزد
بہ پیش گاہ جمالش جلال سر بہ سجود
چہ خندہ وچہ تبسم کہ ماہ می چکدش
صد آفتاب بہ زیر گلیم می رخسند
ز دل ق فقر چہ تکلم کہ ماہ می چکدش
چہ گفتگو چہ تکلم شہادتے بہ حدوث
ز نور چہرہ قدم را گواہ می چکدش
نگاہ کنید بہ بخت بلند بیوہ زنی
کہ از کنار غریبش چہ ماہ می چکدش

انسانی حقوق

سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں

زیر نظر مقالہ ۲۸ اگست ۱۹۹۶ء ڈسٹرکٹ کونسل ہال گوجرانوالہ میں محکمہ اوقاف پنجاب کے زیر اہتمام منعقدہ ڈویژنل سیرت کانفرنس میں پڑھا گیا۔

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

صاحب صدر حضرات علماء اعلیٰ معزز سامعین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
محکمہ اوقاف کے زیر اہتمام گوجرانوالہ میں ڈویژنل سیرت کانفرنس کا انعقاد
ایک نہایت مستحسن اقدام ہے جس پر محکمہ اوقاف بجا طور پر مبارکباد کا مستحق ہے۔
اور اس مبارک تقریب میں مجھ جیسے ناچیز کو ”انسانی حقوق سیرت النبی ﷺ کی روشنی
میں“ کے مقدس موضوع پر مقالہ پڑھنے کی دعوت ملنا میرے لیے اعزاز بھی ہے
اور ذریعہ نجات بھی۔ والحمد للہ علی ذلک

اظہار تشکر کے بعد۔۔۔ عرض مدعا یوں ہے کہ۔۔۔ لفظ سیرت ”سار“ کا اسم
ہے اس کے لغوی معنی عادت، طریقہ، خصلت، روش اور طرز زندگی کے ہیں۔ اصطلاحی
طور پر حضور ختمی مرتبت رحمۃ عالم نور مجسم ﷺ کے حالات واقعات افکار و تعبیرات
ارشادات و احکامات کے مجموعہ پر ”سیرت النبی ﷺ“ کا اطلاق ہوتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو کچھ ہمارے
پیغمبر ﷺ کے مبارک وجود کے ساتھ متعلق ہوا اسے سیرت کہتے ہیں۔

اس مفہوم کے اعتبار سے سیرت النبی ﷺ کے باب کا آغاز صرف ولادت طیبہ اور بعثت مقدسہ سے نہیں ہوگا بلکہ آپ کی خلقت منورہ سے سیرت کا باب شروع ہوگا۔ لہذا ابتدائے نور سے لے کر صبح ظہور تک اور صبح ظہور سے لے کر یوم النشور تک ہر طرف آپ کی سیرت کے جلوے ابھرتے، نکھرتے، بکھرتے، سنورتے اور مچلتے نظر آتے ہیں۔

اگر یہ مفہوم ذہن نشین ہو جائے تو لازماً ماننا پڑے گا کہ

اول المسلمین بھی آپ ہیں اور..... خاتم المرسلین بھی

اول العابدین بھی آپ ہیں اور..... رحمۃ اللعالمین بھی

اول الہادیین بھی آپ ہیں اور..... اول المسبّحین بھی

مقام افسوس ہے کہ سیرت لکھنے والوں نے سیرت نگاری کا باب ادھورا چھوڑ رکھا ہے۔ انہیں سوچنا چاہیے کہ انسان کامل کی سیرت بھی کامل ہونی چاہیے اسی لیے ہمارا ایمان ہے کہ سیرت کا بنیادی نکتہ طہارت رسول و عصمت رسول ہے۔

”علیہ و علی الہ و اصحابہ الصلوٰات و التحیات“

اے کاش! سیرت نگار اگر یہ راز پا جاتے کہ پہلا مسلمان، پہلا عابد اور پہلا تسبیح کہنے والا کون ہے تو وہ آپ کی سیرت کو صبح ازل سے لے کر شام ابد تک محیط پاتے کیونکہ

رخ تنویر صبح ازل ہے

زلف ابد کی کالی رات

یہ ت کے اصلی مفہوم کو پالینے کے بعد مسئلہ خود بخود ذہن میں اتر جاتا ہے کہ

بعثت نبوت کا مقصد

سرف تبلیغ نہیں تعمیل ہے



صرف.....تشکیل نہیں.....تکمیل ہے

صرف.....تعلیم نہیں.....تعمیر ہے

یعنی نبی کا کام صرف احکام پہنچا دینا نہیں بلکہ ان پر عمل کر کے دکھا دینا بھی نبوت کے فرائض میں شامل ہے۔

ارشاد قرآنی ”فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ“ (البقرہ) کے مطابق قرآن قلب

نبوت پر اترا اور نبی کے اعضاء و جوارح کے ذریعے عملی شکل میں ظاہر ہوا تو پھر یاد رہے کہ علم قرآن اور عمل نبوت کو کبھی علیحدہ علیحدہ نہ کیا جاسکے گا بلکہ یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ

قرآن..... اگر علمی مرتبے میں لَا رَيْبَ فِيهِ ہے..... تو

نبی..... عملی مرتبے میں لَا عَيْبَ فِيهِ ہے

کیونکہ نبی نے اپنے عمل کے ذریعے قرآن کے

ہر اجمال کو تفصیل..... ہر متن کو تشریح..... ہر کنایہ کو تصریح..... ہر حرف کو

تعبیر..... اور ہر لفظ کو تفسیر بنا دیا ہے

خود اللہ رب العزت جل جلالہ نے آپ کی سیرت کی وسعت کو قرآن میں

”وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ“ کے ارشاد سے تعبیر فرمایا اور ام المؤمنین حضرت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ارشاد ”كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ“ کے مطابق آپ کی

سیرت کے ایک ایک پہلو کو رب تعالیٰ نے اپنے کلام کا جامہ پہنا کر قرآن کی شکل میں

نازل فرما دیا۔ اللہ رب العزت نے

آپ کی تشریف آوری کو

آپ کے وطن کو

آپ کی بعثت کو

آپ کی تبلیغ کو

مؤمنین پر احسان سے

وادی غیر ذی زرع سے

امیوں میں ہونے سے

رسالت و بشارت و نذارت سے



آپ کی خانگی زندگی کو
 آپ کی ہجرت کو
 آپ کے غزوات کو
 آپ کے مشاغلِ رحمت کو
 آپ کے معجزات کو
 بیان فرمایا۔ اسی طرح

سورہ تحریم و احزاب، نور و حجرات میں
 سورہ انبیاء، فرقان و انفال میں
 سورہ انفال و آل عمران، احزاب اور فتح و توبہ میں
 سورہ بقرہ و احزاب میں
 سورہ بنی اسرائیل، یونس اور ہود و غیرہ میں

آپ کے عقائد کو
 آپ کے اعمال کو
 آپ کے استدلال کو
 آپ کے حال کو
 آپ کے قال کو
 آپ کے جمال کو
 آپ کے کمال کو
 آپ کے مراقبہ کو
 آپ کے محاسبہ کو
 آپ کے شوق کو
 آپ کے غضب کو
 آپ کی امید کو
 آپ کے خوف کو
 آپ کے سکون کو
 آپ کے ملال کو

اپنی ذات و صفات کی آیات سے
 احکامات کی آیات سے
 تکوینی آیات سے
 تشریحی آیات سے
 قصص و امثال کی آیات سے
 محبت کی آیات سے
 عظمت کی آیات سے
 تفکرات کی آیات سے
 ترک لذات کی آیات سے
 جنتِ نعیم کی آیات سے
 نازِ جیم کی آیات سے
 رحمت کی آیات سے
 عذاب کی آیات سے
 انعامات کی آیات سے
 انتقام کی آیات سے

آپ کے بُغض فی اللہ کو حدود و جہاد کی آیات سے
 آپ کی حُب فی اللہ کو امن و راحت کی آیات سے
 آپ کے عروج کو نزول وحی کی آیات سے
 آپ کے نزول کو تعلیم و تربیت کی آیات سے
 آپ کی خلافت کو تنفیذ احکام کی آیات سے
 آپ کے قرب کو معراج کی آیات سے
 آپ کی آمد کو میلاد کی آیات سے

بیان فرمایا

نیز

آپ کے کلام کو اپنے کلام سے
 آپ کے سلام کو اپنے سلام سے
 آپ کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ سے
 آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت سے
 آپ کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی سے
 آپ کی ادا کو اپنی ادا سے
 آپ کی وفا کو اپنی وفا سے

اور

آپ کی رضا کو اپنی رضا سے

تعبیر فرماتا ہے

الغرض یہ کہ

”ہم قرآن در شان محمد است“

زیراں زبراں شد اں مد اں شان اوہدی وچہ آیاں

بے خبراں نوں خبر نہ کوئی، خاصاں رمزاں پایاں

حضرات محترم! سیرت النبی (ﷺ) کے آئینے میں انسانی حقوق کا تحفظ دین اسلام میں ایک بنیادی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ رسول رحمت (ﷺ) کا نوع انسانی پر احسان عظیم ہے کہ آپ نے اسے انسانی حقوق کا وہ تصور دیا جو قومیت، وطنیت، نوعیت، جنسیت، لسانیت اور لونیت کے بتوں کو پاش پاش کر کے ایک ایسا بے مثال معاشرہ تشکیل دیتا ہے جس میں حبشی اور رومی، ایرانی اور افغانی، عربی اور عجمی کے اختلاف و امتیازات کو کوئی اہمیت اور کوئی حیثیت حاصل نہیں۔ حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں جبل رحمت پر حیات طیبہ کا جو آخری خطبہ ارشاد فرمایا اسے انسانی حقوق کا عالمی منشور قرار دیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا تھا۔

”إِنَّهَا النَّاسُ إِلَّا أَنْ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا لَأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا لَأَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَى“

ترجمہ۔ لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے تمہارا باپ ایک ہے، خبردار! کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر اور کسی سرخ کو کالے پر اور کسی کالے کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے۔

نہ افغانیم و نہ ترک و تاریم! چمن زادیم و ازیک شاخساریم!
تمیز رنگ و بو بر ما حرام است کہ ما پروردہ یک نو بہاریم!
آپ نے عصبیت جاہلیہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور فرمایا ”لَيْسَ مِنْنَا مَنْ دَعَا إِلَى الْعَصْبِيَّةِ“ جو کسی کو عصبیت کی طرف بلائے وہ ہم میں سے نہیں۔

آپ نے عصبیت کی تعریف یوں بیان فرمائی ”أَنْ تُعِينَ قَوْمَكَ عَلَى

الظلم“ یعنی عصبیت یہ ہے کہ تم اپنی قوم کی ظلم پر مدد کرو!
یہ انسانی حقوق کی سب سے پہلی دستاویز ہے جس پر آپ نے سب سے پہلے خود
عمل فرمایا۔

”أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمِي مَوْضُوعٌ وَدِمَاءُ
الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ“

آپ نے فرمایا خاندان قبیلہ نسب و حسب ذات پات چھوت چھات کی ہر بات
دور جاہلیت کی خرافات ہیں۔ میں آج کے بعد انہیں باطل قرار دیتا ہوں اسی طرح
دور جاہلیت کے تمام سودی لین دین اور ایسے تمام معاہدے اور معاملے میں اپنے قدموں
مٹے روندتا ہوں اور کالعدم قرار دیتا ہوں۔

ہاں اسی دن ہو گیا تھا نور حق سے چور چور

آگینے کی طرح جھوٹے خداؤں کا غرور

آپ نے سب سے پہلے اپنے خاندان کے سودی معاملات کو ختم کرنے کا
اعلان فرمایا اور مزید آپ نے فرمایا:

”ايها الناس ان دماءكم و اموالكم و اعراضكم عليكم حرام الى ان

تلقوا ربكم كحرمة يومكم هذا و كحرمة شهركم هذا في بلدكم هذا“

اس فرمان میں حضور ﷺ نے تین چیزوں کی حرمت کا ذکر فرمایا کہ مومن کی
جان مال اور آبرو اسی طرح قابل احترام ہیں جس طرح تم عرفہ کے دن کو ذی الحجہ کے
اس مہینے کو اور اس شہر مکہ کو قابل احترام سمجھتے ہو۔

جب ۹ ہجری مقام تبوک میں حضور ﷺ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں اس
بات کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ”سباب المومن فسوق و قتاله كفر“ یعنی مومن
کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے جھگڑا کرنا کفر یعنی امر منکر ہے اور اس کی غیبت کرنا اللہ



تعالیٰ کی نافرمانی ہے اور اس کے مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت کے برابر ہے۔
 محسن انسانیت ﷺ نے فتح مکہ کے موقعہ پر ”لا تشریب علیکم الیوم
 فاذهبوا انتم الطلقاء“ فرما کر کفار و مشرکین کے لیے عفو عام کا اعلان فرماتے
 ہوئے انسانی جان کی حرمت کا وہ روح پرور مظاہرہ پیش فرمایا جو ہر دور کی اسلامی
 حکومت اور مسلمانوں کے لیے باعث تقلید و تعمیل رہے گا۔

پیغمبر انسانیت ﷺ نے انسان کے لیے تحفظ مال کا اصول یوں متعین فرمایا کہ
 ”جو شخص اپنا مال بچانے میں مارا جائے وہ شہید ہے۔ (بخاری شریف)

انسان کی آبرو کا تحفظ بھی اس کا ایک بنیادی حق ہے۔ رسول خدا ﷺ نے
 حرمت اور آبرو کا مسئلہ یوں حل فرمایا کہ جس نے کسی انسان کی بے عزتی یا آبروریزی
 کی یا کوئی اور ظلم کیا تو اسے چاہیے کہ وہ اس سے معاف کر لے اس دن سے پہلے جب
 اس کے کچھ کام نہ آئے گا۔ (بخاری جلد اول)

حضرات محترم! ہمارا دعویٰ ہے کہ ابھی تک دنیا کے مہذب ترین ممالک اسلام
 کی تہذیب اور معیار عدل و مساوات کے قریب تک بھی نہیں پہنچ سکے۔ اشتراکی
 ممالک جو پسماندہ طبقہ کے زیادہ خیر خواہ بنتے ہیں ان میں بھی افراط و تفریط موجود ہے
 جو نہ صرف تقسیم رزق میں ہے بلکہ سماجی اور معاشرتی سطح پر بھی ہے۔ امریکہ جو اپنے
 آپ کو دنیا کا سب سے بڑا مہذب و متمدن ملک کہلاتا ہے وہاں چلے! دیکھتے ہیں کہ
 امریکہ کی قریباً بیس ریاستوں میں سیاہ فام انسانوں کو اجازت نہیں کہ وہ سفید فام
 انسانوں کے ساتھ ایک سکول یا ایک یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر سکیں۔ فلوریڈا کی
 ریاست نے تو ان کے نصاب تعلیم میں بھی امتیاز ضروری سمجھا ہے۔ امریکہ کی تمام
 ریاستوں میں کسی سفید فام کا کسی سیاہ فام حبشی عورت سے نکاح نہیں ہو سکتا اور نہ کسی
 حبشی مرد کا سفید فام عورت سے رشتہ ہو سکتا ہے۔ سماجی لحاظ سے نسلی امتیاز کا حال یہ ہے



کہ قریباً چودہ ریاستوں میں ریل کے سفر کے دوران قانوناً حبشیوں کو گوروں سے علیحدہ بیٹھنا پڑتا ہے۔ یہاں تک کہ دماغی امراض کے ہسپتالوں میں سفید فام پاگلوں کو سیاہ فام پاگلوں پر فوقیت دی جاتی ہے اور اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب وہ اعلان ہے جو واشنگٹن کے کتوں کے مقبرے کے انچارج نے کیا تھا کہ آئندہ وہ اپنے قبرستان میں ان کتوں کو بھی دفن نہیں ہونے دے گا جن کے مالک سیاہ فام ہوں گے۔

واشنگٹن کے وائٹ ہاؤس کے عین بالمقابل اور ابراہیم لنکن کے مشہور مجسمے کے زیر سایہ ایک ایسا محلہ آباد ہے جس میں ڈھائی لاکھ حبشی رہتے ہیں ان کی زندگی اس طرح گزر رہی ہے جس طرح چوپائے اپنے باڑوں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہی امتیاز اور اختلاف سکولوں، کالجوں، ہوٹلوں، ہسپتالوں سے لے کر عبادت گاہوں اور گرجوں تک موجود ہے۔

مسلمانوں کو فرقہ واریت کا طعنہ دینے والوں کا اپنا یہ حال ہے کہ ۱۹۶۴ء میں امریکہ کے شہر کولمبیا میں ان کے درمیان فرقہ وارانہ فسادات صرف اس بناء پر شروع ہو گئے تھے کہ ایک حبشی عورت نے ایک گورے دوکاندار سے ذرا تلخ گفتگو کی تھی۔

بانی اسلام ﷺ کی سیرت سے ہمیں تو یہ سبق ملتا ہے کہ ۔

اپنی ملت کو قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری

اس کے مقابلے میں ذرا سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور کے دو واقعات پر بھی غور کیجئے جو نہایت ہی ایمان افروز ہیں۔ آپ امیر المومنین ہیں اور حضرت بلال ایک سیاہ فام حبشی ہیں لیکن جب وہ امیر المومنین سے ملنے آتے ہیں تو آپ احتراماً

کھڑے ہو کر استقبال کرتے ہیں اور سیدنا بلال کہہ کر محبت بھرے الفاظ سے ان کی پذیرائی کرتے ہیں۔

دوسرا واقعہ یوں ہے کہ جب بیت المقدس فتح ہوا تو آپ فاتحانہ شان کے ساتھ شہر میں اس طرح داخل ہوئے کہ خود پیدل تھے اور سواری پر آپ کا غلام تھا۔ دنیا کی دوسری قوموں کے نمائندے بھی وہاں موجود تھے مسلمان پکاراٹھے کہ وہ دیکھو کس شان سے امت کا امام آتا ہے خود تو پیدل ہے سواری پہ غلام آتا ہے

سامعین ذی وقار! آج کل ہر طرف انسانی بنیادی حقوق کا بڑا چرچا ہے اور اقوام متحدہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ بتایا جاتا ہے کہ اس نے انسانی حقوق کو متعین کر کے ان کا چارٹر شائع کر دیا ہے۔ لیکن حقیقتہ الامریہ ہے کہ انسان کے بنیادی حقوق کا تصور سب سے پہلے قرآن اور اسلام نے دیا تھا اور آج سے چودہ صدیاں قبل صاحب قرآن اور بانی اسلام ﷺ نے اپنی زندگی میں اس کا عملی نمونہ پیش فرمایا تھا۔ قلت وقت کے باعث چند اشارات پر اکتفا کرتا ہوں۔

وہ حقوق کیا ہیں :

احترام انسانیت اور تکریم آدمیت، مدارج کا تعین، اطاعت کا اصول، حاکم و محکوم کا تعلق، عدل و احسان کی عملی تشکیل، مال، جان اور آبرو کی حفاظت کے حقوق، معاشرتی اور معاشی حقوق، ہر فرد کے لیے سامان زیست مہیا کرنے کے حقوق، مذہبی و سیاسی آزادی کے حقوق، مزدور اور مظلوم کے حقوق، حیثیت عرفی کے تحفظ کے حقوق، والدین اور اولاد کے حقوق، شاگرد اور استاد کے حقوق، زوجین کے حقوق، صلہ رحمی اور ہمسائیگی کے حقوق اور اس قسم کے دوسرے تمام حقوق کا تعین ہمیں صرف سیرت النبی ﷺ کے آئینے میں اس وقت سے دکھائی دے رہا ہے جب دنیا میں انسانی حقوق کا نام و نشان

تک بھی نظر نہ آتا تھا۔

آج تمام غیر اسلامی طاقتیں، انسانی حقوق کا داویلا اور بنیاد پرستی کا ہوا کھڑا کر کے اسلامی نظام کے خلاف نفرت کا طوفان بپا کر رہی ہیں، اہل یورپ انسانی حقوق کا سہرا یونان کے فلسفیوں کے سر پر باندھ رہے ہیں حالانکہ ان کے ہاں انسانی حقوق کا تصور بھی موجود نہیں۔

افلاطون نے ریاست میں صرف فلاسفر کو حکمرانی کا حق دیا ہے۔ ارسطو نے معاشرہ میں طبقاتی تقسیم کو روارکھا ہے۔ ”میکنا کارٹا“ کو فرد کی آزادی کا چارٹر قرار دیا جاتا ہے حالانکہ وہ اسلام کی آمد سے سات سو سال بعد کی پیداوار ہے۔ روسو کے معاہدہ عمرانی کا بھی یہی حال ہے جو اس نے اٹھارہویں صدی میں پیش کیا اور اسے انقلاب فرانس کی انجیل قرار دیا جاتا ہے۔

یورپ کے نام نہاد محققین اس بصیرت سے بے بہرہ ہیں کہ انسانی حقوق کے سب سے پہلے اور سب سے بڑے علمبردار پیغمبر اسلام علیہ التحسینہ والسلام ہیں۔ اسی پیغمبر انقلاب کے ایک غلام کی داستان عدل سنئے!

حضرت عمرو بن عاصؓ (گورنر مصر) کے بیٹے نے جب ایک قبطنی کو کوڑوں سے پیٹا تو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی دادرسی کرتے ہوئے عمرو بن عاص کے صاحبزادے کو اسی قبطنی سے کوڑے لگوائے اور گورنر مصر کو قہر آلود نگاہوں سے دیکھتے ہوئے فرمایا! عمرو ”تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنانا شروع کیا ہے؟ ان کی ماؤں نے تو انہیں آزاد جنا تھا“ بعد میں یہی فقرہ اٹھارہویں صدی میں روسو کی زبان سے ادا ہوا تو یورپ کے متعصبین نے اسے انسانی حقوق کا بنیادی پتھر قرار دے لیا۔ حالانکہ۔۔۔

اب جو آئی ہے گلشن گیتی میں بہار
رنگ اڑا لائی ہے انہی گلستانوں سے

حاضرین مکرم! آج نام نہاد اقوام متحدہ، کشمیر، فلسطین، بوسنیا، چیچنیا، میں انسانی حقوق کی دھجیاں اڑا رہی ہے اور تمام مہذب قومیں (بزعم خولیش) انسانی حقوق کی پامالی پر خاموش تماشا شائی بنی بیٹھی ہیں۔ اہل اسلام کو چاہیے کہ ایسے نام نہاد عالمی ادارے کو چھوڑ کر اقوام مسلمہ کا الگ پلیٹ فارم تیار کریں کیونکہ اقوام متحدہ انسانی حقوق کے تحفظ میں بری طرح ناکام ہو چکی ہے اب ہمیں ببا ننگ دہل یہ اعلان کر دینا چاہیے کہ

ہم پیروی قیس نہ فرہاد کریں گے
ہم طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے
علامہ اقبال مرحوم نے اقوام متحدہ کے متعلق فرمایا تھا۔

”بہر تقسیم قبور انجمنے ساختہ اند“

اہل اسلام کو اس حقیقت پر پورا یقین ہونا چاہیے کہ انسانی حقوق کی پاسداری فقط سیرت النبی ﷺ کے دامن رحمت ہی میں موجود ہے اور اسلام ہی انسانوں کے بنیادی حقوق و فرائض کا واحد علمبردار ہے۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرم خانہ خراب کو تیرے عفو بندہ نواز میں
اللہم صل علی سیدنا محمد

بقدر حسنہ و جمالہ و جودہ و نوالہ
و فضلہ و کمالہ و قالہ و حالہ و عزہ و جلالہ
و صحبہ والہ و بارک و سلم ابدا ابدا
وما علینا الا البلاغ



حضور ﷺ ماہ رمضان کیسے گزارتے؟

ماہ رمضان المبارک امت مسلمہ کے لیے اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام اور عطیہ ہے یہ مہینہ بے شمار رحمتوں کا حامل اور لاتعداد برکتوں کا ضامن ہے۔ اسی ماہ میں نزول قرآن کا آغاز ہوا اور سرور کائنات ﷺ کو اعلان نبوت کا حکم دیا گیا۔ اسی ماہ میں لیلۃ القدر کی سعادتیں امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰات والتسلیمات کے مقدر میں لکھی گئیں۔ اس مقدس مہینے کے قیمتی لمحات اور بابرکت اوقات کو گزارنے کے لیے سب سے زیادہ بہتر وہ طریقہ ہے جو ہمارے رسول اکرمؐ نور مجسم ﷺ نے اختیار فرمایا کیونکہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی منشاء سے بھی خوب آگاہ ہیں اور اس ماہ کی اہمیت سے بھی۔

لہذا آئیے! ہم رسول اللہ ﷺ کی سنت و سیرت کی روشنی میں انہی خطوط و نقوش پر ماہ رمضان المبارک گزارنے کی کوشش کریں تاکہ ہماری زندگی برکات و انعامات سے مالا مال ہو جائے۔ حضور سرور کائنات ﷺ جب ماہ رمضان کا چاند دیکھتے تو اپنی مخصوص دعائیں یہ الفاظ بھی استعمال فرماتے ”هَلَالٌ رُّشِدٌ“ یعنی یہ چاند خیر و برکت والا ہے۔ جب رمضان شریف شروع ہوتا تو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں یہ مخصوص دعا کیا کرتے ”اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ عَلٰی مَنْ رَمَضَانَ وَسَلِّمْ رَمَضَانَ لِيْ وَسَلِّمْهُ مِنِّيْ“ یعنی اے اللہ! مجھے رمضان میں آنے والی بلیات سے محفوظ فرما اور رمضان کو میرے لیے سلامتی والا بنا اور مجھے اس میں اپنی نافرمانی و معصیت سے سلامت رکھ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ماہ رمضان آتا تو اس

خوف کے پیش نظر کہ کہیں کسی مشکل کی وجہ سے اس میں حق عبودیت ادا کرنے میں کمی نہ ہو جائے۔ آپ کا رنگ مبارک فق ہو جاتا اور ماہ رمضان میں اپنی صحت و سلامتی بحال رہنے کی دعا کیا کرتے تھے۔

کنز العمال میں ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ ماہ رمضان کی آمد پر صحابہ کرام کو مبارکباد دیتے اور رمضان المبارک کو مَرَحَبًاہِ وَأَهْلًا کے الفاظ کے ساتھ خوش آمدید فرماتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ آپ سے جو مانگا جاتا آپ کبھی انکار نہ فرماتے۔ خود اپنی زندگی فقر و فاقہ میں بسر فرماتے مگر لوگوں پر عطیات کی ایسی بارش فرماتے کہ شہنشاہ بھی اس پر حیران ہو جاتے پھر آپ کی سخاوت محض مال و دولت لوٹانے تک ہی محدود نہ تھی بلکہ تمام انواع سخاوت پر مشتمل تھی۔ خاص کر جب رمضان المبارک کا چاند طلوع ہوتا تو سخاوت میں اور بھی اضافہ فرماتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیان ہے کہ ہم نے رمضان المبارک میں آپ ﷺ کی سخاوت کی برسات کو تیز ہوا سے بڑھ کر دیکھا ہے۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں سے بڑھ کر سخی تھے مگر ماہ رمضان میں آپ ﷺ کی سخاوت اور بھی زیادہ ہو جاتی۔ ماہ رمضان میں زیادہ سخاوت کرنے کی حکمت یہ تھی کہ اس ماہ میں ثواب ستر گنا سے بھی بڑھ جاتا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ بھی اس ماہ میں بندوں پر انعام و اکرام کی بارش فرماتے ہیں اس لیے آپ سنت الہیہ کو اپنا کر جو دو سخا میں اضافہ فرما دیتے اس میں روزہ داروں کی اعانت کا جذبہ بھی شامل ہوتا اس طرح آپ ﷺ نے امت کے لیے سخاوت کا اعلیٰ نمونہ پیش فرمایا۔

اس ماہ میں حضور سرور کائنات ﷺ روزے کی برکات کے ساتھ ساتھ روزے دار کا مقام اور درجہ بھی خاص طور پر بیان فرماتے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کو رمضان کے حوالے سے

ایسی پانچ چیزیں عطا ہوئی ہیں جو سابقہ کسی امت کو نصیب نہیں ہوئیں

۱۔ روزہ دار کے منہ کی خوشبو اللہ تعالیٰ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہوتی ہے

۲۔ افطار کے وقت تنگ سمندر کی مچھلیاں روزہ داروں کے لیے دعا کرتی ہیں۔

۳۔ ہر روز جنت کو مزین کیا جاتا ہے۔

۴۔ شیاطین کو رمضان میں قید کر دیا جاتا ہے۔

۵۔ آخری رات کو امت کی بخشش کردی جاتی ہے۔

حضور ﷺ سحری تاخیر سے کرتے اور امت کو بھی سحری میں تاخیر کا حکم دیا تا کہ روزہ دار کو نماز فجر کی ادائیگی میں آسانی ہو اور زیادہ دیر پہلے سحری کر لینے سے نیند غالب نہ آجائے اور نماز فجر رہ نہ جائے۔

ہر عبادت کے کچھ آداب ہوتے ہیں اگر ان کو پیش نظر رکھ کر اس عبادت کو بجالایا جائے تو اس کے ثمرات زیادہ ہوتے ہیں اسی لیے آپ ﷺ نے روزہ کے آداب بھی بیان فرمائے تا کہ امت حالت روزہ میں ان کا خصوصی خیال رکھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی روزہ دار ہو تو نہ بری بات کرے اور نہ غلط کام کرے۔ اگر اس سے کوئی لڑے یا اسے کوئی گالی دے تو وہ کہے ”اِنِّیْ صَائِمٌ“ میں حالت روزہ میں ہوں۔

السنن الکبریٰ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا روزہ محض کھانے پینے سے رکنے کا نام ہی نہیں روزہ تو لغویات اور بری باتوں سے بچنے کا نام ہے۔ اسی طرح روزہ کی حالت میں زبان کو جھوٹ اور فحش کلامی سے بچانا بھی ضروری ہے۔ غیبت سے بھی اپنی زبان کو محفوظ رکھنا لازم ہے۔ قرآن نے غیبت کو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جب تم روزہ رکھو تو چاہیے کہ تمہارے کان آنکھیں اور زبان بھی روزہ سے ہوں۔

حضور ﷺ سارا سال ہی عبادت الہی میں کمی نہ فرماتے مگر ماہ رمضان المبارک میں دوسرے مہینوں سے بڑھ کر عبادت فرماتے اور جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہو جاتا تو اس میں اور بھی خصوصی عبادت کا اہتمام فرماتے، اعتکاف فرماتے اور کثرت تلاوت و زہد و انابت اختیار فرماتے۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ آخری عشرہ میں جتنی محنت فرماتے دوسرے دنوں میں اتنی محنت نہ فرماتے۔ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں لیلۃ القدر کی تلاش کے لیے آپ ہمیشہ اعتکاف فرمایا کرتے اور صحابہ کرام کو بھی اس کی ترغیب دلاتے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے وصال کے سال بیس روز اعتکاف فرمایا۔ لیلۃ القدر کے لیے خصوصی اہتمام فرماتے اور فرمایا کرتے کہ ”هِيَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ“ یعنی لیلۃ القدر قیامت تک باقی ہے رمضان المبارک کی آخری رات کی فضیلت کے بارے آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب رمضان کی آخری رات ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس رات میں اتنی مقدار میں لوگوں کو دوزخ سے آزاد فرماتا ہے جس قدر تمام مہینہ میں آزاد فرمائے۔ اس آخری رات میں بھی حضور ﷺ ذکر و عبادت اور شب بیداری کا خاص اہتمام فرماتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”أَوَّلُهُ رَحْمَةٌ أَوْسَطُهُ مَغْفِرَةٌ وَآخِرُهُ عِتْقٌ مِنَ النَّارِ“ ماہ رمضان کا پہلا عشرہ رحمت کا ہے، درمیانی عشرہ بخشش والا ہے اور آخری عشرہ دوزخ کی آگ سے آزادی دلانے والا ہے۔



اسلام میں عید الاضحیٰ کی حیثیت

قرآن حکیم کی روشنی میں دن منانے کی حیثیت و اہمیت

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ..... الخ (ابراہیم ۵)

”اس آیت میں رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو وہ دن یاد دلاؤ جن میں اللہ تعالیٰ نے ان پر نعمتیں نازل فرمائیں۔“
معلوم ہوا کہ نعمتیں ملنے کے دنوں کو یادگار کے طور پر منانا حکم خداوندی ہے۔ یوں تو سب دنوں اور راتوں کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا فرمایا ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس آیت میں جن دنوں کا خاص طور پر منانے اور ان کی یاد دلانے کا حکم دیا گیا ہے وہ کون سے دن ہیں؟
مفسرین امت نے فرمایا کہ اَيَّامُ اللَّهِ سے مراد وہ دن ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر انعامات فرمائے۔ (تفسیر ابن عباس ابن جریر خازن مدارک وغیرہا)

کوئی بھی مسلمان اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ حضور سرور کائنات ﷺ عالمین کے لیے رحمت بھی ہیں اور نعمت بھی“

رحمت کی دلیل تو یہ آیت ہے۔

”وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ط (الانبیاء، ۱۰۷)

ترجمہ: ”اور ہمیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر رحمت بنا کر تمام جہانوں کے لیے“

آپ کے نعمت ہونے کی دلیل یہ آیت ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَةَ اللَّهِ كُفْرًا (ابراہیم، ۲۸)

ترجمہ: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے بدلا اللہ کی نعمت کو کفر کرتے ہوئے؟

اس آیت کی تفسیر میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

مُحَمَّدٌ ﷺ نِعْمَةُ اللَّهِ (بخاری ۵۶۶/۲)

ترجمہ: ”اللہ کی نعمت سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں“

جب ثابت ہوا کہ آپ رحمت بھی اور نعمت بھی ہیں تو اللہ کی رحمت اور اللہ کی نعمت کے حصول پر ان دنوں میں شکر ادا کرنا، اظہار خوشی کرنا اور لوگوں کو ان دنوں کی عظمت و تاریخ سے آگاہ کرنا اور یاد منانا بھی قرآن مجید سے ثابت ہے ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی آیت: قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ (یونس، ۵۸)

ترجمہ: ”اے محبوب: لوگوں سے فرما دیجئے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے ملنے پر چاہیے کہ وہ خوشی کریں وہ بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔“

اس آیت میں فضل و رحمت کے حصول پر خوشی منانے اور مال خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

دوسری آیت ”وَأَمَّا نِعْمَةُ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ط (پ ۱۸۷۳۰)

ترجمہ: ”(اے محبوب ﷺ) اپنے رب کی نعمت خوب بیان کرو (یعنی عام چرچا کرو)۔“

اس آیت میں اللہ کی نعمت کا ذکر عام کرنے اور خوب چرچا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔



تیسری آیت ”وَإِذْ كَرُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ ط (آل عمران ۱۰۳)

ترجمہ: ”اور ذکر کرو اللہ کی نعمت کا جو تم پر ہوئی“

جب حضور ﷺ بلاشبہ اللہ کی نعمت ہیں تو آپ کی تشریف آوری کا اجتماع یا انفرادی طور پر ذکر کرنا قرآن حکیم سے ثابت ہوا اور اسی عمل کا نام محفل میلاد ہے۔
بحمدہ تعالیٰ مندرجہ بالا آیات مقدسہ کی روشنی میں یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ رحمتوں اور نعمتوں کے ملنے کے دن اللہ کے خاص دن ہوتے ہیں لہذا ان دنوں کی یاد تازہ کرنا حکم الہی کے عین مطابق ہے۔ اس لیے نعمت ملنے پر اس کا چرچا کرنا چاہیے۔
ثابت ہوا کہ رحمت ملنے پر خوشی منانا اور مال خرچ کرنا چاہیے نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کی تمام رحمتوں میں سے بڑی رحمت اور تمام نعمتوں میں سے اعلیٰ ترین نعمت ہیں۔

لہذا آپ کی تشریف آوری (میلاد) کا دن منانا اور اس دن ہر جائز خوشی کا اظہار کرنا یہ قرآنی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ آمد محبوب خدا اور ظہور ذات مصطفیٰ ﷺ پر جتنی بھی خوشی منائی جائے کم ہے اور قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنا بدعت نہیں برکت ہے۔

احادیث مقدسہ کی روشنی میں دن منانے کی حیثیت و افادیت

حضور ﷺ کی ولادت پر خوشی منانے سے

کافر کو بھی فائدہ ہوتا ہے۔

پہلی حدیث بخاری شریف میں ہے۔

فَلَمَّا مَاتَ أَبُو لَهَبٍ أَرِيَهُ بَعْضُ أَهْلِهِ بِشَرِّ حَبِيبَةٍ قَالَتْ لَهُ مَاذَا لَقِيتُ قَالَ

أَبُو لَهَبٍ لَمْ أَلْقَ بَعْدَكُمْ غَيْرَ أَنِّي سَقِيتُ فِي هَذِهِ بِعَتَاقَتِي ثَوْبِيَّةَ (بخاری ج ۲ ص ۷۶۳)

ترجمہ: ”جب ابولہب مر گیا تو اس کے بعض اہل (حضرت عباس رضی اللہ عنہ) نے اس

کو خواب میں بہت برے حال میں دیکھا تو پوچھا تجھ پر کیا گزری؟ ابولہب نے کہا تم سے جدا ہو کر مجھے کوئی خیر نہیں ملی سوائے اس کے کہ میں سیراب کیا جاتا ہوں کلمہ کی انگلی سے (پیر کے دن) کہ اس دن میں نے اس انگلی سے (حضور ﷺ کی پیدائش کی خوشی میں) ثویبہ (لوٹڈی) کو آزاد کیا تھا“

اس حدیث کو علامہ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری (طبع جدید) جلد ۲ صفحہ ۹۵ پر نقل فرمایا ہے۔ یہی حدیث خصائص کبریٰ جلد اول میں موجود ہے۔ نیز اسی حدیث کو امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے الحاوی للفتاویٰ جلد اول صفحہ ۱۹۶ پر نقل کیا ہے۔

اسی طرح علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری نے مختلف اقوال نقل فرما کر آخر میں اپنے قول سے بھی تائید فرمائی۔ (فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۱۹)

غور فرمائیے! ابولہب ایسا سخت کافر تھا جس کی مذمت میں قرآن کی پوری سورۃ تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ (ط) نازل ہوئی۔ وہ کافر تھا ہم مومن ہیں وہ دشمن تھا ہم غلام ہیں اس نے رسول اللہ ﷺ کے میلاد کی خوشی نہیں کی تھی بلکہ اپنے بھتیجے کی خوشی کی تھی اور ہم رسول اللہ ﷺ کے میلاد کی خوشی کرتے ہیں۔ جب دشمنوں اور کافروں کو میلاد کی خوشی کرنے سے اتنا فائدہ پہنچ سکتا ہے تو مومنوں اور غلاموں کو کتنا فائدہ پہنچے گا؟ (فافہم وندبر)

حدیث مذکورہ بالا سے میلاد کے دن کی اہمیت اور اس دن خوشی منانے کی افادیت ظاہر ہوئی۔ (فالحمد لله على ذلك)

دوسری حدیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب سرور عالم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودیوں کو عاشورہ (دس محرم) کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھ کر پوچھا تم عاشورے کا روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ دن ہمارے نزدیک نہایت مقدس و بابرکت ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ

علیہ السلام اور ان کی قوم (بنی اسرائیل) کو فرعون اور اس کی قوم کے ظلم سے نجات دلا کر فتح نصیب فرمائی تھی اس لئے ہم اس دن کو ”یادگار فتح و نجات“ سمجھتے ہیں اور تعظیماً اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ ان کے اس جواب پر حضور سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

فَنَحْنُ أَحَقُّ بِمُوسَىٰ مِنْكُمْ فَصَامَهُ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ..... الخ (بخاری ۲۶۸/۱)

ترجمہ: پس ہم تم سے زیادہ حقدار ہیں، موسیٰ علیہ السلام کی فتح و نجات کا دن منانے کے پس حضور اکرم ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔

غور فرمائیے: عاشورے کا دن بنی اسرائیل کے نزدیک بھی مبارک اور حضور ﷺ کے نزدیک بھی مبارک۔ بنی اسرائیل اس دن کی سالانہ یادگار منائیں، تعظیم کریں تو حضور ﷺ اس کو بدعت نہ فرمائیں، بلکہ خود بھی منائیں اور صحابہ کو بھی منانے کا حکم فرمائیں۔ جس دن (یوم عاشورہ) بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات ملی، اگر وہ دن منانا جائز ہے تو جس دن (یوم میلاد) بنی نوع انسان کو کفر و شرک اور ظلم و ستم سے نجات ملی، وہ دن منانا کس طرح بدعت ہو سکتا ہے؟

مندرجہ بالا دو حدیثوں سے ثابت ہوا کہ

مقدس دنوں کی یاد منانا سنت ہے، مستحب ہے، امر مستحسن اور مندوب ہے۔

اس کو بدعت کہنا سراسر زیادتی اور بے انصافی ہے۔

قرآن و حدیث کی روشنی میں صحابہ کرام و سلف صالحین کے اقوال و اعمال سے یوم میلاد منانا، محافل کرانا ذکر مصطفیٰ ﷺ کے چرچے کرنا ثابت ہے

میلاد اور قرآن حکیم

سب سے پہلے انبیاء کرام کی محفل میں (روز میثاق) حضور اکرم ﷺ کی

تشریف آوری کا ذکر خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ملاحظہ ہو)

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ..... الخ (آل عمران: ۸۱)
ترجمہ: اور (یاد کرو) جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جو کچھ دیا میں نے تم کو کتاب اور حکمت سے اور پھر آئے تمہارے پاس عظمت والا رسول جو تصدیق کرنے والا ہو اس کی جو تمہارے ساتھ ہے تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے اور اس کی ضرور مدد کرو گے۔

ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ كُفِّرَ سُلُوكُكُمْ فِيهِ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ..... الخ (آل عمران: ۸۱)
تشریف آوری کا ذکر فرمایا۔

معلوم ہوا کہ ذکر مصطفیٰ ﷺ کی پہلی محفل ”محفل انبیاء“ ہے جس میں ذکر میلاد کرنے والا اللہ تعالیٰ اور سننے والے انبیاء کرام تھے۔

اسی طرح انبیاء و مرسلین علیہم السلام اپنے اپنے دور میں حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری کے تذکرے فرماتے رہے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کی محفل عام میں حضور اکرم ﷺ کی آمد (ولادت) کا یوں چرچا فرمایا۔

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (الصف: ۶)

ترجمہ: اے لوگو! میں بشارت دیتا ہوں تم کو اس رسول کی جو میرے بعد تشریف لانے والا ہے جن کا نام پاک احمد (ﷺ) ہے۔

آپ کی آمد کا ذکر قرآن میں خود اللہ تعالیٰ نے بایں طور فرمایا۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ (التوبہ: ۱۲۸)

ترجمہ: بیشک آگئے تمہارے پاس تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے جو تمہارے خیر خواہ ہیں، مومنوں پر بہت زیادہ مہربان اور رحیم ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں اس آیت میں لَقَدْ جَاءَكُمْ کے جملے میں ولادت کا ذکر ہے اور مِنْ أَنْفُسِكُمْ کے لفظوں میں آپ کا نسب شریف اور خاندان کا بیان فرمایا گیا اور عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ میں آپ کے فضائل و خصال اور سیرت مقدسہ کا تذکرہ موجود ہے۔

بجہ تعالیٰ محفل میلاد شریف میں ہم یہی کچھ بیان کرتے ہیں جو کچھ قرآن مجید میں خود اللہ رب العزت نے بیان فرمایا۔

ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کی آمد کے تذکرے اور ذکر مصطفیٰ ﷺ کے چرچے کرنے اور محافل میلاد منعقد کروانے کی اصل قرآن کریم سے ثابت ہے۔ اس عمل کو بدعت کہنے والے عبرت حاصل کریں۔ ”فاعتبروا یا اولی الابصار“

میلاد النبی ﷺ اور حدیث

خود حضور ﷺ نے اپنا میلاد منایا

پہلی حدیث حدیث شریف میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ ہر سوموار کے دن روزہ رکھا کرتے تھے۔

”سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ صَوْمِ الْاِثْنَيْنِ فَقَالَ فِيهِ وَلِدْتُ وَفِيهِ اُنْزِلَ عَلَيَّ..... الخ (مشکوٰۃ ص ۷۹ کتاب الصوم)

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ سے پیر کے دن کے روزے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اسی دن میں پیدا ہوا اور اسی دن مجھ پر وحی کی ابتداء ہوئی۔

الحمد للہ! اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

..... ۱ پیر کا روزہ اس لئے سنت ہے کہ یہ دن حضور ﷺ کی ولادت شریفہ کا دن ہے

..... ۲ حضور ﷺ نے پیر کے روزے کا اہتمام فرما کر خود اپنی ولادت کی یاد منائی

..... ۳ امت کے لیے یوم ولادت کی اہمیت و فضیلت ظاہر فرمائی۔

۴..... دن مقرر کر کے یادگار منانا سنت نبوی ﷺ ہے۔

۵..... ولادت کی خوشی میں ”عبادت“ کرنا سنت ہے۔

(عبادت خواہ بدنی ہو جیسے روزہ اور نوافل) خواہ مالی ہو (جیسے صدقہ خیرات و تقسیم شیرینی وغیرہ)

غرضیکہ حضور ﷺ کے میلاد کی خوشی منانا جائز طریقے سے مال خرچ کرنا، اظہار شکر کے لیے دعا، عبادت، تلاوت، نعت وغیرہ سب مستحسن امور ہیں۔

دوسری حدیث: فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ مَنْ أَنَا..... الخ
(مشکوٰۃ ص ۵۱۳ باب فضائل سید المرسلین)

ترجمہ: سرور دو عالم ﷺ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا بتاؤ میں کون ہوں؟ سب نے عرض کیا آپ اللہ کے رسول ہیں (ﷺ)۔ فرمایا میں محمد ہوں، عبد اللہ کا بیٹا ہوں، عبد المطلب کا پوتا ہوں۔ اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے اچھے گروہ میں پیدا کے (یعنی انسان بنایا) انسانوں میں دو گروہ پیدا کئے (عرب و عجم) اور مجھے اچھے گروہ (عرب) سے بنایا، پھر عرب میں کئی قبیلے بنائے اور مجھ کو سب سے اچھے قبیلے (قریش) میں بنایا پھر قریش میں کئی خاندان بنائے اور مجھ کو سب سے اچھے خاندان (بنو ہاشم) میں پیدا کیا۔ پس میں ذاتی طور پر بھی سب سے اچھا ہوں اور خاندانی لحاظ سے بھی سب سے اچھا ہوں۔

تیسری حدیث: حضور ﷺ نے صحابہ کرام کی محفل میں اپنا میلاد یوں سنایا،

سَأَخْبِرُكُمْ بِأَوَّلِ أَمْرِي دَعْوَةُ إِبْرَاهِيمَ وَبَشَارَةُ عِيسَى وَرُؤْيَا أُمِّي الَّتِي رَأَتْ حِينَ وَضَعْتَنِي وَقَدْ خَرَجَ لَهَا نُورٌ أَضَاءَ لَهَا مِنْهُ قُصُورُ الشَّامِ..... الخ (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین ص ۵۱۳)

ترجمہ: یعنی میں تم کو اپنے ابتدائی معاملات کی خبر دیتا ہوں۔ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری ہوں اور میں اپنی والدہ کا وہ چشم دید منظر ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا کہ انکے جسم پاک سے

ایک ایسا نور نکلا جس کی روشنی میں انہیں شام کے محلات نظر آ گئے۔

ثابت ہوا : کہ حضور ﷺ نے صحابہ کے اجتماع میں خود اپنی محفل میلاد منعقد فرمائی اور اپنی ولادت، اپنا حسب نسب، اپنی خاندانی شرافت اور طہارت کا بیان فرما کر اپنی امت کو بھی میلاد منانے کی ترغیب دلائی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی حضور ﷺ کا

میلاد پڑھتے اور مناتے تھے۔

پہلی حدیث حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ مجھے حضور ﷺ کی وہ نعت سناؤ جو تورات میں ہے تو انہوں نے پڑھ کر سنائی۔

قُلْتُ أَخْبِرْنِي عَنْ صِفَةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي التَّوْرَةِ قَالَ
أَجَلٌ..... الخ (مشکوٰۃ ص ۵۱۲ باب فضائل سید المرسلین)

دوسری حدیث حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی شان میں نعتیہ قصیدے لکھے اور پڑھے، حضور ﷺ نے ان پر اظہار خوشنودی فرمایا اور ان کے لیے یوں دعا مانگی۔

اللَّهُمَّ آيِدْهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ (بخاری ۶۵۱۱)

ترجمہ: اے اللہ (حسان) کی مدد فرما، روح القدس کے ساتھ۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے نعتیہ قصیدہ کے دو اشعار درج ذیل ہیں۔

وَأَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرْقُطْ عَيْنِي

وَأَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءَ

خُلِقْتَ مُبْرَأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ

كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

ان نعتیہ اشعار میں حضور ﷺ کی ولادت اور بے عیب خلقت کا ذکر ہے۔
گویا یہ قصیدہ میلاد النبی ﷺ کے موضوع پر ہے۔

تیسری حدیث حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے قصیدے میں حضور ﷺ کا میلاد پڑھا قصیدے کے آخری دو شعر ملاحظہ ہوں

وَ أَنْتَ لَمَّا وَلِدْتَ أَشْرَقَتْ

الْأَرْضُ وَضَاءَتْ بِنُورِكَ الْأَفْقُ

فَنَحْنُ فِي ذَالِكَ الضِّيَاءِ وَ فِي

النُّورِ وَ سُبُلَ الرِّشَادِ نَخْتَرِقُ (کافی التتویر)

ترجمہ: یا رسول اللہ ﷺ! جب آپ کی ولادت ہوئی تو آپ کے نور سے تمام زمین روشن ہو گئی اور آپ کے نور سے تمام آسمانی فضا میں پر نور ہو گئیں پس ہم اسی نور میں رشد و ہدایت کے راستوں پر چل رہے ہیں۔

چوتھی حدیث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ عمر میں بڑے ہیں یا نبی اکرم ﷺ۔ تو انہوں نے جواب دیا ”رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَكْبَرُ مِنِّي وَأَنَا أَقْدَمُ فِي الْمِيلَادِ“ یعنی بڑے تو حضور ﷺ ہی ہیں اور میں میلاد النبی سے پہلے ہوں۔ (ترمذی ص ۲۰۲ حصہ دوم باب ماجاء فی میلاد النبی)

اسی طرح دیگر صحابہ کرام بھی وقتاً فوقتاً ذکر ولادت رسول ﷺ کرتے رہے اسی چیز کا نام محفل میلاد ہے۔

میلاد منانا ہمیشہ سے امت کے

جلیل القدر بزرگوں کا معمول رہا ہے۔

✽ حضرت شیخ شہاب الدین احمد قسطلانی (شارح بخاری) مواہب اللدنیہ (جلد اول ص ۲۷ مطبوعہ مصر) میں تحریر فرماتے ہیں۔

”وَلَا زَالَ أَهْلُ الْإِسْلَامِ يَحْتَفِلُونَ بِشَهْرِ مَوْلِدِهِ ﷺ“

ترجمہ: حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی میں اہل اسلام ہمیشہ سے محافل میلاد منعقد کرتے چلے آئے ہیں۔

✽ امام قسطلانی اور ان کی اس کتاب کے متعلق حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

”ان کا وعظ سننے کے لیے دنیا سمٹی تھی وہ اپنے وقت کے بے نظیر عالم تھے چنانچہ مواہب اللدنیہ انہی کی تصنیف ہے جو اپنے باب میں لاثانی ہے۔

(بستان المحمدین اردو ترجمہ مولوی عبدالسمیع دیوبندی ص ۳۱۸)

میلاد کے متعلق

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا فرمان

دیگر درباب مولود خوانی اندراج یافتہ بود در نفس قرآن خواندن بصوت حسن و در قصائد نعت و منقبت خواندن چہ مضائقہ است؟ (مکتوبات شریفہ دفتر سوم مکتوب ۷۲)

نیز آپ نے مولود خوانی کے بارے میں لکھا تھا تو محفل میلاد میں اچھی آواز سے قرآن پڑھنے اور نعت و منقبت کے قصیدے پڑھنے میں کیا مضائقہ ہے؟

حضرت قبلہ پیر سید مہر علی شاہ علیہ الرحمۃ گولڑوی کا فتویٰ

حضرت گولڑوی اپنے ایک فتویٰ میں فرماتے ہیں۔

”مسلمانوں کے لیے خوشی میلاد (جلوس وغیرہ) جائز ہے۔ (فتاویٰ مہرے ص ۱۸)

علماء دیوبند کے پیرومرشد

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمۃ کا فیصلہ

مشرّب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف ولذت پاتا ہوں۔ (کلیات امدادیہ فیصلہ مفت مسئلہ) فرمایا کہ میلاد شریف تمامی اہل حریمین کرتے ہیں۔ اسی قدر ہمارے واسطے حجت کافی ہے۔ (شائم امدادیہ ص ۴۷)

میلاد کے متعلق

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کا عقیدہ و عمل

حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کے متعلق حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اپنے ایک مکتوب میں یہ اظہار خیال فرمایا ہے کہ 'آپ کا وجود ضعف اسلام کے زمانے میں اہل اسلام کے لیے غنیمت ہے نیز مخالفین کے پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی افاضات یومیہ میں لکھتے ہیں کہ 'حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ بہت بڑے شیخ ہیں۔ ظاہر کے بھی باطن کے بھی۔'

اب حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا عقیدہ میلاد شریف کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں۔

وَلَا زَالَ أَهْلُ الْإِسْلَامِ يَحْتَفِلُونَ بِشَهْرِ مَوْلِدِهِ ﷺ (مَآثِبُ بِالسُّنَّةِ ص ۷۹)

ترجمہ: اور اہل اسلام ہمیشہ میلاد کے مہینے میں محفلیں منعقد کرتے رہے۔

مدارج النبوت جلد دوم میں ابولہب کے لونڈی آزاد کرنے کے واقعہ کو بیان فرما کر فرماتے ہیں۔

"دریں جاسند یست مراہل موالید را کہ در شب میلاد سرور کنند و بذل اموال نمایند انخ"

یعنی اس واقعہ میں میلاد منانے والوں کے لیے سند اور دلیل ہے جو کہ حضور ﷺ کی شب ولادت میں خوشی مناتے اور مال خرچ کرتے ہیں۔

حضرت شیخ محقق اپنی کتاب ”اخبار الاخیار“ کے آخر میں بارگاہ خداوندی میں مناجات کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں۔

دعا

ترجمہ: ”اے اللہ میرا کوئی عمل ایسا نہیں جسے آپ کے دربار میں پیش کرنے کے لائق سمجھوں، میرے تمام اعمال میں فساد نیت موجود رہتا ہے۔ البتہ مجھ فقیر کا ایک عمل تیری ذات پاک کی عنایت کی وجہ سے بہت شاندار ہے اور وہ یہ ہے کہ مجلس میلاد کے موقعہ پر میں کھڑے ہو کر سلام پڑھتا ہوں۔ (اخبار الاخیار فارسی صفحہ ۳۲۰)

حضرت شاہ ولی محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کا مکاشفہ

آپ فرماتے ہیں کہ

میں مکہ معظمہ میں میلاد کے روز حضور ﷺ کے مولد مبارک میں تھا۔ اس وقت لوگ آپ پر درود شریف پڑھتے تھے اور آپ کی ولادت کا ذکر کرتے اور وہ معجزات بیان کرتے تھے جو آپ کی ولادت کے وقت ظاہر ہوئے تھے۔ میں نے اس مجلس میں انوار و برکات دیکھے۔

”فَتَأَمَّلْتُ تِلْكَ الْأَنْوَارَ فَوَجَدْتُهَا مِنْ قِبَلِ الْمَلَائِكَةِ

الْمُتَوَكِّلِينَ بِأَمْثَالِ هَذِهِ الْمَشَاهِدِ“ الخ

ترجمہ: پس میں نے تامل کیا تو معلوم ہوا کہ یہ انوار ان فرشتوں کے ہیں جو ایسی مجالس و مشاہد پر مقرر ہوتے ہیں۔ (فیوض الحرمین ص ۲۷)

قطب الواصلین حضرت شاہ احمد سعید نقشبندی مجددی دہلوی علیہ الرحمۃ کا فرمان

مے فرمودند کہ خواندن مولود شریف و قیام نزدیک ذکر ولادت باسعادت مستحب است“ (مقامات سعیدیہ و مناقب احمدیہ صفحہ ۱۲۵)
ترجمہ: آپ فرمایا کرتے تھے کہ میلاد شریف کا پڑھنا اور ولادت باسعادت کے ذکر کے وقت قیام کرنا مستحب ہے۔

فرائین کرام! غور فرمائیں

کہ میلاد شریف کا عمل قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ پھر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، سلف صالحین، اولیاء کرام اور علماء و محدثین سے مسلسل میلاد منانا ثابت ہے بعض غیر ذمہ دار حضرات کا یہ قول کہ ”میلاد کے بانی عمر بن ملا محمد موصلی اور سلطان اربل ہیں“ حقیقت کے بالکل برعکس ہے۔

غور فرمائیے مندرجہ بالا اقتباسات کے پیش نظریہ تمام بزرگان دین (میلاد شریف منانے والے) کیا مشرک و بدعتی تھے؟

تعجب ہے

محافل میلاد شریف قیام و سلام اور جلوس عید میلاد النبی ﷺ کو شرک و بدعت قرار دینے والے لوگ خدا سے ڈرتے کیوں نہیں؟ ان لوگوں کی طرف سے فحاشی، عیاشی، سینما بنی، رقص و سرود، سود و رشوت اور فرنگی تہذیب کے مہلک اثرات اور متعدی سیئات و بدعات کے خلاف کبھی کوئی مؤثر اقدام، اہتمام اور پمفلٹ وغیرہ دیکھنے میں نہیں آتا۔

مگر

شان رسالت، عظمت ولایت، ذکر ولادت اور مسلمانان اہل سنت سے ان



کی دشمنی و نفرت کا یہ عالم ہے کہ جب عید میلاد النبی ﷺ کا مبارک موقع آتا ہے تو ان کی نام نہاد رگ تو حید پھڑک اٹھتی ہے۔ اور

ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ

ان کے نزدیک جشن دارالعلوم دیوبند تو جائز ہے لیکن جشن عید میلاد النبی ﷺ بدعت ہے۔

یوم (مفتی) محمود تو جائز ہے، یوم مولودنا جائز ہے۔

سیرت کے جلسے تو درست ہیں مگر ولادت کے جلسے درست نہیں۔

آخر انہیں نبی کریم ﷺ کی عظمت و شان سے ضد کیوں ہے؟

اپنے مولویوں کا استقبال و جلوس، سالانہ اجتماعات و کانفرنسیں، یوم عثمانی، یوم عطاء اللہ بخاری، احمد علی کی سالانہ برسی، کافرہ و مشرکہ اندرا گاندھی کی جشن دیوبند میں صدارت و تعظیم، گاندھی و کانگریس کے جلسوں و جلوسوں میں شرکت، مس فاطمہ جناح کے جلسوں و جلسے اور قرآن و حدیث کے خلاف انہیں سربراہ مملکت بنانے کی کوششیں، دیوبند میں سابق صدر بھارت راجندر پرشاد کے ”نعرے و استقبال اور نجد میں مرحبا نہر و رسول السلام“ کے نعرے و جلوس (معاذ اللہ)، یوم شوکت اسلام اور غلاف کعبہ کے جلوس، یہ سب جائز و عین تو حید ہیں۔

مگر پیارے محبوب، تاجدار مدینہ ﷺ کی تشریف آوری کی خوشی اور آپ کی عظمت و شوکت کے مظاہرے کے لیے منعقد ہونے والے تمام جلسے و جلوس بدعت و ناجائز ہیں (ولاحول ولاقوة الا باللہ)

حالانکہ پاکستانی عوام اچھی طرح جانتے ہیں کہ بھٹو حکومت کے خلاف ”قومی اتحاد“ کے سلسلے میں تمام دیوبندی اہلحدیث علماء و عوام عید میلاد کے جلسوں اور جلوسوں میں باقاعدہ شریک ہوتے رہے ہیں، ختمات شریفہ کی شیرینیاں کھاتے

رہے مزارات مقدسہ پر حاضریاں دیتے رہے چادریں چڑھاتے رہے
کیا یہ سب کچھ بدعت اور ناجائز سمجھ کر کرتے رہے ہیں یا (اقتدار کے لالچ
میں اپنا مسلک و عقیدہ بدل کر) جائز اور سنت سمجھ کر؟
ع الجھٹا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں

یوم ولادت اور یوم وصال کی تحقیق

مخالفین کی عادت ہے کہ تقریباً ہر سال عید میلاد النبی ﷺ کے مبارک
و مسعود موقعہ پر مسلمانان اہل سنت کے خلاف غیظ و غضب کا اظہار شروع کر دیتے ہیں
اور امن عامہ و استحکام ملکی کے خلاف فتنہ و فساد کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔

اس سال (1984) عید قربان کے موقعہ پر گوجرانوالہ کے اہلحدیث
حضرات کی طرف سے ایک پمفلٹ مشائع کیا گیا، جس میں عید میلاد النبی ﷺ کو شرک
و بدعت قرار دیا گیا اس پمفلٹ میں کوئی خاص قابل ذکر بات تو موجود نہیں البتہ ایک
مغالطہ دینے کی کوشش کی گئی ہے جس کا جواب اور رد ہماری مذہبی ذمہ داری ہے۔
چنانچہ اس پمفلٹ میں سارا زور اس بات پر صرف کیا گیا ہے کہ

”بارہ ربیع الاول باتفاق اہل اسلام حضور ﷺ کا یوم وفات ہے نہ
کہ یوم ولادت! چونکہ حضور کی وفات کے دن صحابہ و اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین
انتہائی غمزدہ تھے لہذا اس تاریخ کو خوشی کا اظہار کرنا ان کے زخموں پر نمک پاشی کے
مترادف ہے۔“

گویا ان کے نزدیک بارہ ربیع الاول کا یوم ولادت ہونا مشکوک اور یوم
وفات ہونا یقینی ہے۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ !

تاریخ ولادت میں معمولی اختلاف کے باوجود جمہور محققین و اکثر علمائے امت کے نزدیک حضور ﷺ کا یوم ولادت بارہ ربیع الاول ہی ہے اور اسی پر امت کا عمل و تعامل ہے اور امت کا تعامل بجائے خود دلیل ہے۔

چونکہ شریعت مطہرہ میں بطور شکر یہ یادگار و خوشی منانا جائز اور مستحسن ہے لیکن تین دن سے زیادہ سوگ منانا منع ہے۔ اسلئے اہل اسلام و علمائے امت نے ہمیشہ یوم ولادت منایا ہے بطور سوگ و غم یوم وفات منانا ہرگز ثابت نہیں ہوا۔

ہم حیات النبی ﷺ کے قائل ہیں زندہ کا سوگ و غم منانا عقل و دیانت کے خلاف ہے اگر مخالفین کے نزدیک بارہ ربیع الاول ولادت کا نہیں بلکہ وفات کا دن ہے

تو وہ یہ دن بطور یوم وفات ہی منالیا کریں۔ لیکن وہ بیچارے

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

اب آئیے! آئمہ اسلام سے دریافت کریں کہ بارہ ربیع الاول حضور سید

عالم نور مجسم احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ولادت کا دن ہے یا وفات کا؟

پہلے یوم وفات کے بارے میں تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔

قول اول

وفات رسول ﷺ یکم ربیع الاول کو ہوئی

”قَالَ يَعْقُوبُ بْنُ سَفْيَانَ عَنْ يَحْيَى بْنِ بُكَيْرٍ عَنِ اللَّيْثِ

أَنَّهُ قَالَ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ لَيْلَةَ خَلَتْ مِنْ رُبْعِ الْاَوَّلِ“

ترجمہ: روایت کیا یعقوب بن سفیان نے یحییٰ بن بکیر سے انہوں نے لیث سے

انہوں نے کہا کہ وفات پائی رسول پاک ﷺ نے پیر کے دن ربیع الاول کی پہلی رات گزرنے پر۔

وَقَالَ فَضْلُ ابْنِ دُكَيْنٍ تُوْفِيَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ مُسْتَهْلَ رَبِيعِ الْاَوَّلِ

ترجمہ: کہا فضل ابن دکین نے وفات پائی رسول خدا ﷺ نے ربیع الاول کا چاند چڑھتے ہی پیر کے دن۔ (البدایہ والنہایہ)

قول دوم

وفات رسول ﷺ دو ربیع الاول کو ہوئی

قَالَ الْبَيْهَقِيُّ اَنْبَاءَنَا أَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ قَالَ اَنْبَاءَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ (اِلَى اَخْرِ السَّنَدِ) وَكَانَ اَوَّلُ يَوْمٍ مَرِضَ يَوْمَ السَّبْتِ وَكَانَتْ وِفَاتُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ لَيْلَتَيْنِ خَلَتَا مِنْ شَهْرِ رَبِيعِ الْاَوَّلِ

ترجمہ: کہا امام بیہقی نے ہمیں ابو عبد اللہ حافظ نے خبر دی انہوں نے کہا ہمیں احمد بن حنبل نے خبر دی (سند کے آخر تک) اور پہلے دن جب حضور ﷺ بیمار ہوئے ہفتے کا دن تھا اور آپ کی وفات پیر کے دن ربیع الاول کی دو راتیں گزرنے پر ہوئی۔

(البدایہ والنہایہ)

قَالَ الْوَاقِدِيُّ وَقَالَ سَعْدُ بْنُ زُهْرِي تُوْفِيَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ لَيْلَتَيْنِ خَلَتَا مِنْ رَبِيعِ الْاَوَّلِ (وَرَوَاهُ الْوَاقِدِيُّ عَنْ اَبِي مَعْشَرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ قَيْسٍ)

ترجمہ: کہا واقدی نے اور کہا سعد بن زہری نے کہ وفات پائی رسول ﷺ نے پیر کے دن ربیع الاول کی دو راتیں گزرنے پر۔

قول سوم

وفات رسول ﷺ دس ربیع الاول کو ہوئی

”عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَمَاتَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ لِعَشْرِ خَلَوْنَ مِنْ رَبِيعِ الْاَوَّلِ (البدایہ والنہایہ)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فوت ہوئے رسول اللہ ﷺ پیر کے دن ربیع الاول کے دس دن گزرنے پر۔

قول چہارم

وفات رسول ﷺ بارہ ربیع الاول کو ہوئی

وفات رسول ﷺ بارہ ربیع الاول کو ہوئی۔ یہ قول محمد ابن اسحاق کا ہے۔

(البدایہ والنہایہ جلد پنجم صفحہ ۲۵۲، ۲۵۵، ۲۵۶)

مذکورہ بالا آئمہ اسلام کے اقوال آپ نے ملاحظہ فرمائے جن میں وفات رسول ﷺ کے متعلق بعض ائمہ نے فرمایا کہ تاریخ وفات یکم ربیع الاول ہے۔ بعض ائمہ نے فرمایا تاریخ وفات دو ربیع الاول ہے۔ بعض ائمہ نے فرمایا کہ تاریخ وفات دس ربیع الاول کو ہوئی۔

محمد بن اسحاق کی ایک روایت میں وفات رسول ﷺ بارہ ربیع الاول کو بیان کی گئی ہے۔

مخالفین کہتے ہیں کہ اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وفات رسول ﷺ بارہ ربیع الاول کو ہوئی۔

لیکن روایات بالا پڑھ کر آپ کو معلوم ہو چکا ہوگا کہ صرف ایک روایت میں بارہ ربیع الاول کو تاریخ وفات بتائی گئی ہے اور آٹھ روایات اس کے برعکس ہیں۔

اب آخر میں مشہور سیرت نگار امام ابوالقاسم سہیلی علیہ الرحمۃ کا فیصلہ سنئے۔ آپ

فرماتے ہیں

”لا يتصور وقوع وفاته عليه السلام يوم الاثنين ثاني عشر ربيع الاول من سنة احدى عشر و ذالك لانه عليه السلام وقف في حجة الوداع سنة عشر يوم الجمعة فكان اول ذى الحجة يوم الخميس فعلى تقدير ان تحسب الشهور تامة او ناقصة او بعضها تام وبعضها ناقص لا يتصور ان يكون يوم الاثنين ثاني عشر ربيع الاول“ ترجمہ: یعنی حضور ﷺ کی وفات بارہ ربیع الاول کو کسی صورت میں بھی صحیح نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ امر مسلم ہے کہ حضور ﷺ کی وفات ربیع الاول ۱۱ھ بروز سوموار ہوئی اور ۱۰ھ کا حج یعنی حجۃ الوداع بروز جمعہ ہوا۔

پس اس حساب سے ذی الحجہ کی پہلی تاریخ بروز خمیس (جمعرات) بنتی ہے۔ اس کے آگے ربیع الاول تک تمام مہینے میں دن کے شمار کریں یا انتیس دن کے۔ یا بعض تیس کے اور انتیس کے کسی صورت میں بھی بارہ ربیع الاول کو سوموار کا دن ہو ہی نہیں سکتا۔ پس روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضور ﷺ کی وفات ربیع الاول کی اور جوئی تاریخ میں بھی ہو بارہ ربیع الاول کو ہرگز نہیں کیونکہ یہ کسی بھی حساب سے درست نہیں۔

بارہ ربیع الاول یوم وفات نہیں ہے

چنانچہ علماء دیوبند کے پیشوا مولانا اشرف علی تھانوی (نثر الطیب ص ۲۰۳) پر رقم طراز ہیں۔

”اور وفات آپ کی شروع ربیع الاول سنہ دس ہجری روز دوشنبہ کو قبل زوال یا بعد زوال آفتاب ہوئی“ اس کے بعد حاشیے پر لکھا ہے۔

اور تاریخ کی تحقیق نہیں ہوئی اور بارہویں جو مشہور ہے وہ حساب درست نہیں ہوتا کیونکہ اس سال ذی الحجہ کی نویں جمعہ کی تھی اور یوم وفات دوشنبہ ثابت ہے

پس جمعہ کو نویں ذی الحجہ ہو کر بارہ ربیع الاول دوشنبہ کو کسی طرح نہیں ہو سکتی۔“
 اس تحقیق کی روشنی میں مخالفین کا یہ کہنا غلط ثابت ہوا کہ بارہ ربیع الاول کو حضور ﷺ کی وفات کی وجہ سے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) غمزدہ تھے۔
 اور یہ بھی ثابت ہوا کہ بارہ ربیع الاول بالاتفاق یوم وفات نہیں ہے۔ البتہ بارہ ربیع الاول کے یوم ولادت ہونے پر امت کی اکثریت متفق ہے۔ جمہور محققین، مؤرخین اور امت کی اکثریت کا اتفاق ہے کہ یوم ولادت بارہ ربیع الاول روز دوشنبہ (سوموار) ہے۔
 اس سلسلہ میں گوروايات مختلف ہیں مگر مشہور ترین قول کے مطابق جملہ اہل اسلام کے نزدیک قرن اول سے لے کر آج تک بارہ ربیع الاول ہی یوم ولادت ہے۔

بارہ ربیع الاول تاریخ ولادت ہے

(حوالہ جات ملاحظہ فرمائیے۔!)

حضرت امام بیہقی، امام قسطلانی اور

محدث دہلوی علیہم الرحمۃ کے اقوال

چنانچہ امام ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب دلائل النبوت میں تحریر کرتے ہیں۔

”وُلِدَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ عَامَ الْفِيلِ لِاِثْنَتَيْ عَشْرَةَ لَيْلَةً

مَضَتْ مِنْ شَهْرِ رَبِيعِ الْاَوَّلِ“

ترجمہ: رسول کریم ﷺ کی ولادت سوموار کے دن عام فیل میں ماہ ربیع الاول کی بارہویں رات گزرنے پر ہوئی۔

اسی طرح امام احمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ (شارح بخاری) زرقانی علی المواہب جلد اول ص ۱۳۲ میں فرماتے ہیں۔

”وَالْمَشْهُورُ أَنَّهُ ﷺ وَلِدَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ ثَانِي عَشَرَ ربيع الأول وَعَلَيْهِ أَهْلُ مَكَّةَ قَدِيمًا وَحَدِيثًا وَفِي زِيَارَتِهِمْ مَوْضِعُ مَوْلِدِهِ فِي هَذَا الْوَقْتِ“

ترجمہ: مشہور قول یہی ہے کہ پیر کے دن بارہ ربیع الاول کو حضور ﷺ کی ولادت شریفہ ہوئی اسی بات پر تمام اہل مکہ اگلے پچھلے متفق ہیں کہ وہ آج تک بارہ ربیع الاول کو حضور ﷺ کے مقام ولادت کی زیارت کرتے ہیں

چونکہ حضور ﷺ کی ولادت مکہ مکرمہ میں ہوئی لہذا تاریخ ولادت کے معاملہ میں انکی بات کو ترجیح دینا تقاضائے عقل کے عین مطابق ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے مدارج النبوت میں سب سے پہلا یہ قول نقل کیا ہے کہ ولادت نبوی ﷺ بارہ ربیع الاول کو ہوئی۔ بعض اوراق وال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

”قول اول اشہر واكثر است وعمل اہل مکہ بریں است زیارت کردن ایشان موضع ولادت را دریں شب وخواندن مولود“

ترجمہ: اکثر اہل اسلام کے درمیان مشہور ترین قول یہی ہے کہ آپ کی ولادت بارہ ربیع الاول کو ہوئی۔ اہل مکہ کا اسی پر عمل ہے کہ وہ بارہ ربیع الاول کی رات کو حضور ﷺ کی جائے ولادت کی زیارت کرتے ہیں اور اس رات کو مولود خوانی کرتے ہیں۔

اب ناظرین خود فیصلہ فرمائیں کہ ولادت کی تاریخ میں مکہ والوں کی بات معتبر ہے یا گوجرانوالہ امرتسر اور روپڑ والوں کی؟

مسلم شریف کی ایک حدیث ملاحظہ ہو!

حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے یہودیوں کو دیکھا کہ وہ دس محرم کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم اس تاریخ کو روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ یہ وہ دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے

شر سے نجات دی تھی اور فرعون غرق ہوا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ حق دار ہیں لہذا ہم بھی اس تاریخ کو روزہ رکھیں گے۔ چنانچہ آپ نے مشہور بین الیہود تاریخ کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فتح کا دن منایا۔ (مسلم شریف) حدیث بالا سے ثابت ہوا کہ کسی بزرگ کا دن منانا ہو تو اس کے ماننے والوں میں جو تاریخ مشہور ہو اسی تاریخ کو منانا چاہیے۔ اس سلسلے میں حضور ﷺ کو اہل یہود کی شہرت کو بھی کافی جانتے ہیں مگر مخالفین میلاد اہل اسلام کی شہرت کو بھی نا کافی تصور کرتے ہیں اور حدیث رسول ﷺ کی کھلی خلاف ورزی کے باوجود پھر بھی اپنے آپ کو اہل حدیث کہلانے پر مصر ہیں (فیاللعجب)

❁ بارہ ربیع الاول کو ولادت رسول ﷺ کی شہرت یوں ہی نہیں ہوئی ملاحظہ ہو!

”أَوَقِيلَ اِثْنَتَى عَشْرَةَ خَلْتُ مِنْهُ نَصَّ عَلَيْهِ ابْنُ اسْحَاقَ“

ترجمہ: یعنی حضور ﷺ کی ولادت باسعادت بارہ ربیع الاول کو ہونے پر ابن اسحاق نے نص کی ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۲ صفحہ ۲۶۰)

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَجَابِرٍ أَنَّهُ وُلِدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الثَّانِي عَشَرَ مِنْ رَبِيعِ الْأَوَّلِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ (البدایہ والنہایہ جلد ۳ صفحہ ۶)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت بارہ ربیع الاول کو ہوئی۔

مکہ والے کہتے ہیں کہ ولادت باسعادت بارہ ربیع الاول کو ہوئی اور گھر والے بھی کہتے ہیں کہ ولادت بارہ ربیع الاول کو ہوئی لیکن مخالفین بدستور ضد بازی سے کام لے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے۔

مزید حوالہ جات ملاحظہ ہوں

علامہ محمد بن جریر طبری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضرت رسالت مآب ﷺ

کی ولادت پیر کے دن بارہ ربیع الاول کو ہوئی۔ (تاریخ طبری جلد سوم ص ۳۳۹)

✽ علامہ محمد بن اسحاق مطہری علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی ولادت بارہ

ربیع الاول سنہ عام الفیل میں دوشنبہ کے دن ہوئی۔ (سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۵۳)

✽ تاریخ ابن خلدون جلد اول ص ۲۸۹ میں ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت بارہ ربیع

الاول سنہ عام الفیل میں اس وقت ہوئی جب نوشیرواں کی حکومت کا چالیسواں سال تھا۔

✽ حضرت مولانا عبدالرحمن جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

”ولادت وے ﷺ روز دوشنبہ دوازدهم ربیع الاول“

یعنی حضور کی ولادت پیر کے دن بارہ ربیع الاول کو ہوئی۔ (شواہد النبوة ص ۲۲)

✽ اسعاف الراغبین بر حاشیہ نور الا بصر جلد اول ص ۶ (مطبوعہ

مصر) میں ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت دوشنبہ کے دن بارہ ربیع الاول کو صبح کے وقت

ہوئی۔

✽ عجائب القصص (علامہ عبدالواحد حنفی) ص ۲۳۷ مطبوعہ نول کشور میں

ہے کہ حضور ﷺ بارہ ربیع الاول کو دوشنبہ کے دن پیدا ہوئے۔

✽ کتاب سیرت پاک شائع کردہ ادارہ مطبوعات پاکستان کے ص ۱۷۵ میں ہے کہ

”یہ صحیح ہے کہ ربیع الاول میں ہی حضور ﷺ کی وفات ہوئی اور ربیع الاول ہی

میں ولادت ہوئی۔ ولادت کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ تاہم اگر بارہویں کو تاریخ

ولادت مان لی جائے تو کوئی تاریخی قباحت لازم نہیں آتی، لیکن بارہویں کو وفات ماننا

تو عقلاً و نقلاً ہر طرح غلط ہے۔“

علماء اہلحدیث کے نزدیک تاریخ ولادت بارہ ربیع الاول ہے

غیر مقلدین (اہل حدیث) کے پیشوا نواب صدیق حسن خاں بھوپالوی

نے اپنی تصنیف ”الشمامۃ العنبریہ“ ص ۷۷ میں لکھا ہے کہ

”ولادت شریف“ مکہ مکرمہ میں وقت طلوع فجر کے روز دوشنبہ شب دواز
دہم ربیع الاول عام فیل کو ہوئی۔ جمہور علماء کا قول یہی ہے۔ ابن الجوزی نے اس پر
اتفاق نقل کیا ہے۔

علماء دیوبند کے نزدیک تاریخ ولادت ۸ یا ۱۲ ربیع الاول ہے

مولوی اشرف علی تھانوی (دیوبندی) اپنی کتاب ”نشر الطیب“ کی
ساتویں فصل میں لکھتے ہیں۔

”یوم تاریخ سب کا اتفاق ہے کہ یوم دوشنبہ تھا اور تاریخ میں اختلاف ہے
آٹھویں ہے یا بارہویں۔ (کذا فی الشمامہ)

گذشتہ اوراق میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ بارہ ربیع الاول کو رسول اللہ ﷺ
کی وفات نہیں ہوئی۔

لہذا صحابہ کرام و اہل بیت (رضی اللہ عنہم) عظام بارہ ربیع الاول کو نہ تو غم زدہ ہوئے
اور نہ روئے۔ ”اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ بارہ ربیع الاول کو کون روایا تھا۔

امام ابوالقاسم سہیلی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ابلیس چار مرتبہ رویا ہے۔

حِیْنَ لَعِنَ وَحِیْنَ اُھْبِطَ وَحِیْنَ وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَحِیْنَ نَزَلَتْ فَاتِحَةُ
ترجمہ: ابلیس اپنی زندگی میں چار بار رویا (پہلی بار) اس وقت جب اس پر لعنت کی
گئی اور پھر (دوسری بار) جب اس کو راندہ درگاہ کیا گیا اور پھر (تیسری بار) جب
حضور ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی اور (چوتھی بار) جب سورۃ فاتحہ اتاری گئی۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۲۶۶)

”یہی روایت خصائص کبریٰ جلد اول صفحہ ۱۱۰ پر بھی موجود ہیں“

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جو کہ حضور ﷺ کے کنبہ کے فرد اور چچا
زاد بھائی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ بارہ ربیع الاول کو حضور کی ولادت ہوئی اور امام سہیلی

و دیگر علماء محدثین فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی ولادت کے دن شیطان رویا تھا۔

اب بارہ ربیع الاول کو غم کا دن کہہ کر شریک غم ہونے والے خود سوچ لیں کہ وہ کس کے شریک غم ہیں۔

بصورت دیگر: اگر مان بھی لیا جائے کہ بارہ ربیع الاول یوم وصال ہے تو پھر بھی اس دن جلوس اور محفل میلاد کا اہتمام کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ مقبولان بارگاہ خداوندی کے وصال کا دن خوشی اور عرس کا دن ہوتا ہے کہ وہ اس دن دنیا کے قید خانے سے نکل کر اپنے محبوب حقیقی سے واصل ہوتے ہیں۔ لہذا محبوب سے وصال کے دن خوشی ہوتی ہے نہ کہ غم۔

ہو سکتا ہے کہ یوم ولادت ہی کے یوم وصال ہونے میں یہ حکمت پوشیدہ ہو کہ عشاق رسول ﷺ کے لیے اس دن رنج و فسوس کا فقدان اور خوشی و مسرت کا غلبہ ہو۔

”نیز حضور ﷺ کا ارشاد ہے“

حَيَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ وَمَمَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ (مسند بزاز الشافعی قاضی عیاض)

ترجمہ: میری ظاہری زندگی بھی تمہارے لیے خیر ہے اور میری وفات بھی تمہارے لیے خیر ہے۔

ثابت ہوا کہ امت کے حق میں حضور ﷺ کی ولادت اور رحلت دونوں رحمت ہیں۔ اب دیکھنا تو یہ ہے کہ ان دونوں میں بڑی رحمت کونسی ہے؟ تو ظاہر ہے کہ آپ کا میلاد امت کے لیے سب سے بڑی رحمت اور نعمت ہے۔ لہذا اسی کا حکم غالب رہے گا کیونکہ آپ کا وصال ایسا نہیں ہے جو امت سے آپ کا تعلق اور رشتہ ختم کر دے بلکہ آپ کا فیضان رسالت تا قیامت جاری و ساری ہے۔

”حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ شرح الشفا میں فرماتے ہیں“

”لَيْسَ هُنَاكَ مَوْتُ وَلَا وَفَاتٌ بَلْ اِنْتِقَالٌ مِنْ حَالٍ اِلَى حَالٍ“

ترجمہ: یعنی حضور ﷺ کے معاملات میں موت اور وفات کا عام تصور مراد نہیں بلکہ

یہاں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا مراد ہے۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ شریعت نے بچہ کی ولادت کے موقعہ پر اللہ کے شکر اور خوشی کے اظہار کے لیے عقیقہ کا حکم دیا ہے لیکن وفات کے وقت ایسی کسی چیز کا حکم نہیں۔

”عَلَى أَنَّهُ مُحَسَّنٌ فِي هَذَا الشَّهْرِ إِظْهَارَ الْفَرْحِ بِوِلَادَتِهِ ﷺ
دُونَ إِظْهَارِ الْحُزْنِ فِيهِ بِوَفَاتِهِ“ (الحادی للفتاویٰ)

یوم ولادت کو یوم عید کہنا درست ہے

منکرین میلاد عوام کو اکثر یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ اسلام میں صرف دو عیدیں (عید الفطر اور عید الاضحیٰ) ہیں یہ تیسری عید (عید میلاد) کہاں سے آگئی؟ چنانچہ ان کے اس مغالطے کا مکمل اور شافی جواب ملاحظہ ہو۔

جب آیت ”الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ“ الخ نازل ہوئی تو ایک یہودی نے امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے کہا اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس کے نزول کے دن عید مناتے۔

”قَالَ عُمَرُ قَدْ عَرَفْنَا ذَلِكَ الْيَوْمَ“ (بخاری ۱۱۱)

ترجمہ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمیں وہ دن اور جگہ معلوم ہے۔ (وہ دن جمعہ وعرفہ تھا اور مقام عرفات تھا)

امام نووی فرماتے ہیں: وَمُرَادُ عُمَرَ ﷺ إِنَّا قَدْ اتَّخَذْنَا ذَلِكَ الْيَوْمَ كَانَ عِيدًا“ الخ (نووی شرح مسلم ۴۲۰/۲)

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ ہم واقعی اس دن کو عید کا دن مانتے ہیں۔ مزید فرماتے ہیں

”اس دن ہماری دو عیدیں جمع تھیں (جمعہ وعرفہ یوم حج)“ (ترمذی ۱۳۰/۲)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، عرفات میں اس دن پانچ عیدیں جمع ہو گئی تھیں۔ جمعہ، عرفہ، یہود کی عید، نصاریٰ کی عید، مجوس کی عید۔

”حضرت امام احمد بن محمد قسطلانی مصری فرماتے ہیں کہ“

ہر جمعہ مسلمانوں کی عید اس لیے ہے کہ اس دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے ”فَمَا بَالُ السَّاعَةِ الَّتِي وُلِدَ فِيهَا سَيِّدُ الْمُرْسَلِينَ“ ط

تو جس دن سید المرسلین پیدا ہوئے اس دن کے عید ہونے میں کیا شک ہے۔

پس معلوم ہوا کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے سوا حج کا دن، بارہ ربیع الاول کا

دن اور جمعہ کا دن مسلمانوں کی عیدیں ہیں اور غور کریں کہ صرف جمعہ سال میں ۵۲

ہوئے باقی دو مشہور عیدیں (عید الفطر اور عید الاضحیٰ) حج کا دن، بارہ ربیع الاول کا دن ملا

کر سال میں مسلمانوں کی تقریباً ۵۶ عیدیں بنتی ہیں۔ مخالفین بیچارے تو صرف دو

عیدیں لیے بیٹھے ہیں لیکن یہاں معاملہ برعکس ہے۔

تعصب سے الگ ہو کر !

سوچیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی

”رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا

وَاخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ“ (المائدہ: ۱۱۳)

ترجمہ: اے اللہ ہمارے اوپر آسمان سے دسترخوان (کھانا) نازل فرما تاکہ

ہمارے پہلے اور پچھلوں کی عید بن جائے اور تیری طرف سے دلیل و نشانی۔

علمائے اصولیین نے قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ قرآن پاک سابقہ

شرائع تو ان کا جو قصہ ہم پر بیان کرے اور اس کی تردید نہ کرے وہ ہمارے لیے حجت

ہے۔ (نور انوار حساسی)

لہذا: بطور حجت تامہ کے ثابت ہوا کہ اگر بنی اسرائیل کھانا ملنے کے دن کو عید کہہ سکتے ہیں تو مسلمان بھی محبوب خدا ﷺ کی تشریف آوری کے دن کو عید کہہ سکتے ہیں۔
کیا کھانا ملنے کی خوشی رسول پاک ﷺ کی ولادت کی خوشی سے زیادہ ہے؟
”فَاللّٰهُ الْمُسْتَكِي“

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ شریعت عیسوی منسوخ ہے اس پر قیاس ٹھیک نہیں تو ہم جواب دیں گے کہ یہ دعا اخبار سے ہے۔ نسخ انشاء میں ہوتا ہے نہ کہ اخبار میں۔ (کتب اصول و تفسیر) لہذا یہ منسوخ نہیں ”فافہم و تدبر“
بصورت دیگر مخالفین کے پاس اسکے نسخ کی کوئی دلیل نہیں۔ اگر ہے تو پیش کریں۔
هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ

محفل میلاد کی اصل حیثیت

محفل میلاد کی اصل حیثیت یہ ہے کہ تلاوت قرآن نعت خوانی کے علاوہ حضور ﷺ کی ولادت کا ذکر ہوتا ہے۔ فضائل و مناقب بیان ہوتے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات پر تقاریر ہوتی ہیں صلوٰۃ و سلام ہوتا ہے اور تعظیم رسول ﷺ عام مطلوب ہے جیسا کہ حکم قرآنی ہے

وَتُعَزِّرُوهُ وَتُقَرِّبُوهُ..... الْاٰیۃ (فتح ۹)

ترجمہ: اور ان (اللہ کے رسول ﷺ) کی تعظیم و تکریم کرو۔

صاحب روح البیان نے اس آیت کے تحت لکھا ہے۔

”وَمِنْ تَعْظِيْمِهِ ﷺ عَمَلُ الْمَوْلِدِ“ الح

ترجمہ: یعنی میلاد منانا حضور ﷺ کی تعظیم میں داخل ہے۔

بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہم میلاد کی اصلیت شرع سے ثابت مانتے ہیں لیکن موجودہ ہیئت کذابی اور صورت مجموعی پر ہمیں اعتراض ہے۔

توان کی خدمت میں عرض ہے کہ جس چیز کی اصلیت شرع سے ثابت ہو اور اس کی ہیئت انفرادی، قرآن یا سنت میں موجود ہو وہ کسی ہیئت مباحہ (جائز شکل و صورت) کے لاحق ہونے سے ممنوع نہیں ہو سکتی۔

بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو اپنی موجودہ صورت میں حضور ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں نہیں تھیں اور بعد میں نکالی گئیں مگر آجکل سارے مسلمان انہیں کار خیر سمجھتے ہیں مثال کے طور پر۔

- ۱۔ پختہ مساجد (بلند مینار اور محراب) ۲۔ دینی مدارس اور ان کا نصاب تعلیم
 - ۳۔ قرآن پاک پر اعراب اور پاروں، رکوعوں اور رموز اوقاف کی تعیین
 - ۴۔ مسافر خانے
 - ۵۔ احادیث کی کتابیں، اسناد و اقسام وغیرہ
 - ۶۔ مصافحہ بوقت رخصت
 - ۷۔ اذان کیلئے منبر
 - ۸۔ منظر و تبلیغ کا مروجہ طریقہ (مثلاً اشتہار چھاپ کر اسٹیج بچھا کر لاؤڈ سپیکر لگا کر، سخن و سرود کے انداز میں یا چند ماہ کے تبلیغی چلے کٹوا کر)
 - ۹۔ سیرت کا نفر نسیم
 - ۱۰۔ سیاحتی یا دینی جلوس (یوم شوکت اسلام، غلاف کعبہ اور نظام مصطفیٰ ﷺ کے جلوس)
 - ۱۱۔ نماز میں زبان سے نیت کرنا
 - ۱۲۔ زکوٰۃ میں موجودہ سکہ رائج الوقت ادا کرنا
 - ۱۳۔ بذریعہ ہوائی جہاز حج کرنا
 - ۱۴۔ تدوین کتب اور ترتیب دلائل
 - ۱۵۔ طریقت کے چاروں سلاسل کے مشاغل، مراقبہ و وظائف اور ذکر کے اقسام
 - ۱۶۔ شریعت کے چاروں سلاسل اور ان کے اجتہادی کارنامے وغیرہم
- تو مخالفین میاں د جس دلیل سے ان تمام مذکورہ بالا امور کو جائز، صحیح اور مستحسن کہتے ہیں (حالانکہ یہ تمام امور زمانہ نبوی ﷺ یا قرون اولیٰ میں نہ تھے) کیا بطور الزام خصم اسی دلیل سے محفل میلاد اور جلوس کا صحیح اور درست ہونا ثابت نہیں ہوتا؟
- (جبکہ تحقیقی دلائل پیش کئے جا چکے ہیں)

علم اصول کا قاعدہ ہے جسے شامی اور ابن ہمام وغیرہما نے بیان کیا ہے۔

الْمُخْتَارُ عِنْدَ الْجَمْهُورِ مِنَ الشَّافِعِيَّةِ وَالْحَنَفِيَّةِ أَنَّ الْأَصْلَ فِي الْأَشْيَاءِ الْإِبَاحَةُ
ترجمہ: جمہور شافعیہ اور حنفیہ کے نزدیک مختاریہ ہے کہ اصل تمام اشیاء میں اباحت
اور جواز ہے۔

جیسا کہ ”مرقاۃ شرح مشکوٰۃ اور اشعۃ اللمعات“ میں بھی یہی مذکور ہے
پس ثابت ہوا کہ جس چیز کی ممانعت شرع سے ثابت ہو جائے وہ ممنوع
اور حرام ہے اور جس چیز کی ممانعت پر دلیل شرعی نہ ہو وہ جائز و مباح ہے۔
تو جو شخص جس چیز یا فعل کو ناجائز، حرام یا مکروہ کہتا ہے اس پر واجب ہے کہ
اپنے دعویٰ پر دلیل شرعی قائم کرے اور جائز و مباح کہنے والوں کو ہرگز دلیل کی حاجت
نہیں کیونکہ اس چیز کی ممانعت پر کوئی دلیل شرعی نہ ہونا ہی جواز کی دلیل کافی ہے۔
جامع ترمذی و سنن ابن ماجہ میں حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے
مروی ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا۔

الْحَلَالُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ
وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَا عَنْهُ..... الخ

ترجمہ: حلال وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جو خدا نے
اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس پر سکوت فرمایا وہ اللہ کی طرف سے معاف ہے اس کے
کرتے پر کچھ گناہ نہیں۔

اس حدیث کی روشنی میں ثابت ہوا کہ امور متنازعہ فیہا (میلا و شریف و
جلوس و قیام و سلام) کے جواز پر ہمیں کوئی دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ شرع
سے ممانعت ثابت نہ ہونا ہی ہمارے لیے دلیل ہے۔

لہذا ہم (اہل سنت) سے دلیل و سند مانگنا مخالفین کی بے علمی و جہالت ہے۔ ہم
کہتے ہیں تم تو میلا و جلوس کو ناجائز و حرام و بدعت سینہ کہتے ہو تم ثبوت دو کہ خدا
اور رسول نے ان چیزوں کو کہاں ناجائز و حرام فرمایا ہے؟ اور اگر ثبوت نہ دو اور انشاء



اللہ ہرگز نہ دے سکو گے تو یاد رکھو تم نے اللہ و رسول پر افتراء باندھا ہے۔

احادیث مبارکہ اور علماء اسلام کی تعلیمات و تصریحات کے مطابق یہ ضروری نہیں کہ ہر احداث (نئی چیز) بدعت ہو بلکہ احداث فی الدین بدعت ہے حضور ﷺ نے فرمایا۔

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (بخاری ۳۷۱۱)

ترجمہ: جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی جو دین سے نہیں تو وہ مردود ہے اس حدیث میں حضور ﷺ نے خاص اسی بات کو مردود فرمایا ہے جو دین کے خلاف ہو ہر نئی بات کو منع نہیں فرمایا۔ اگر آپ ہر نئی بات کو ناپسند فرماتے تو ”مالیس منہ“ کی قید نہ بڑھاتے۔

بعض کم فہم لوگ کہتے ہیں کہ ہر نئی بات خواہ دین کے مخالف ہو یا موافق سب منع ہے حاشا و کلا یہ بات غلط ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جو نئی چیز خلاف دین ہو منع ہے اور جو نئی چیز دین کے خلاف نہ ہو بلکہ مددگار ہو وہ ہرگز منع نہیں بلکہ اس پر حضور ﷺ نے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔ حدیث ملاحظہ ہو۔

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَعَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ كُتِبَ لَهُ مِثْلُ

الْجَرِّ مَنْ عَمِلَ بِهَا (مسلم ۲۳۱۱)

ترجمہ جس نے کوئی اچھا طریقہ اسلام میں جاری کیا پھر اس کے بعد اس طریقے پر لوگوں نے عمل کیا تو طریقہ جاری کرنے والے کو اس پر عمل کرنے والے کے برابر ثواب ہوگا۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فیصلہ ہفت مسئلہ میں فرماتے ہیں۔

”انساف یہ ہے کہ بدعت اس کو کہتے ہیں کہ غیر دین کو دین میں داخل

کر لیا جائے۔



مخالفین اگر اکابرین امت کی تشریحات کو نہیں مانتے تو کم از کم اپنے
پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمۃ کا ارشاد تو مان لیں،
ع شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

حرف آخر

بجہ تعالیٰ میلاد شریف کے مسئلے پر قرآن و حدیث، آثار صحابہ و تابعین
اقوال علماء و محدثین و تعامل امت کی روشنی میں دلائل قاہرہ بیان ہوئے۔ امید واثق
ہے کہ قارئین کرام کو اس علمی مواد سے اطمینان قلبی حاصل ہوگا اور معاندین کی پھیلائی
ہوئی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔

ہمارا موقف یہ ہے

مطلقاً کر میلاد شریف، قرآن و سنت کی روشنی میں شرعاً محمود اور مندوب ہے۔
آثار صحابہ و سلف صالحین سے ”میلاد شریف“ کی حیثیت انفرادی اور اباحت اصلی ثابت
ہے کسی ہیئت مباحہ اجتماعیہ کے لاحق و عارض ہونی سے اس کو بدعت نہیں کہا جاسکتا۔ خصوصاً
جبکہ محافل میلاد و جلوس سے مقصود دعوت الی اللہ تبلیغ دین اور بیان سیرت و معجزات ہو تو یہ
عمل نہ صرف جائز بلکہ مستحب قرار پاتا ہے۔ نیز یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ابتداء سے
لے کر آج تک اکابرین علمائے امت کی واضح اکثریت عمل میلاد پر متفق رہی ہے اور
ائمہ اسلام اپنے قول و عمل سے اس کی مسلسل تائید و تصدیق فرماتے رہے ہیں۔

جن حضرات نے مروجہ محافل میلاد و جلوس ہائے میلاد النبی ﷺ کا انکار
کیا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ اس قسم کے اجتماعات میں منکرات، مجرمات اور بدعات کا
ارتکاب ہے وہ اصل میلاد کے منکر و مخالف ہرگز نہیں ہیں اور یہی علماء اہل سنت کا
موقف ہے۔ چنانچہ آخر میں ہم اہلسنت کے نزدیک محافل میلاد و جلوس کی پسندیدہ



اور ناپسندیدہ صورتوں کا اجمالی خاکہ پیش کر رہے ہیں تاکہ حق واضح ہو جائے اور باطل کا غبار دور ہو جائے۔

مکرات و بدعات (ناپسندیدہ امور)	مباحات و مستحبات (پسندیدہ امور)
<p>✽ ذکر میاں د کے لیے گیارہویں یا بارہویں تاریخ (رات یا دن) کو ہی شرعاً مخصوص و مسنون خیال کرنا</p> <p>✽ ریاکاری، نمائش اور حصول اغراض نفسانی کی نیت سے ان تقریبات کا اہتمام کرنا</p> <p>✽ بیجا اسراف و فضول خرچی کرنا مثلاً پہاڑیاں بنانا، گلیوں اور بازاروں میں بے مقصد چراغاں کرنا خاص کر جبکہ ایسے چراغاں سے طرح طرح کے فتنے جنم لے رہے ہوں</p> <p>✽ مردوں اور عورتوں کے بے پردہ مخلوط اجتماعات منعقد کروانا</p> <p>✽ روایات موضوعہ کا ذبہ اور من گھڑت قصے بیان کرنا</p> <p>✽ اسی طرح جلسے اور جلوسوں میں گانے، باجے، ڈھول، تماشے، مروجہ قوالی، سارنگی، بھنگڑے اور دھمالیں ڈالنے کا اہتمام و انصرام کرنا۔</p>	<p>✽ تلاوت قرآن حکیم</p> <p>✽ نعت سرور کائنات ﷺ</p> <p>✽ صلوٰۃ و سلام اور قیام</p> <p>✽ توحید و رسالت، سیرت و میلاد کے موضوعات پر کتاب و سنت کی روشنی میں علماء کی تقاریر۔</p> <p>✽ ولادت مقدسہ کے مستند واقعات اور رضاعت مبارکہ کے صحیح حالات کا بیان اور ہدیہ ایصال ثواب۔</p> <p>✽ ادعیہ ماثورہ و غیر ماثورہ</p> <p>✽ اظہار فرحت و سرور فحوائے حکیم قرآنی</p> <p>✽ ”فبذلک فلیفرحوا“ الخ اور اس سلسلے میں صدقات نافلہ اور دعوت صالحہ کا اہتمام</p> <p>✽ تعظیم رسالت و اتباع سنت کا التزام</p> <p>✽ مساجد یا محافل کو بہ نیت تعظیم ذکر رسول ﷺ مناسب روشنی (چراغاں)</p>



اور خوشبو و عطر وغیرہ سے معتبر و مزین کرنا
 صاف اور نئے کپڑے پہننا لوگوں
 کو کھانا کھلانا اور پانی پلانا
 میلاد کی خوشی میں (پیر کے دن)
 نقلی عبادات مثلاً روزہ یا صدقات و
 خیرات کا اہتمام کرنا

”وغیرہا من الخرافات والبدعات
 اعاذنا اللہ منها“

”وغیرہا من الحسنات والخیرات رزقنا اللہ ایاہا“

ضروری گزارش

علماء و مشائخ اہلسنت اور عامۃ المسلمین کی خدمت میں گزارش ہے کہ
میلاد شریف کے تمام اجتماعات و تقریبات
 کو سنت اور شریعت کی روشنی میں مرتب و منظم فرمائیں۔

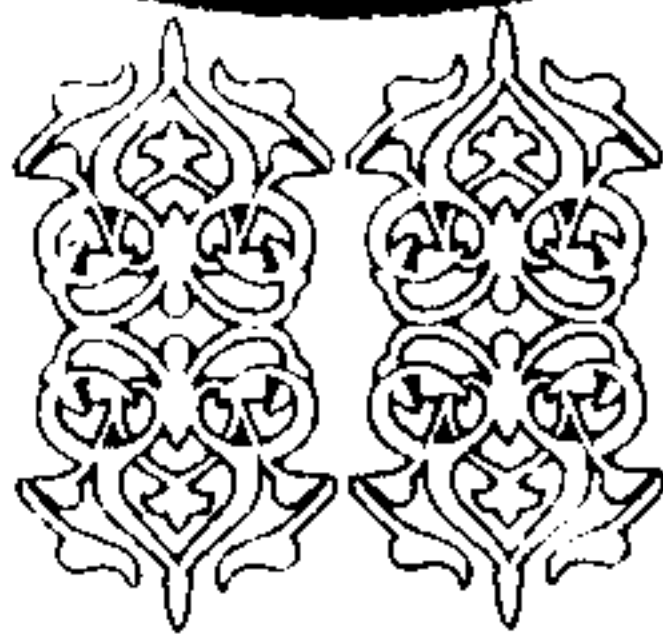
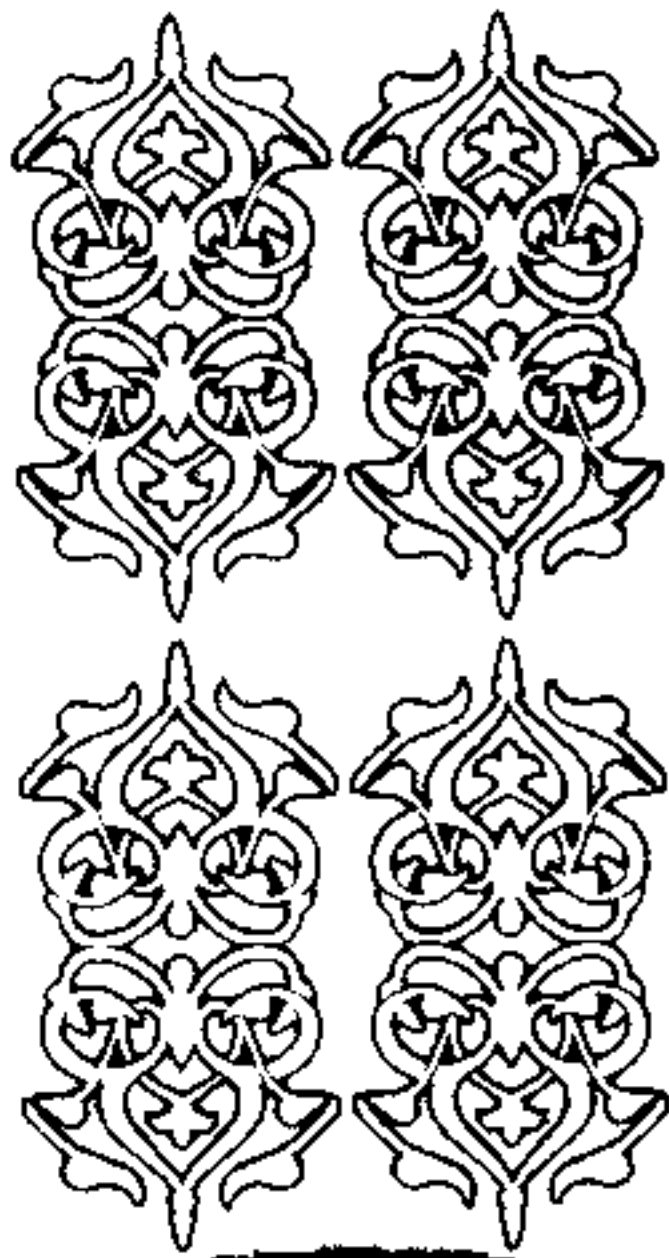
اور

اس پاکیزہ عمل کو (جس کی بنیاد عشق رسول ﷺ پر ہے)
 ہر قسم کی بدعات و منکرات سے پاک رکھنے کے لیے عملی جہاد فرمائیں

اور اس حقیقت کا برملا اعلان فرمادیں
 کہ غیر شرعی حرکات اور دیگر خرافات کا مظاہرہ کرنے والے لوگ
 قابل نفرت و لائق ملامت ہیں

اور یہ کہ ہم

ان لوگوں کے ناپسندیدہ افعال و اعمال کی
 کوئی ذمہ داری قبول نہیں کر سکتے
 فقط : واللہ (الموفق بن عبد العزیز)



بیعت کی شرعی حیثیت

لفظ بیعت قرآنی اصطلاح ہے۔ احادیث مبارکہ اور کتب تفاسیر و تصوف میں بھی کثرت کے ساتھ یہ لفظ استعمال ہوا ہے جس سے بیعت کی شرعی حیثیت و افادیت واضح ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

پہلی آیت: إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ الخ (الفتح)

ترجمہ: بیشک جو لوگ آپ سے (اے محبوب ﷺ) بیعت کرتے ہیں سوائے اس کے نہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

اس آیت میں حدیبیہ کے مقام پر چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لینے کا ذکر ہے۔ جس کو ”بیعت رضوان“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آیت کریمہ لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (الفتح) انہی حضرات کی شان میں اتری تھی۔

یہ آیت مبارکہ بیعت کے امر شرعی ہونے پر دلیل ہے۔

دوسری آیت: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ (المائدہ)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف کوئی وسیلہ تلاش کرو۔

اس آیت میں وسیلہ سے ذات مرشد مراد ہے۔

جیسا کہ القول الجمیل میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت فرمائی ہے۔

اسی طرح حضرت علامہ اسماعیل حق رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:

وَاعْلَمُ أَنَّ الْآيَةَ الْكَرِيمَةَ صرّحت بالامر بابتغاء الوسيلة وَلَا بُدَّ مِنْهَا الْبَتَّةَ فَإِنَّ الْوُصُولَ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى لَا يَحْصُلُ إِلَّا بِالْوَسِيلَةِ وَهِيَ عُلَمَاءُ الْحَقِيقَةِ وَمَشَائِخُ الطَّرِيقَةِ (روح البیان)

ترجمہ: جان لے کہ اس آیت کریمہ نے اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کرنے کی صراحت فرمائی ہے اور یہ امر بے حد ضروری ہے، کیونکہ وسیلہ کے بغیر اللہ تعالیٰ تک پہنچنا ناممکن ہے اور وسیلہ سے مراد علماء حقیقت اور مشائخ طریقت (پیران عظام) ہیں۔
اس آیت سے بھی ثابت ہوا کہ قرب خداوندی کیلئے مرشد کا وسیلہ اور بیعت کا ذریعہ و معاملہ ضروری ہے۔

تیسری آیت: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (التوبہ)
ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔

صاحب تفسیر روح البیان اعلیٰ آیت کے ضمن میں رقمطراز ہیں:
الصَّادِقُونَ هُمُ الْمُرْشِدُونَ یعنی اس آیت میں صادقین کے ساتھ ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تک وصول کے لئے کوئی مرشد اور راہنما اختیار کرو۔
چوتھی آیت: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ (الممتحنہ)

ترجمہ: اے نبی ﷺ جب آپ کے پاس مومنہ عورتیں ان شرطوں پر بیعت کے لئے حاضر ہوں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی نہ زنا کریں گی وغیرہ۔

آیت مذکورہ سے مومنہ عورتوں کا بیعت میں داخل ہونا ثابت ہو رہا ہے۔

احادیث مبارکہ

پہلی حدیث عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ

وَحَوْلَهُ غُصَابَةٌ مِّنْ أَصْحَابِهِ تَبَايَعُونِي عَلَىٰ أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوا وَلَا تَزْنُوا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ (بخاری ۱۰۷۱/۲)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (جبکہ آپ کے گرد صحابہ کرام کی ایک جماعت موجود تھی) کہ اے صحابہ میری بیعت کرو اس امر پر کہ تم خدا کے ساتھ شرک نہ کرو گے اور نہ چوری کرو گے اور نہ زنا کرو گے اور نہ اپنی اولاد کو قتل کرو گے۔

اس حدیث میں جہاد بالنفس کے لئے بیعت لینے کا ذکر ہے جو آج تک مشائخ کرام و پیران عظام کے سلاسل میں جاری ہے

دوسری حدیث: عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقُلْتُ ابْسُطْ يَمِينَكَ لِأَبَايَعَكَ فَبَسَطَ يَمِينَهُ فَقَبَضْتُ يَدَيْهِ الخ

(رواہ مسلم)

ترجمہ: یعنی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا پس میں نے عرض کی کہ اپنا دایاں ہاتھ مبارک کھولیں تاکہ میں آپ کی بیعت کروں پس آپ نے اپنا دایاں ہاتھ مبارک کھول دیا تو میں نے آپ کا ہاتھ مبارک (بیعت کے لئے) پکڑ لیا، اس شرط پر بیعت کی کہ میرے لئے بخشش طلب کی جائے، آپ نے فرمایا تو نہیں جاننا کہ اسلام، ہجرت اور حج پہلے گناہوں کو ختم کر دیتے ہیں۔

یہ حدیث اعمال صالحہ پر بیعت کے مسنون ہونے کی وضاحت کر رہی ہے۔

تیسری حدیث: غزوہ خندق کے موقع پر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار و مہاجرین کے لئے دعا فرمائی تو صحابہ نے عرض کی:

نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدًا صلی اللہ علیہ وسلم (بخاری ۵۷۷۱/۲)

ترجمہ: یعنی ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول اکرم ﷺ سے بیعت کی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت سے بیان فرمایا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کرام سے مختلف قسم کی بیعتیں لیتے تھے۔

تَارَةً عَلَى الْهَجْرَةِ وَالْجِهَادِ تَارَةً عَلَى إِقَامَةِ أَرْكَانِ الْإِسْلَامِ وَتَارَةً عَلَى الثَّبَاتِ وَالْقَرَارِ فِي مَعْرَكَةِ الْكُفَّارِ وَتَارَةً عَلَى التَّمَسُّكِ بِالسُّنَّةِ وَالْاجْتِنَابِ عَنِ الْبِدْعَةِ وَالْحِرْصِ عَلَى الطَّاعَاتِ الخ (القول الجلیل)

ترجمہ: کبھی ہجرت اور جہاد پر، کبھی ارکان اسلام (نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ) کی ادائیگی پر، کبھی معرکہ کفار میں ثبات و قرار پر اور کبھی سنت نبوی پر عمل کرنے، بدعت سے بچنے اور عبادات کیلئے حریص ہونے پر بیعت لیا کرتے تھے۔

تاریخ اسلام میں بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ کی مثالیں خود حضور سرور کائنات ﷺ کے عمل سے ثابت ہیں جیسا کہ اہل علم پر ظاہر ہے۔

حقیقتِ بیعت

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةُ (التوبہ)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے خرید لی ہیں مؤمنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے۔

بیعت، بیع سے مشتق ہے، ایک چیز دے کر اس کے بدلے دوسری چیز لی جائے تو اس لین دین کو بیع کے نام سے پکارتے ہیں۔ بندہ جب کسی پیر کامل، متبع سنت کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنی جان اور اپنے مال کو اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کریم علیہ التحیۃ والثناء کے احکام و فرامین کے تابع کر دینے کا عہد کر کے اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور مغفرت حاصل کر لیتا ہے، تو یہی بیعت کی حقیقت ہے۔ جس طرح بیع و شراء (خرید و فروخت) کی تکمیل کے لئے صرف نیت کافی نہیں، بلکہ عمل کے ذریعے

اس کا اظہار بھی ضروری ہے اسی طرح بیعت صرف زبانی اقرار یا قلبی نیت تک ہی محدود نہیں بلکہ عزم بالجزم کے ساتھ شریعت و طریقت کے آداب و شرائط کے اہتمام و عملی مظاہرے کو بیعت کہا جاتا ہے۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْد

قرآن و حدیث سے بیعت کا ثبوت اس کی شرعی حیثیت و ضرورت واضح ہوئی۔

خلاصہ المرام

- ❖ بیعت کا سنت نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰات) ہونا ثابت ہوا
- ❖ بیعت کرنے والوں کو مومنین کے لفظ سے یاد فرمایا گیا۔
- ❖ بیعت کرنے والوں کو رضائے الہی اور فتح و نصرت کی بشارت سنائی گئی۔
- ❖ بیعت بخشش اور دعا کا ذریعہ ثابت ہوئی۔
- ❖ بیعت عقبہ اولیٰ و عقبہ ثانیہ تبلیغ اسلام کا ذریعہ اور شرک و گناہ سے بچنے کا وسیلہ ثابت ہوئی۔
- ❖ عورتوں کی بیعت (بشرط پردہ و توبہ) کا مسئلہ بھی حل ہوا۔
- تمام سلاسل طریقت (خصوصاً نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ وغیرہا) کے بزرگان عظام نے بہ طریق بیعت ہی مخلوق خدا کو فیضیاب فرمایا۔ اور اسی طرح چراغ سے چراغ جلتا آیا، اور طریقت و تصوف کی انہی سرگرمیوں کی بدولت دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام کے انوار جگمگانے لگے اور آج بھی اسلام کے برگ و بار کی نشوونما اور روحانی اقدار کی بقاء و ارتقاء کے لئے اولیاء کرام کی نگاہ فیض بار کی اشد ضرورت ہے، پیری، مریدی و بیعت، دکانداری یا ریاکاری کا نام نہیں بلکہ عہد خداوندی کی عملی فرمانبرداری کی شہادت و پاسداری کا نام ہے۔

آداب طریقت

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: **قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى** (الاعلیٰ)
یعنی تحقیق فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا۔

تزکیہ نفس کی غرض حصول قرب خدا اور وصول الی اللہ (اللہ تعالیٰ تک پہنچنا) ہے۔ اسلام کے تمام امور اور علوم و فنون کا مقصد خدا تک رسائی حاصل کرنا ہے۔ اس لحاظ سے یہ تمام امور مقصود نہیں بلکہ مقصود تک پہنچنے کے لئے ذرائع اور وسائل ہیں۔ مقصود صرف ذات حق عزوجل ہے۔ قرآن نے ہمیں اسی مقام کی طرف دعوت دی ہے۔

إِلَىٰ رَبِّكَ مُنْتَهَىٰ (النازعات)

یعنی تیرا آخری مقام اللہ تعالیٰ تک رسائی ہے۔

بندہ طالب ہے اور اللہ مطلوب (مقصود) ہے۔ طالب اور مطلوب کے درمیان پیر کامل وسیلہ اور برزخ ہے۔ قرآن پاک میں پیر کامل کو وسیلہ بتایا گیا ہے:

وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ (المائدہ)

یعنی اللہ تک رسائی حاصل کرنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو (جیسا کہ مفسرین نے صراحت فرمائی)

اللہ تعالیٰ تک رسائی کے لئے صرف منطقی اور عقلی استدلال کافی نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی ذات منطق اور عقل سے وراء الوراء ہے۔ اسلام عقلی دلائل سے زیادہ مشاہدہ اور یقین کی قوت سے حقیقت تک لے جانا چاہتا ہے۔ تاکہ انسان کے دل اور روح کے اندر وجود باری تعالیٰ کا کامل احساس بیدار ہو جائے۔ اور طالب ذات و صفات حق میں فنا ہو کر معرفت اور رضا کے مقام تک پہنچ جائے۔ (ذالک الفوز العظیم)



ظاہر ہے کہ یہ رستہ کسی کامل رہبر یا مرشد کے بغیر طے نہیں ہو سکتا۔

اوصاف مرشد

جو عقائد اہلسنت کے مطابق شریعت کا عالم اور عامل ہو، متقی، زاہد اور آخرت کا راغب ہو، متبع سنت اور عاشق رسول (ﷺ) ہو، اس کا شجرہ طریقت مربوط اور مسلسل ہو، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صلاحیت رکھتا ہو۔ نیز صحبت کا ملین سے بہرہ یاب ہو، سلوک باطنی طے کر چکا ہو، صاحب حضوری ہو، ترک ماسوی اللہ اور سیرالی اللہ کے راستوں سے واقف ہو۔

ایسے پیر کامل کی بیعت و صحبت کو اکسیر سمجھنا چاہئے۔

(ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء)

مرید کیسا ہونا چاہیے

جو اپنے آپ کو کسی دانائے راہ مرد کامل کے حوالے کر دے اور اس کی پیروی اس طرح کرے جیسے ”مردہ بدست زندہ“

الطالب عند المرشد کالمیت بین یدی الغاسل
یعنی مرید اپنے پیر کے ہاتھ میں اس طرح ہوتا ہے جیسے مردہ غسل دینے والے کے ہاتھ میں۔

ضروری ہے کہ مرید اپنے پیر کی محبت میں دیوانہ ہو جائے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

دریں راہ اند کے جنوں ہم درکار است
یعنی اس راہ (طریقت) میں تھوڑی سی دیوانگی بھی ضروری ہے

سچا مرید وہ ہے

جس کو خدا اور رسول ﷺ کے بعد سب سے زیادہ محبت اپنے پیر کے ساتھ

ہو۔ جس کو پیر کی صحبت تمام تفکرات سے آزاد کر دے جس کو پیر کی ہر نقل و حرکت میں خوبی اور کمال نظر آئے اور اکثر اوقات تصور شیخ اور شغل رابطہ میں مصروف رہے۔ جس کو مرشد کی کسی غلطی پر بدظنی یا بد اعتقادی کا شائبہ تک پیدا نہ ہو بلکہ مرشد سے پوچھ کر صورت حال سے آگاہی حاصل کرے۔

مرید کو چاہیئے

کہ اپنے پیر سے سوائے محبت اور رضائے الہی کے کوئی دنیاوی غرض نہ رکھے۔ اپنی تمام خواہشیں اور ارادے پیر کی خواہش اور مرضی کے تابع کر دے۔ صوفیاء فرماتے ہیں: **الْمُرِيدُ لَا يُرِيدُ إِلَّا اللَّهَ** یعنی مرید وہ ہوتا ہے جس کے دل میں خدا کے سوا کسی شے کی خواہش نہ ہو اور اللہ تعالیٰ تک رسائی کیلئے صرف اپنے پیر کو ہی کامل وسیلہ جانے اور دوسرے کسی کی طرف التفات نہ کرے۔

ایک دن شہنشاہ اولیاء حضرت شاہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد برحق حضرت خواجہ امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت و قدم بوسی کے لئے روانہ ہوئے۔ راستے میں حضرت خضر علیہ السلام ملے۔ انہوں نے محبت آمیز لہجے میں کئی مرتبہ پکارا۔ ”بہاؤ الدین کہاں جاتے ہو ذرا ٹھہرو میں نے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں“ لیکن حضرت شاہ نقشبند نہ ٹھہرے اور اپنے شیخ کامل کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت خواجہ امیر کلال نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ بہاؤ الدین آج راستے میں تمہیں حضرت خضر علیہ السلام ملے مگر تم نے ان کی طرف توجہ نہ کی؟ آپ نے نہایت ادب کے ساتھ عرض کی۔ حضور! جس کو آپ جیسا خضر (پیر کامل) مل چکا ہو اور جو آپ کے چہرہ پر انوار کی زیارت سے فیضیاب ہو چکا ہو اس کو کسی دوسرے خضر سے کیا کام! سبحان اللہ اس کا نام ہے مریدی اور ارادت۔ (اللھم ارزقنا یاہا)

پیر اور مرید کا باہمی رشتہ

حضرت داؤد علیہ السلام کو جناب باری تعالیٰ سے حکم ملا کہ

إِذَا رَأَيْتَ لِي طَالِبًا فَكُنْ لَهُ خَادِمًا (رسائل نقشبندیہ)

یعنی جب تو میرے کسی طالب کو دیکھے تو اس کا خادم بن جا۔

معلوم ہوا کہ پیر اور مرید کا باہمی رشتہ خادم اور مخدوم کا ہے۔ کیونکہ آج تک خدمت خلق کے بغیر کوئی انسان مسند ارشاد تک نہیں پہنچا۔ ”ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد“ جو خادم بنتا ہے وہی مخدوم ہونے کا حقدار ہو جاتا ہے۔ پیر اپنے مریدوں کی خدمت باعث سعادت سمجھتا ہے اور مرید بھی پیر کی خدمت کو وسیلہ قرب جانتا ہے۔

سلطنت در دین ما خدمت گری است

عدل فاروقی و فقر حیدری است

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند

در شہنشاہی فقیری کردہ اند

معروف صوفی بزرگ حضرت اسماعیل اتارحمۃ اللہ علیہ جب کسی کو مرید بناتے تو ارشاد فرماتے ہیں۔ آج سے میں اور تو دونوں برادر طریقت (پیر بھائی) ہو گئے ہیں۔ امام الطریقہ حضرت شاہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت اسماعیل اتا کے اس قول سے مجھے تو حید کی عجیب خوشبو آتی ہے۔ (سبحان اللہ)

یاران طریقت (پیر بھائیوں) کا باہمی رشتہ

قرآنی حکم اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (الحجرات) کے مطابق ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایمان پر استقامت علم باطنی لدنی کے ذریعے حاصل ہوتی ہے اور باطنی علوم کے طالب علم ہی آپس میں حقیقی بھائی ہوتے ہیں۔

ثابت ہوا کہ ایمانی روحانی رشتہ میں منسلک ہونے والے یاران طریقت یا پیر بھائی بننے کا شرف حاصل کر لیتے ہیں۔ اسلام کی بڑی خوبی یہ ہے کہ عشق حقیقی کی لذت سے آشنا کر کے دو کو ایک بنا کر آپس میں رشتہ اخوت و محبت کو فروغ دیتا ہے۔

بسیار دیدہ ام کہ یکے را دو کرد تیغ
شمشیر حق میں کہ دو کس را یکے کند

○ خود سرور عالم ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عقدِ مواخات کے رشتے میں پرو کر پیر بھائی بنادیا تھا۔ پیر بھائیوں کا یہ سلسلہ صحابہ کرام سے شروع ہوا اور حکم خداوندی رَحْمَاءُ بَيْنَهُمْ (الفتح) کے مطابق صحابہ کرام کے درمیان آپس میں پیار اور محبت کا تعلق ہمیشہ مضبوطی سے قائم رہا۔

○ پیر بھائیوں کا یہ باہمی رشتہ محبت مادر زاد (سگے) بھائیوں سے زیادہ اہم اور مضبوط ہے۔ کیونکہ سگے بھائیوں کا آپس میں جسمانی رشتہ ہے اور پیر بھائیوں کا آپس میں روحانی رشتہ ہے۔ جسم فنا ہونے والا ہے اور روح باقی رہنے والی ہے۔ لہذا پیر بھائیوں کا تعلق قیامت کے دن بھی قائم رہے گا۔ اور یَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاسٍ بِاَمَامِهِمْ (بنی اسرائیل) کے مطابق اپنے شیخ طریقت کے نام پر پکارے جائیں گے۔ اور اسی کے جھنڈے کے سائے میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ لواء الحمد کے تلے جمع ہو جائیں گے۔ (والحمد لله علی ذلک)

○ مشائخ نے فرمایا کہ مرید دو بار پیدا ہوتا ہے۔ ایک بار اپنی ماں کے پیٹ سے (جسمانی جنم) اور دوسری بار اپنے پیر کے سینے سے (روحانی جنم) روحانی بھائیوں کا رشتہ، الفت جسمانی بھائیوں کے رشتے سے زیادہ اہم اور مفید مطلب ہوتا ہے۔ ان کا رشتہ الْاِخْلَاءُ یَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ (الزخرف) کے مطابق قیامت کے دن بھی نہ ٹوٹے گا کیونکہ ان کا تعلق تقویٰ کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک پیر بھائی کسی وجہ سے ناراض ہو گیا تھا آپ نے مصالحت کے لئے خود ابتدا فرمائی اور ایک مکتوب شریف میں تحریر فرمایا کہ:

نسبت ہم پیرگی نہ از آن قبیل است کہ گسستہ می شود
یعنی پیر بھائی ہونے کی نسبت کبھی نہ ٹوٹنے والی ہے

اس کی وجہ یہ ہے کہ پیر بھائیوں کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ کی رضا و محبت کے لئے ہوتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے۔ ”اَیْنَ الْمُتَحَابُّونَ فِی“ یعنی وہ لوگ کہاں ہیں جو میرے لئے ایک دوسرے سے محبت کیا کرتے تھے۔ پھر آواز آئے گی ”اَیْنَ الْمُتَجَالِسُونَ فِی“ یعنی وہ لوگ کہاں ہیں جو میری رضا کیلئے مل جل کر بیٹھا کرتے تھے۔ پھر فرمایا جائے گا ”اَیْنَ الْمُتَزَاوِرُونَ فِی“ کہاں ہیں وہ لوگ جو میری خوشنودی کے لئے ایک دوسرے کی زیارت و ملاقات کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان سب کو بلا کر بخشش اور نجات کی نوید سنائی جائے گی۔ (سبحان اللہ)

آداب پیرومرید کے سلسلے میں

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (رحمۃ اللہ علیہ) کے مکتوبات شریفہ سے

چند اقتباسات

بدانکہ سالکان این راہ از دو حال خالی نیستند مرید اند یا مراد اگر مراد ند طوبیٰ لہم براہ انجذاب و محبت ایشان را کشان کشان خواہند بر دو بمطلب اعلیٰ خواہند رسانید و ہر ادبے کہ در کار شود بتوسط یابے توسط تعلیم شان خواہد شد و اگر زلتے واقع شود زود متنبہ خواہند فرمود و بآن مواخذہ نہ خواہند کرد و اگر بہ پیر ظاہر احتیاجے داشتہ باشد بے سعی ایشان بآن دولت دلالت خواہند فرمود و بالجملہ عنایت ازلی جل سلطانہ متکفل حال این بزرگواران است بسبب و بے سبب کار ایشان را کفایت خواہند کرد اللہ یَجْتَبِیْ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَاءُ و اگر مرید اند کار ایشان بے توسط پیر کامل مکمل دشوار است (فتاویٰ مکتوب ۲۹۲)

ترجمہ: اس راستے کے سالک دو حال سے خالی نہیں، مرید ہیں، یا مراد ہیں۔ اگر مراد ہیں تو ان کے لئے خوشخبری ہے کشش (جذبہ) اور محبت کے ذریعے سے ان کو کھینچ کھینچ کر لے جائیں گے اور اعلیٰ مطلب (منزل مقصود) تک پہنچا دیں گے اور ہر ادب جو درکار ہو بالواسطہ یا بلاواسطہ انہیں سکھا دیں گے اور اگر ان سے کوئی لغزش واقع ہوگی تو اس پر انہیں جلدی آگاہ فرما دیں گے اور ان پر گرفت نہیں کریں گے اور اگر انہیں ظاہری پیر کی ضرورت ہوگی۔ تو ان کی کوشش کے بغیر اس دولت تک پہنچا دیں گے۔

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کی عنایت ازیں ان بزرگوں کے حال کی کفیل ہے۔ بذریعہ سبب یا بے سبب ان کے کام کو پورا کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں چین لیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔

اور اگر مرید ہیں تو ان کا کام بغیر واسطہ پیر کامل و مکمل کے دشوار ہے ان کے لئے ایسا پیر چاہئے جو جذبہ و سلوک کی دولت سے مشرف اور فنا و بقا کی سعادت سے بہرہ ور ہو چکا ہو اور سیر الی اللہ، سیر فی اللہ، سیر عن اللہ باللہ، سیر فی الاشیاء باللہ کو مکمل طور پر طے کر چکا ہو اور اگر اس کا جذبہ اس کے سلوک پر مقدم ہو اور مرادوں کی تربیت سے پرورش پائی ہو تو کبریت احمر (نہایت ہی اکسیر) ہے۔ اس کا کلام دوا اور اس کی نظر شفا ہے۔ مردہ دلوں کی زندگی اس کی توجہ شریفہ سے وابستہ ہے اور پڑمردہ جانوں کی تازگی اس کی التفات لطیف کے ساتھ مربوط ہے اور اگر اس طرح کا صاحب دولت پیر میسر نہ آئے تو پھر سالک مجذوب ہی غنیمت ہے۔ اس سے بھی ناقصوں کی تربیت ہو سکتی ہے اور اس کی وساطت سے فنا و بقا کی منزلیں حاصل ہو جائیں گی۔

آسمان عرش کی نسبت تو بہت نیچے ہے۔ لیکن زمین سے پھر بھی اونچا ہے۔

مرید کو اپنا آپ پیر کے حوالے کر دینا چاہئے

اگر بعنایت خداوندی جل سلطانہ طالبے را بایں طور

پیر کامل مکمل دلالت فرمودند باید کہ وجود شریف اور امغتنم داند و خود را بتمام با وسپارد۔۔۔۔ الخ

ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے کسی طالب کو اس قسم کا کامل مکمل پیر مل جائے تو اس کے وجود شریف کو غنیمت جانے اور اپنے آپ کو ہمہ تن اس کے حوالے کر دے اور اپنی سعادت اس کی رضا مندی میں جانے۔ غرض اپنی خواہش کو اس کی رضا کے تابع بنالے۔

حدیث نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں ہے
لَنْ يُؤْمِنَ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ
یعنی تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش اس امر کے تابع نہ ہو جائے جس کو میں لایا ہوں۔

صحبت پیر کے آداب اور مجلس کے شرائط

مرید پیر کے سامنے نوافل اور وظائف میں مشغول نہ ہو

و بدانند کہ رعایت آداب صحبت و مراعات شرائط از ضروریات این راه است تاراه افادہ و استفادہ مفتوح گردد و بدونہا لانتیجۃ للصحبۃ ولا ثمرۃ للمجلس بعضے از آداب و شرائط ضروریہ در معرض بیان آورده می شود بگوش ہوش باید شنید بدانکہ طالب را باید کہ روئے دل خود را از جمیع جہات گردانیدہ متوجہ پیر خود سازد و باوجود پیر بے اذن او بنوافل و اذکار نپردازد۔۔۔۔ حتی کہ بذکر ہم مشغول نشود مگر آنکہ او امر کند و غیر از نماز فرض و سنت در حضور او ادانہ کند۔۔۔۔ الخ

ترجمہ جانتا چاہئے کہ صحبت شیخ کے آداب اور شرائط کو پیش نظر رکھنا اس راہ (طریقت)



کی ضروریات میں سے ہے تاکہ افادہ و استفادہ کا راستہ کھل جائے ورنہ پیر کی صحبت اور مجلس کا کوئی نتیجہ یا ثمرہ برآمد نہ ہوگا۔ بعض ضروری آداب و شرائط بیان کئے جا رہے ہیں گوش ہوش سے سننے کی ضرورت ہے۔

مرید کو چاہئے کہ اپنے دل کو تمام اطراف سے پھیر کر اپنے پیر کی طرف متوجہ کرے اور پیر کی خدمت میں اس کے اذن کے بغیر نوافل اور اذکار میں مشغول نہ ہو اور اس کے حضور میں اس کے سوا کسی اور طرف توجہ نہ کرے اور پورے طور پر اپنے پیر کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھا رہے حتیٰ کہ جب تک وہ امر نہ کرے ذکر میں بھی مشغول نہ ہو اور اس کے سامنے نماز فرض اور سنت کے سوا کچھ ادا نہ کرے۔

سلطان وقت کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ اس کا وزیر اس کے سامنے کھڑا تھا اتفاقاً وزیر کی نظر اس کے اپنے کپڑے پر پڑی کپڑے کے بند کو اپنے ہاتھ سے درست کرنے لگا۔ اس حال میں جب بادشاہ نے دیکھا کہ وزیر میرے سامنے آ کر بھی غیر کی طرف متوجہ ہے تو جھڑکتے ہوئے کہا کہ میں ہر گز یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ تو میرا وزیر ہو کر میری موجودگی میں اپنے کپڑے کے بند کی طرف توجہ کرے۔ تو سوچنا چاہئے کہ جب کمینی دنیا کے معاملات اور وسائل کے لئے چھوٹے چھوٹے آداب ضروری ہیں تو وصول الی اللہ کے وسائل کے لئے ان آداب کی رعایت کتنی ضروری ہوگی۔

مرید پیر کے کپڑے پر اپنا سایہ نہ پڑنے دے
اور مصلیٰ پر قدم نہ رکھے

ومہما ممکن درجائے نہ ایستد کہ سایہ او بر جامہ
او افتد و بر مصلائے او پانہ نہد و در متوضائے او طہارت نکند و بطروف
خاصہ او استعمال نہ کند و در حضور او آب نخورد و طعام تناول نہ
نماید و بکسے سخن نکند بلکہ متوجہ احدے نہ گردد و در غیبت پیر

درجانب کہ اوست پا دراز نہ کند و بزاق دهن بآنجانب نیندازد۔
ترجمہ: جہاں تک ہو سکے مرید ایسی جگہ بھی نہ کھڑا ہو کہ اس کا سایہ پیر کے کپڑے یا
سائے پر پڑتا ہو اور اس کے مصلے پر پاؤں نہ رکھے اور اس کے وضو کی جگہ طہارت
(استنجا) نہ کرے اور اس کے مخصوص برتنوں کو استعمال نہ کرے اور پیر کے سامنے پانی نہ
پئے۔ کھانا نہ کھائے کسی دوسرے آدمی سے گفتگو نہ کرے بلکہ کسی اور کی طرف توجہ بھی
نہ کرے اور پیر کی عدم موجودگی میں جس طرف کہ وہ رہتا ہے پاؤں دراز نہ کرے
اور اس طرف تھوک بھی نہ پھینکے۔

مرید پیر کے حرکات و سکنات پر اعتراض نہ کرے اور نہ کرامات طلب کرے

وہر چہ از پیر صادر شود آن را صواب داند اگرچہ بہ
ظاہر صواب ننماید اوہر چہ میکند از الہام میکند و باذن
کار میکند بریں تقدیر اعتراض را گنجائش نباشد و اگر در بعضے
صور در الہامش خطا را یا بد خطائے الہامی در رنگ خطائے
اجتہادی است۔ ملامت و اعتراض براں مجوز نیست و ایضاً چون
ایں را محبتے بہ پیر پیدا شدہ است در نظر محب ہر چہ از
محبوب صادر می شود محبوب نماید پس اعتراض را مجال
نباشد و در کلی و جزئی اقتداء بہ پیر کند چہ در خوردن
و پوشیدن و چہ در خفتن و طاعت کردن۔ نماز را بطرز او
ادباید کرد و فقہ را از عمل او باید اخذ نمود..... الخ

ترجمہ: اور جو کچھ پیر سے صادر ہو اس کو صواب اور بہتر جانے اگرچہ بظاہر بہتر نظر نہ
آئے۔ کیونکہ وہ جو کچھ کرتا ہے الہام سے کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے کام کرتا

ہے۔ اس تقدید پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔ اگرچہ بعض صورتوں میں اس کے الہام میں خطا کا ہونا ممکن ہے۔ لیکن خطائے الہامی خطائے اجتہادی کی طرح ہے اور ملامت و اعتراض اس پر جائز نہیں اور جب مرید کو اپنے پیر سے محبت ہے تو محبوب سے جو کچھ صادر ہوتا ہے محبت کی نظر میں محبوب ہی دکھائی دیتا ہے۔ پھر اعتراض کی کیا مجال ہے اور کلی و جزئی امور مثلاً کھانے پینے، پہننے، سونے اور طاعت کے تمام معمولی کاموں میں پیر ہی کی اقتداء کرنی چاہئے۔ اور نماز بھی اسی کی طرح ادا کرنی چاہئے اور فقہ کے مسائل بھی اسی کے طریق عمل سے سیکھنے چاہئیں۔ اس لئے کہ جس شخص کے گھر میں خود باغ لگا ہوا ہو اس کو غیروں کے باغ، کھیتوں کی حاجت نہیں ہوتی۔ پیر کے حرکات و سکنات میں کسی قسم کا اعتراض نہ کرے اگرچہ وہ اعتراض رائی کے دانہ کے برابر ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اعتراض سے ہوائے محرومی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور تمام مخلوق میں بد بخت شخص وہ ہے جو پیرانِ عظام کے اس بزرگ گروہ کا عیب بین ہو۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اس گناہِ عظیم سے بجائے۔ (آمین)

اور اپنے پیر و مرشد سے کرامتیں طلب نہ کرے۔ اگرچہ وہ طلب دل میں و سوسہ اور خطرہ کی طرح ہی گذرے۔ کیا تو نے کبھی سنا ہے کہ کسی مومن نے کسی پیغمبر سے معجزہ طلب کیا ہو۔ معجزے کے طالب تو کافر اور منکر لوگ ہوا کرتے ہیں۔

مرید کے دل میں پیر کے متعلق جوشبہ پیدا ہو پیر سے اس کا حل دریافت کرے۔ اگر حل سمجھ میں نہ آئے پھر بھی اپنا قصور سمجھے۔ پیر کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرے۔ جہاں سے فیض ملے اسکو اپنے پیر ہی کا فیضان سمجھے اور یقین جانے کہ میرے پیر کا لطیفہ دوسرے شیخ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔



اگر شبہ پیدا شود در خاطر از بے توقف عرض نماید اگر حل نشود تقصیر بر خود بند آواز خود را بر آواز او بلند نکند و سخن بلند با و نگوید کہ سوء ادب است و ہر فیضی و فتوحی کہ برسد آنرا بتوسط پیر تصور نماید الخ

ترجمہ: اگر مرید کے دل میں کوئی شبہ پیدا ہو تو بلا توقف عرض کر دے اگر حل نہ ہو تو پھر بھی اپنی تقصیر سمجھے اور پیر کی طرف کسی قسم کی کوتاہی یا عیب منسوب نہ کرے۔ جو واقعہ ظاہر ہو پیر سے پوشیدہ نہ رکھے اور واقعات کی تعبیر اسی سے دریافت کرے اور جو تعبیر خود طالب پر ظاہر ہو وہ بھی عرض کر دے اور اس میں درستی یا خطا کو اسی سے طلب کرے اور اپنے کشف پر ہرگز بھروسہ نہ کرے کیونکہ اس جہاں میں حق، باطل کے ساتھ اور ثواب، خطا کے ساتھ ملا جلا ہے اور بلا ضرورت و بے اذن اس سے جدا نہ ہو کیونکہ غیر کو اس کے اوپر اختیار کرنا ارادت کے خلاف ہے اور اپنی آواز کو پیر کی آواز پر بلند نہ کرے اور اونچی آواز سے اس کے ساتھ گفتگو نہ کرے۔ کہ یہ بے ادبی میں داخل ہے اور مرید کو جو فیوض اور فتوحات حاصل ہوں ان کو پیر کی وساطت سے تصور کرے اور اگر فی الواقعہ دیکھے کہ کوئی فیض کسی دوسرے بزرگ سے ملا ہے تو اس کو بھی اپنے پیر کا ہی فیض سمجھے کیونکہ پیر کمالات و فیوض کا جامع ہے۔ وہ خاص فیض پیر سے مرید کی خاص استعداد کے مناسب بزرگوں میں سے ایک بزرگ کے کمال کے موافق کہ جس سے یہ صورت افاضہ (فیض دینا) ظاہر ہوئی ہے مرید کو پہنچا ہے اور وہ پیر کے لطائف میں سے ایک لطیفہ ہے جو اس فیض سے مناسبت رکھتا ہے اس شیخ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ بواسطہ ابتلاء یا غلبہ محبت مرید نے اس کو دوسرا شیخ خیال کیا ہے اور فیض اس کی طرف سے محسوس کیا ہے یہ بڑا بھاری مغالطہ ہے۔ اللہ تعالیٰ لغزش سے محفوظ رکھے اور سید البشر ﷺ کی طفیل پیر کی محبت اور اعتقاد پر ثابت قدم رکھے (آمین)

الغرض طریقت سراسر ادب ہے مثل مشہور ہے کوئی بے ادب خدا تک نہیں پہنچا

اور اگر مرید بعض اوقات آداب بجالانے میں اپنے آپ کو قصور وار جانے اور کما حقہ اس کو ادا نہ کر سکے اور کوشش کے باوجود بھی آداب پورے نہ کر سکے تو اس کو معاف ہے۔ لیکن قصور اور کوتاہی کا اعتراف ضروری ہے اگر نعوذ باللہ پیر کے آداب کی رعایت بھی نہ کرے اور اپنے آپ کو قصور وار بھی نہ جانے تو وہ ان بزرگوں کی برکتوں سے محروم رہتا ہے۔ جس کی قسمت میں ہدایت نہ ہو وہ نبی (ﷺ) کی زیارت کے باوجود بھی بد قسمت رہتا ہے۔

سلسلہ نقشبندیہ میں فیض کا حصول پیر کی صحبت اور تعلیم طریقہ پر منحصر ہے

پیری مریدی در طریقہ علیہ نقشبندیہ بہ تعلیم و تعلم طریقہ است نہ بکلاہ و شجرہ کہ در سلاسل دیگر متعارف است طریق ایس بزرگواراں صحبت است و تربیت ایشان انعکاسی است لا جرم در بدایت ایشان نہایت دیگران اندراج یافتہ است..... الخ (دفتر دوم مکتوب ۱۸)

ترجمہ: سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں پیری مریدی طریقہ کے سیکھنے اور سکھانے پر منحصر ہے نہ کہ ٹوپی، دستار و شجرہ جیسا کہ بعض دوسرے سلسلوں میں مشہور ہے۔ اس سلسلہ کے بزرگوں کا طریقہ صحبت ہے اور ان کی تربیت انعکاسی ہے اسی لئے انکی ابتداء میں دوسروں کی انتہاء مندرجہ ہیں۔

مرید کلی طور پر پیر کے تابع رہنا چاہئے

اختیار خود را بالکلیہ در اختیار شیخ گم کند و خود را از جمیع مرادات تہی ساختہ کمر ہمت را در خدمت او بندد و ہر چہ شیخ

اور الامر فرماید۔ سرمایہ سعادت خود را در آن دانسته در امتثال آن بجاں سعی نماید..... الخ (دفتر اول مکتوب ۲۸۶)

ترجمہ: مرید کے لئے لازم ہے کہ اپنے اختیار کو مکمل طور پر پیر کے اختیار میں گم کر دے اور اپنے آپ کو تمام مرادوں سے خالی کر کے اسکی خدمت میں کمر ہمت باندھ لے اور جو کچھ پیر حکم دے اس کو اپنی سعادت کا سرمایہ سمجھ کر اس کے پورا کرنے میں جان سے کوشش کرے پیر مقتداء اگر ذکر کو مرید کی استعداد کے مناسب دیکھے گا تو ذکر کرائے گا اور اگر توجہ و مراقبہ کے مناسب سمجھے گا تو اس کی طرف اشارہ کرے گا اور اگر مرید کے لئے صرف صحبت میں رہنا کافی دیکھے گا تو اس کا امر کرے گا۔ الغرض پیر کی صحبت حاصل ہونے کے بعد اس راہ کی شرائط میں سے کسی شرط کے فکر کرنے کی حاجت نہیں۔ پیر جو کچھ طالب کے مناسب حال دیکھے گا فرما دے گا۔

سچا مرید کون ہے؟

بزرگے فرمودہ است مرید صادق آنست کہ مدت بست سال

کا تب شمال او چیزے نیا بد کہ بروے نویسد (دفتر اول مکتوب ۲۲۲)

ترجمہ: ایک بزرگ نے فرمایا کہ سچا مرید وہ ہے کہ بیس سال تک اس کی بائیں طرف کے عمل لکھنے والے فرشتے (کرانا کاتبین) اس کے عمل نامہ میں کچھ (گناہ وغیرہ) لکھنے نہ پائیں۔

پیر کی صحبت ذکر حق سے زیادہ مفید ہے

حضرت خواجہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز

در فقرات می آرند کہ سایہ رہبر بہ است از ذکر حق بہ گفتن

باعتبار نفع است (دفتر اول مکتوب ۱۸۷)

ترجمہ: حضرت خواجہ احرار قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں ”کہ ذکر سے پیر کا سایہ بہتر

ہے“ یہاں بہتر کہنا نفع اور فائدہ کے اعتبار سے ہے کیونکہ مرید ابھی مذکور (ذات خدا) کے ساتھ کامل مناسبت نہیں رکھتا لہذا ایسی حالت میں صحبت شیخ زیادہ فائدہ دیتی ہے۔

ناقص پیر سے تعلیم حاصل کرنا بدعت باعث نقصان ہے

وَمَا يَنْبَغِي أَنْ يُعْلَمَ أَنَّ أَضَاعَةَ الْأَرْضِ وَتَعْطِيلَهَا أَمَّا بَانَ لَا يَزِرُ فِيهَا شَيْئًا أَوْ أَلْقَى فِيهَا بِذُرًّا خَبثًا فَاسِدًا وَهَذَا لِقِسْمٍ مِنَ الْأَضَاعَةِ أَشَدَّ مَضَرَّةً وَأَكْثَرَ فَسَادًا مِنَ الْقِسْمِ الْأَوَّلِ..... (الآخرہ) (دفتر اول مکتوب ۲۳)

ترجمہ: جاننا چاہئے کہ زمین کا ضائع کرنا دو طریق پر ہے ایک یہ کہ اس میں کچھ نہ بوئے اور دوسرے یہ کہ اس میں خبیث اور خراب بیج ڈالے اور دوسری قسم ضائع کرنے میں پہلی قسم کی بہ نسبت زیادہ ضرر رساں ہے اور بیج کا خبیث و خراب ہونا اس طرح پر ہے کہ ناقص پیر سے طریقہ اخذ کوئے اور اس کے مسلک پر چلنے لگے کیونکہ ناقص پیر حرص اور طمع کے تابع ہوتا ہے اور جو حرص و طمع کے تابع ہو اس کی کچھ تاثیر نہیں ہوتی اور اگر بالفرض تاثیر ہو بھی تو وہ اسکی حرص و ہوا کو ہی زیادہ کرے گی۔ پس اس کا نتیجہ تاریکی پر تاریکی ہے نیز چونکہ ناقص پیر خود ہرگز واصل نہیں اسلئے اس کو خدا تک پہنچانے اور نہ پہنچانے والے راستوں کے درمیان تمیز حاصل نہیں ہے..... اگر ایسے ناقص پیر نے کسی مرید کو طریق سلوک پر چلایا تو جیسا خود گمراہ تھا اس مرید کو بھی راہ حق سے گمراہ کر دیا..... طالب کے لئے ایسے ناقص پیر کی صحبت زہر قاتل ہے۔

اور اسکی طرف رجوع کرنا مہلک مرض ہے..... مثلاً جو مریض ناقص طبیب سے دوائی کھاتا ہے وہ اپنے مرض کے زیادہ کرنے میں کوشش کرتا ہے اور مرض دور ہونے کی قابلیت ضائع کر دیتا ہے اگرچہ ابتداء میں اس دوائی سے مرض میں کچھ تخفیف ہو جائے لیکن حقیقت میں یہ عین نقصان ہے۔ یہی مریض اگر بالفرض کسی حاذق طبیب کے پاس جائے تو وہ طبیب پہلے اس دوائی کی تاثیر کو دور کرنے کی فکر کرے گا اور مسہلات

کے ساتھ اس کا علاج کرے گا۔ اس تاثیر کے زائل ہو جانے کے بعد اس کے اصل مرض کے ازالہ کی فکر کرے گا۔ ان بزرگوں کے طریق کا مدار صحبت پر ہے صرف کہنے سننے سے کام نہیں بن سکتا بلکہ طلب میں سستی پیدا ہو جاتی ہے۔

پیر اپنے مریدوں میں ایسا ہے جیسا کہ نبی اپنی امت میں

بداندکھ مقامی شیخی و دعوت خلق بحق جل و علا بس مقام عالی است (الشَّيْخُ فِي قَوْمِهِ كَالنَّبِيِّ فِي أُمَّتِهِ) شنیدہ باشد ہر بے سرو برگ را بایں منزلت علیہ چہ مناسبت علم بتفصیل احوال و مقامات و معرفت بحقیقت مشاہدات و تجلیات و حصول کشف و الہامات و ظہور تعبیرات و اقعات از لوازم این مقام عالی ست ”وَبَدُونَهَا خَرُطُ الْقَتَاد“ (دفتر اول مکتوب ۲۲۲)

ترجمہ: جاننا چاہئے کہ پیر بننے اور حق کی طرف مخلوق کو دعوت دینے کا مقام بہت ہی بلند ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ ”پیر مریدوں میں ایسا ہے جیسا کہ نبی اپنی امت میں“ ہر بے سرو سامان کو اس بلند مرتبہ کے ساتھ کیا مناسبت ہے۔

احوال و مقامات کا مفصل علم ہونا مشاہدات اور تجلیات کی حقیقت کو پہچاننا کشفوں اور الہامات کا حاصل ہونا اور واقعات کی تعبیرات کا ظاہر ہونا اس بلند مقام کے لوازمات سے ہے اور امور مذکورہ کے حاصل ہوئے بغیر پیر بننے کا دعویٰ کرنا بے فائدہ رنج و تکلیف (اور کانٹوں والے درخت پر ہاتھ پھیرنا) ہے۔

پیر سے مدد طلب کرنا اور اس کا کرتہ بطور تبرک رکھنا

میدانی کہ پیر کیست پیر آن کس است کہ از و طریق و وصول بجناب قدس خداوندی جل شانہ استفادہ نمائی و مدد ہا و اعانت

ہادریں طریق یابی..... مگر آنکہ جامہء تبرک از شیخ کامل و مکمل بدست آری و باعتقاد و اخلاص باور زندگانی نمائی احتمال ثمرات و نتائج دریں صورت قوی است۔ (دفتر اول مکتوب ۱۹۰)

ترجمہ: تو جانتا ہے پیر کون ہے؟ پیر وہ ہے جس سے تو خدا تعالیٰ کی جناب تک پہنچنے کا راستہ سیکھے اور اس راستہ میں تو اس سے امداد و اعانت (روحانی) حاصل کرے..... ہاں یہ بات درست ہے کہ پیر کامل، مکمل کا کرتہ (کپڑا) بطور تبرک اپنے پاس رکھے اور اس کے ساتھ اعتقاد و اخلاص سے زندگی گزارے۔ شیخ کے کرتے کو پاس رکھنے میں ثمرات و نتائج کا قوی احتمال ہے۔

پیر کے حقوق

خدا (عز و جل) اور رسول (علیہ التحیۃ والثناء) کے بعد
سب سے زیادہ ہیں

جاننا چاہیے کہ پیر کے حقوق تمام حقوق والوں کے حقوق سے زیادہ ہیں۔ بلکہ پیر کے حقوق اللہ تعالیٰ کے انعامات اور رسول کریم علیہ الصلوٰات والتسلیمات کے احسانات کے بعد دوسروں میں سے کسی کے حقوق سے نسبت نہیں رکھتے۔ بلکہ سب کے مرشد حقیقی رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اگرچہ ظاہری ولادت والدین سے ہے مگر ولادت معنوی پیر کے ساتھ مخصوص ہے ظاہری ولادت کی زندگی چند روزہ ہے اور ولادت معنوی کی زندگی ابدی ہے۔ پیر ہی ہے جو مرید کی نجاسات معنویہ (اندرونی پلیدیوں) کو اپنے قلب و روح سے صاف کرتا ہے اور اس کے معدہ کو پاک کرتا ہے ان تو جہات میں جو بعض طالبوں کی نسبت وقوع میں آتی ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ انکی باطنی نجاستوں کے پاک کرنے میں صاحب توجہ کو بھی کچھ آلودگی پہنچتی ہے اور کچھ دیر تک مکدر رکھتی ہے۔ پیر ہے کہ جس کے وسیلہ سے خدا عز و جل تک پہنچتے ہیں جو دنیا و آخرت کی تمام سعادتوں سے بڑھ کر ہے۔



پیر ہے کہ جس کے وسیلہ سے نفس امارہ جو بذات خود خبیث ہے پاک ہو جاتا ہے اور امارگی سے اطمینان تک پہنچتا ہے۔ اور کفر ذاتی سے اسلام حقیقی میں آ جاتا ہے۔ پس مرید کو چاہئے کہ اپنی سعادت پیر کے قبول کر لینے میں جانے اور اپنی بدبختی پیر کے رد کرنے میں سمجھے۔ (العیاذ باللہ)

حق سبحانہ تعالیٰ کی رضا کو پیر کی رضا کے پردے کے پیچھے رکھا ہے جب تک مرید اپنے آپ کو پیر کی پسندیدہ چیزوں میں گم نہ کر دے اللہ تعالیٰ کی رضا مند یوں میں نہیں پہنچ سکتا۔ مرید کی آفت پیر کی ایذا اور ناراضگی میں ہے۔ اس کے سوا جو لغزش ہو اس کا علاج ممکن ہے لیکن ایذائے پیر کا علاج کسی چیز سے ممکن نہیں۔ کیونکہ مرید کے لئے بدبختی کی جڑ اور بنیاد پیر کی ناراضگی ہے۔ (العیاذ باللہ)

اعتقادات اسلامیہ میں خلل اور احکام شرعیہ کی بجا آوری میں سستی کا واقع ہو جانا پیر کی ناراضگی اور غضب کے نتائج و ثمرات میں سے ہے احوال و مواجید کہ جن کا تعلق باطن سے ہے ان میں جس قدر خلل اور سستی واقع ہوتی ہے اس کا کیا ذکر کروں۔ اگر باوجود آزار پیر کے احوال و مواجید میں کچھ اثر باقی رہے تو اس کو استدراج سمجھنا چاہیے کیونکہ پیر کے ناراض ہو جانے کا نتیجہ عاقبت کی خرابی اور نقصان ہے (مبداء و معاد) وما علینا الا البلاغ المبین

قارئین کی توجہ کیلئے

اس مقالہ میں قیوم اول حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی میں پیری مریدی کے آداب و شرائط اور پیر بھائیوں کے باہمی تعلقات نہایت اختصار کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں۔ تاکہ میدان طریقت کے مسافر اس چراغ کی روشنی میں منزل تک پہنچ سکیں۔ اعتراض یا تنقید کرنے والے حضرات کی تسکین کے لئے اس میں کوئی سامان موجود نہیں۔

من آنچہ شرط بلاغ است با تو می گوئم
تو خواہ از خنم پند گیر و خواہ ملال

لطائف عشرہ

حضرت امام ربانی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ انسان کی ساخت دس اجزاء سے ہوئی ہے ان میں سے پانچ عالم خلق کے اجزاء ہیں اور پانچ عالم امر کے اجزاء ہیں۔ ان ہی اجزائے عشرہ کو لطائف عشرہ کہا جاتا ہے۔

انسان لطائف عشرہ سے مرکب ہے ان میں پانچ لطائف عالم خلق سے ہیں جو عرش کے نیچے کی مخلوقات سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ عناصر اربعہ (ہوا، پانی، آگ، مٹی) اور لطیفہ نفس ہیں۔

دوسرے پانچ لطائف عالم امر سے ہیں جو عرش سے اوپر کی مخلوق سے تعلق رکھتے ہیں ان کا وطن اصلی فوق العرش (عالم ارواح) ہے لیکن ان کے تعینات انسان کے جسم میں جدا جدا مقام رکھتے ہیں اور وہ قلب، روح، سر، خفی، انھی ہیں۔

جسم انسانی میں یہی وہ مواضع ہیں جن پر انوار و اسرار اور فیوض و برکات الہیہ کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ گویا یہ لطائف اللہ تعالیٰ تک پہنچانے کے مختلف راستے ہیں اور ہر راستہ ایک اولوالعزم رسول کے زیر قدم ہے، انسانی جسم میں آ کر انکی نورانیت زائل ہو گئی ہے اس لئے سالکین ذکر کرنے کے ذریعے دوبارہ ان کو نورانی بنا لیتے ہیں۔

لطیفہ : - انسان کے جسم میں محل نور کو لطیفہ کہتے ہیں اور اس کو نفس ناطقہ بھی کہتے ہیں یہ وہ جوہر ہے جو مادہ سے خالی ہوتا ہے وہی الجوہر المجرد عن المادۃ

(کتاب التعریفات)

ان لطائف کا اصل مقام عرش کے اوپر ہے لیکن جسم انسانی کے ساتھ ان کا ایک لطیف تعلق قائم ہے، جسکی تطہیر سے سالکین کو عالم امر میں روحانی سیر و عروج نصیب ہوتا ہے۔

لطائف کے نام قرآن میں

صوفیائے کرام نے لطائف کے اصطلاحی نام قرآن حکیم سے لئے ہیں۔

مثلاً..... قلب، روح، سر، خفی، انہی اور نفس کا ذکر درج ذیل آیات میں ہے

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرًا لِّمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ (ق ۳۷)

قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي (بنی اسرائیل، ۸۵)

(طہ، ۷)

فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى

(الاعراف، ۵۵)

أَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً

(الشمس، ۷)

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا

فائدہ:- صوفیائے محققین کے نزدیک لطائف کے انوار میں جو اختلاف ہے وہ مکشوفات کے اعتبار سے اختلاف ہے۔ لہذا لطائف کے انوار کو رنگوں کے ساتھ مخصوص و مقید جاننا لازمی نہیں کیونکہ مقصود، دائمی ملکہ ذکر ہے نہ کہ رنگ و نور، البتہ اگر لطائف کے رنگ کبھی ظاہر بھی ہوں تو مضائقہ نہیں۔

مقامات لطائف عالم امر

لطیفہ قلب:- لطیفہ قلب کا مقام انسان کے جسم میں بائیں پستان کے نیچے دو انگشت کے فاصلے پر مائل بہ پہلو ہے اس کی فنا، قلب پر اللہ تعالیٰ کی تجلی فعل کا ظہور ہے اس کی علامت، ذکر کے وقت ماسوی اللہ کا نسیان اور ذات حق کے ساتھ محویت ہے (اگرچہ تھوڑی دیر کے لئے ہو) اس کی تاثیر رفع غفلت اور دفع شہوت کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس کا نور زرد ہے۔

لطیفہ روح:- اس کا مقام انسان کے سینے میں دائیں پستان کے نیچے دو انگشت کے فاصلے پر مائل بہ پہلو ہے۔ اس کی فنا روح پر اللہ تعالیٰ کی تجلی صفات کا ظہور ہے۔



اس کی علامت ذکر کے وقت کیفیات ذکر (قلبی و روحی) میں اضافہ و غلبہ ہے۔ اس کی تاثیر، غصہ و غضب کی کیفیت میں اعتدال اور طبیعت میں اصلاح و سکون کی کیفیت کا ظہور ہے۔ اس کا نور سرخ ہے۔

لطیفہ سر: اس کا مقام انسان کے سینے میں بائیں پستان کے برابر دو انگشت کے فاصلے پر مائل بہ وسط سینہ ہے۔ اس کی فنا لطیفہ سر پر اللہ تعالیٰ کی صفات کے شیونات و اعتبارات کا ظہور ہے۔

اس کی علامت، ہر دو سابقہ لطیفوں کی طرح اس میں ذکر کا جاری ہونا اور کیفیات میں ترقی رونما ہونا ہے۔ (یاد رہے کہ یہ مشاہدہ اور دیدار کا مقام ہے) اس کی تاثیر طمع اور حرص کے خاتمے نیز دینی امور کے معاملے میں بلا تکلف مال خرچ کرنے اور فکر آخرت کے جذبات کی بیداری سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس کا نور سفید ہے۔

لطیفہ خفی: اس کا مقام انسان کے سینے میں دائیں پستان کے برابر دو انگشت کے فاصلے پر مائل بوسط سینہ ہے۔ اس کی فنا صفات سلبیہ تنزیہیہ کا ظہور ہے۔ اس کی علامت اس میں ذکر کا جاری ہونا اور عجیب و غریب احوال کا ظہور ہے۔ اس کی تاثیر حسد و بخل اور کینہ و غیبت جیسی امراض سے مکمل نجات حاصل ہو جانے سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس کا نور سیاہ ہے۔

لطیفہ اخفی: اس کا مقام انسان کے جسم میں وسط سینہ ہے۔ اس کی فنا مرتبہ تنزیہ اور مرتبہ احدیت مجردہ کے درمیان ایک برزخی مرتبے کے ظہور و شہود سے وابستہ ہے اور یہ ولایت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰات کا مقام ہے۔

اس کی علامت اس میں بلا تکلف ذکر کا جاری ہونا اور قرب ذات کا احساس و شہود ہے اس کی تاثیر تکبر، فخر و غرور اور خود پسندی جیسی مہلک روحانی امراض سے رہائی پانے اور مکمل حضور و اطمینان کے حصول سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اس کا نور سبز ہے۔



فائدہ:- واضح ہو کہ لطائف عالم امر کو کمالات ولایت کے ساتھ مناسبت ہے اور لطائف عالم خلق کو کمالات نبوت کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے، عالم امر کے پانچوں لطیفوں میں سے ہر ایک لطیفہ کو عالم خلق کے کسی نہ کسی لطیفہ کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے، مثلاً لطیفہ قلب کو لطیفہ نفس کے ساتھ، لطیفہ روح کو لطیفہ آب کے ساتھ، لطیفہ سر کو لطیفہ باد کے ساتھ، لطیفہ خفی کو لطیفہ نار کے ساتھ، لطیفہ انہی کو لطیفہ خاک کے ساتھ

(ملخصاً مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۲۱۳)

نیز یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ عالم خلق کے لطائف عالم امر کے لطائف کی اصل ہیں، یعنی لطیفہ نفس کا معاملہ، لطیفہ قلب کے معاملے کی اصل ہے اور لطیفہ باد (ہوا) کا معاملہ لطیفہ روح کے معاملے کی اصل ہے۔ لطیفہ آب (پانی) کا معاملہ لطیفہ سر کے معاملے کی اصل ہے۔ لطیفہ نار (آگ) کا معاملہ لطیفہ خفی کے معاملے کی اصل ہے۔ لطیفہ خاک (مٹی) کا معاملہ لطیفہ انہی کے معاملے کی اصل ہے۔

مقامات لطائف عالم خلق

لطیفہ نفس:- یہ عالم خلق کا پہلا لطیفہ ہے سلسلہ نقشبندیہ میں اس کا مقام وسط پیشانی یا ام الدماغ ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا مقام متصل زیر ناف ہے اگرچہ بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے لیکن ارباب عرفان کے نزدیک ابتدا اور انتہا کا فرق ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں تطبیق فرمائی ہے کہ اس کا سر ام الدماغ یا وسط پیشانی ہے اور اس کا قدم متصل زیر ناف ہے (اہل کشف کے نزدیک ہر دو مقام نفس کے لحاظ سے برابر ہیں) اس کا نور سبز اور نیلگوں ہے اسکی تاثیر نفسانیت اور سرکشی کے مٹ جانے، عجز و انکساری کا مادہ پیدا ہونے اور ذکر میں ذوق و شوق بڑھ جانے سے ظاہر ہوتی ہے۔

لطیفہ قلبیہ:- یہ عالم خلق کا بظاہر دوسرا لطیفہ ہے لیکن درحقیقت چاروں



لطائف (ہوا، پانی، آگ اور مٹی) پر مشتمل ہے۔ اس کا مقام سارا قالب (جسم) ہے۔ (بعض کے نزدیک متصل ناف ہے) اس کی علامت ہر ہر جزو بدن اور بال بال سے ذکر کا جاری ہو جانا ہے۔ اس کی تاثیر رذائل بشریہ اور علائق دنیویہ سے مکمل رہائی پا لینے سے ظاہر ہوتی ہے اس کا نور آتش نما ہے

(تفسیر مظہری، الحدیقہ الندیہ، اسرار طریقت، عمدہ السلوک وغیرہ)

مقامات لطائف کا ثبوت

لطائف کے مقامات کے تعین و ثبوت کیلئے صوفیائے فن طریقت کی تصریحات و تعلیمات ہی دلیل کے لئے کافی ہیں۔ کیونکہ وہ احکام روحانیہ، باطنیہ کے مجتہد ہوتے ہیں۔

جس طرح فقہائے مجتہدین احکام ظنیہ، ظاہرہ کا استنباط کرتے ہیں اسی طرح صوفیائے مجتہدین بھی احکام ظنیہ باطنیہ کا استخراج کرتے ہیں اور جس طرح قیاس و رائے کی صحت کا معیار کتاب و سنت کی مطابقت ہے اسی طرح کشف و الہام کی صحت کا معیار بھی کتاب و سنت کی موافقت ہے اور یہ امر بھی مستحضر رہے کہ کشف و الہام اور فراست و بصیرت کا نور صوفیاء و فقہاء کی برابر رہنمائی کرتا رہتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗۙ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ (الزمر ۲۲)

یعنی تو کیا جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا تو وہ اپنے رب

کی طرف سے نور پر ہے

فتح الباری میں ہے۔

اِنَّمَا الْاِلٰهَامُ نُوْرٌ يَّخْتَصُّ بِہِ اللّٰهُ تَعَالٰی مِنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادہٗ

یعنی الھام ایک نور ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کے ساتھ مخصوص فرمالتا ہے۔

فائدہ:- فقہاء کا اجتہاد مرتبہ میں مقدم ہوتا ہے کیونکہ صوفیاء کرام فقہاء عظام کے مقلد ہوتے ہیں۔ اس کی دلیل بھی صوفیاء کا تعامل ہے۔ لہذا مسائل شرعیہ، فقہیہ میں علماء و فقہاء کے اقوال کو معتبر سمجھا جائے گا۔ اور مسائل روحانیہ ذوقیہ و احکام باطنیہ میں صوفیاء کے اقوال و احوال کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ لِكُلِّ فَنٍّ رِجَالٌ كَمُطَابِقِ ہر فن کیلئے مخصوص افراد ہوتے ہیں۔

حدیث ابو محذورہ:- صوفیائے کرام نے لطائف کے جن مقامات کی تخصیص و تعیین فرمائی ہے۔ اس کی تائید میں مندرجہ ذیل حدیث مبارکہ ملاحظہ ہو۔

ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ عَلَى نَاصِيَةِ أَبِي مَحْذُورَةَ ثُمَّ أَمَرَهَا عَلَى وَجْهِهِ مِنْ بَيْنِ ثَدْيَيْهِ وَفِي نُسْخَةٍ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ ثُمَّ عَلَى كَبِدِهِ ثُمَّ بَلَغَتْ يَدُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ سُرَّةَ أَبِي مَحْذُورَةَ ثُمَّ قَالَ ﷺ بَارَكَ اللَّهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكَ (ابن ماجہ باب ترجیح الاذان)

ترجمہ:- پھر سرور عالم ﷺ نے ابو محذورہ کے ماتھے پر ہاتھ رکھا پھر اپنا ہاتھ مبارک ان کے چہرے پر پھیرتے ہوئے سینے پر لے گئے اور ایک نسخہ میں ہے کہ اس کے جگر پر لے گئے۔ پھر آپ ﷺ کا ہاتھ مبارک ان کی ناف تک پہنچا۔ پھر آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے اور تجھ پر برکت نازل فرمائے۔

فائدہ:- حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نے حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کے سر سے لیکر ناف تک ہاتھ پھیرا اور برکت کیلئے دعا مانگی۔ ارادی طور پر جسم کے اتنے حصے پر ہاتھ پھیرنا کسی طرح بھی حکمت سے خالی نہ تھا جیسا کہ اہل بصیرت پر ظاہر ہے جب کہ جسم کا یہی حصہ لطائف کے مقامات کا حصہ ہے۔ بہر حال



حدیث سے ان مقامات کا اہم اور متعین و متبرک ہونا ثابت ہو گیا۔ (فہو المراد)

لطیفہ جاری ہونے کا مطلب :- کسی بھی لطیفہ میں ذکر جاری ہونے

کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مضغہ گوشت یا لطیفہ کا مقام جنبش و حرکت کرتا ہے۔ بلکہ ”حرکت ذکر از دل بہ سمع خیال برسد“ یعنی دل سے ذکر کی حرکت خیال کے کانوں تک پہنچتی ہے“ اور خیال کے کان دل کا ذکر (لفظ اللہ کا تکرار) سنتے ہیں۔

بعض مشائخ مبتدی کیلئے مضغہ گوشت کی ظاہری طور پر حرکت و جنبش کو ضروری سمجھتے ہیں اور اسی طریق پر مریدین کو ذکر القاء کرتے ہیں لیکن حقیقت الامر یہی ہے کہ ذکر قلبی وغیرہ میں مقام لطیفہ کی حرکت ضروری نہیں۔ حضور قلبی (یعنی غفلت کا نہ رہنا) اور حضور مع اللہ ہی لطیفہ جاری ہونے کی ضروری علامت ہے و هو المقصود ہمارے مشائخ نے فرمایا۔ حقیقة الذکر رفع الغفلة یعنی ذکر کی حقیقت غفلت کا نہ رہنا ہے۔

جذب و سلوک

جذب کا معنی ہے ”کشش“ یعنی اللہ تعالیٰ کا بندے کو اپنی طرف کھینچ لینا، مجذوب وہ ہے جس پر اللہ کی طرف سے ایسا جذبہ طاری ہو جائے کہ بلا کسب و مجاہدہ محض اللہ کے فضل سے اس کے باطنی مقامات طے ہو جائیں اور واصل باللہ ہو جائے۔ لیکن بقا بعد الفناء اور صحو بعد المحو اور جمع الجمع کے مرتبے تک نہ پہنچ سکے۔

سلوک کا معنی ہے ”راستہ“ یعنی اللہ تعالیٰ کے قرب اور وصل کے راستے پر چلنا۔ سالک وہ ہے جو قرب حق کے راستوں اور طریقت کی منزلوں کو مجاہدات و ریاضات اور اتباع سنت و شریعت کے ذریعے طے کر کے مقصود تک پہنچے۔

سالکین کو کبھی وصول الی اللہ پہلے حاصل ہو جاتا ہے پھر شوق عبادت اور ذوق ریاضت اس کے بعد پیدا ہوتا ہے اس کو طریق جذب کہتے ہیں اور کبھی مجاہدہ و ریاضت کا شوق پہلے پیدا ہو جاتا ہے اور وصول الی اللہ بعد میں میسر ہوتا ہے۔ اس کو طریق سلوک کہتے ہیں۔

فائدہ : صوفیاء کے نزدیک آیت قرآنیہ **اللَّهُ يُجْتَبَىٰ إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ** (الشوری، ۱۳) میں اجتباء سے مراد جذبہ ہے اور اجتداء سے مراد سلوک ہے۔ نیز سلوک پر جذبہ کی تقدیم بھی ثابت ہوئی۔ اسی لئے مشائخ نقشبندیہ جذبہ کو سلوک پر مقدم رکھتے ہیں اور مجذوب سالک کہلاتے ہیں۔ اسی طرح **وَأَجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ** (الانعام) میں اول کا حاصل جذب ہے اور ثانی کا حاصل سلوک ہے۔

اقسام سالک

سالک کی دو قسمیں ہیں۔ سالک مجذوب اور مجذوب سالک۔

سالک مجذوب وہ ہے جس کو سلوک کی انتہاء میں جذبہ نصیب ہو۔

مجذوب سالک وہ ہے جس کے سلوک کی ابتداء جذبہ سے ہو۔

نقشبندی مشائخ مجذوب سالک ہوتے ہیں انکا سلوک جذبہ سے شروع ہوتا ہے۔

فائدہ :- جذبہ سے مقصود سلوک کی منزلوں کا آسانی کے ساتھ جلدی طے ہونا ہے۔

سلسلہ نقشبندیہ میں سالک کو نسبت جذبہ حضرت خواجہ بلاگرداں شاہ نقشبند بخاری اویسی

قدس سرہ العزیز کے توسل و فیضان سے ابتداء میں ہی حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ آپ کو

باطنی طور پر سیر آفاقی پر سیر انفسی کو اور سلوک پر جذبہ کو مقدم کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ تاکہ

سیر انفسی کے ضمن میں سیر آفاقی اور جذبہ کے ضمن میں سلوک خود بخود طے ہو جائے۔

جبکہ دوسرے سلسلوں میں سب سے آخر میں نسبت جذبہ عطا کی جاتی ہے

لیکن نقشبندی مشائخ ذکر قلبی کی توجہات کے ساتھ ہی جذبہ کی ابتدائی توجہ سے بھی

سرفراز فرمادیتے ہیں۔ تاکہ مرید اگر نسبت جذبہ کی تکمیل سے پہلے مرجائے تو محروم

مطلق نہ مرے کم از کم جذبہ کی لذت تو چکھ لے۔

اقسام جذبہ

جذبہ کی دو قسمیں ہیں۔ جذبہ صوری اور جذبہ حقیقی

جذبہ صوری :- وہ جذبہ جو سیر فی اللہ سے قبل ابتدائے سلوک میں تصیفہء

اطائف سے پہلے حاصل ہوتا ہے اور صرف تسہیل منازل سلوک کے لئے عطا کیا جاتا



ہے اس کو جذبہء صوری کہتے ہیں اس کو جذبہ بدایت یا جذبہء اولی بھی کہا جاتا ہے۔
جذبہ حقیقی :- وہ جذبہ جو سیر فی اللہ کے دوران انتہائے سلوک میں حاصل ہوتا ہے اس کو جذبہ حقیقی کہتے ہیں اس کو جذبہء نہایت یا جذبہ ثانیہ بھی کہا جاتا ہے۔
 جذبہ حقیقی بلا امتیاز تمام سلاسل طریقت میں موجود ہے لیکن جذبہ صوری طریقہ نقشبندیہ کا خاصہ ہے اور یہ نعمت حضرت خواجہ بزرگ شاہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مخلصین کو بطور خیرات و صدقہ جاریہ عطا فرمائی ہے۔

اس حقیقت کا اظہار آپ نے یوں فرمایا ہے۔ ”مانہایت راد ر بدایت درج می کنیم“ یعنی وہ جذبہ جو تمام سلاسل کے سالکین کو آخر میں دیا جاتا ہے۔ ہم بفضلہ تعالیٰ اپنے سلسلے کے مریدین کے لئے اس کو انتہا سے ابتداء میں کھینچ لائے ہیں چنانچہ باقی سلاسل کی ابتدا عالم خلق کی سیر سے ہوتی ہے اور انتہا عالم امر کی سیر پر ہوتی ہے۔ لیکن سلسلہ نقشبندیہ میں اس کے برعکس عالم امر سے سیر شروع ہوتی ہے۔
 اس جذبہ کی تعریف میں آپ نے فرمایا

جذبۃ من جذبات الحق توازی عمل الثقلین (نجات الانس)
 یعنی ایک جذبہ اللہ تعالیٰ کے جذبات سے ساری کائنات کے جنوں اور انسانوں کے اعمال کے برابر ہے۔ یہ جذبہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی عطیات میں سے ہے اور اس کے فضل و کرم پر موقوف ہے۔

آپ نے فرمایا..... مافضلیانیم
 ہم فضلی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی نسبت فضل ہم کو حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ دوسروں کی نہایت ان بزرگوں کو بدایت میں میسر ہے ۔

اگر از جانب معشوق نباشد کشتے

کوشش عاشق بیچارا بجائے نرسد

طریقہ جذبہ صوری :- سلسلہ نقشبندیہ کے اکابر نے حصول جذبہ صوری

کا ایک مخصوص طریقہ وضع کیا ہے اور وہ تکرار اسم ذات نفی اثبات جس دم اور رعایت وقوف عددی ہے۔ جبکہ دوسرے سلاسل میں اس جذبہ ابتدائی کے حصول کا کوئی معین طریقہ اور مخصوص ضابطہ نہیں۔ البتہ اگر علی سبیل الاتفاق ان کو یہ جذبہ حاصل ہو جائے تو کوئی امر مانع بھی نہیں۔ (ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء)

توجہ شیخ

شیخ کا اپنی قوت ارادی اور قلبی طاقت سے طالب کے دل پر اثر ڈال کر اسکی باطنی حالت میں تبدیلی پیدا کر دینا توجہ کہلاتا ہے۔
سلوک کی منزلوں میں شیخ ہر سبق کیلئے توجہ کے ذریعے طالب کے لطائف پر فیض القا کرتا ہے اسکو تصرف یا ہمت بھی کہا جاتا ہے۔

توجہ کا ثبوت قرآن و حدیث سے

توجہ کے اس مفہوم کی قرآن و حدیث سے تائید ہوتی ہے جیسے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی توجہ اولاد کے لئے اصلاح احوال کا ذریعہ ثابت ہوئی۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے

يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ (یوسف)
یعنی تمہارے باپ کی توجہ تمہاری طرف ہوگی تو اس کے بعد تم صالحین بن جاؤ گے۔
یہاں صالحیت سے مراد صلاحیت دینیہ بھی ہے اور دنیویہ بھی۔ (فانہم)
دوسری جگہ ارشاد قرآنی ہے۔

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ إِنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا (النحل ۱۲)
”یعنی یاد کرو جب تمہارا رب فرشتوں کو حکم دیتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں پس تم ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو اور ان کی ہمت بڑھاؤ“

فرشتوں کے ایمان والوں کو ثابت قدم رکھنے اور ان کی ہمت بڑھانے کی یہی صورت ہے کہ ان کے دلوں میں ایسی قوت اور جذبہ القاء کریں کہ وہ کفار کے

مقابلے میں مضبوطی دکھائیں اور ڈٹ کر لڑیں۔ یہ عمل بھی توجہ ہی کہلائے گا۔

اسی طرح پہلی وحی کے نزول کے وقت جبریل امین علیہ السلام کا حضور سرور عالم ﷺ کو سینے سے لگا کر دبا نا قوت توجہ اور صرف ہمت کا واضح ثبوت ہے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

فَغَطَّنِي حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدُ
(بخاری ج ۱ ص ۲)

یعنی جبریل نے مجھے دبایا یہاں تک کہ مجھے مشقت پہنچی

اس حدیث کی شرح میں عارف کامل حضرت عبداللہ بن ابی حمزہ نے فرمایا۔

جرم الغط بالمغط وضمه اليه وهو احدى لطرق الافاضة

يحدث به في الباطن قوة نورانية

ترجمہ: یعنی اس حدیث میں اس امر پر دلیل ہے کہ دبانے والے کا اتصال اس کے جسم سے ہوا جس کو دبایا گیا ہے تو یہ اتصال حصول فیض کا ایک طریقہ ہے جس سے باطن میں ایک قوت نورانیہ پیدا ہو جاتی ہے۔

اسی طرح احادیث مبارکہ میں حضور علیہ السلام کا حضرت سیدنا عمر حضرت علی المرتضیٰ حضرت معاذ بن جبل حضرت ابو محمد زورہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پکڑ کر سینے پر ہاتھ رکھ کر سر سے ناف تک ہاتھ پھیر کر نظر خاص فرما کر توجہ کے ذریعے احوال و کیفیات بدل دینا تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ اسی طرح اولیاء کرام کی توجہات اور تصرفات سے بے شمار انسانوں کے دلوں اور دماغوں میں انقلاب پیدا ہونا توبہ کی توفیق ملنا اور فیض ولایت حاصل ہونا بھی تسلسل کے ساتھ ثابت ہے جس سے کسی بھی اہل عقل و فہم کو انکار نہیں ہو سکتا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

شیخ کی توجہ کے لئے طالب اور مرید کے قلب میں قبولیت کی استعداد کا ہونا



ضروری ہے اس لئے یہ اعتراض فضول ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے جناب ابوطالب وغیرہ پر توجہ کیوں نہ فرمائی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اہل اللہ کی توجہات حکمت خداوندی کے تابع ہوتی ہیں کیونکہ ہدایت اور ضلالت اللہ تعالیٰ کی مشیت پر منحصر ہے۔

يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا (البقرہ ۲۶)

اقسام توجہ

صوفیاء کرام نے توجہ و تصرف کی مختلف اقسام بیان فرمائی ہیں جن میں سے تین اقسام زیادہ معروف ہیں۔

توجہ انعکاسی: جیسے کسی چیز پر شیشے یا روشنی کا عکس اور پر تو پڑنا یا اہل مجلس کا عطر وغیرہ کی خوشبو پانا انعکاسی توجہ کے مشابہ ہے۔ یہ توجہ وقتی اور عارضی ہوتی ہے اس قسم کا اثر بھی تھوڑی دیر کیلئے ہوتا ہے اسلئے یہ توجہ اگرچہ ضعیف ہوتی ہے لیکن فائدے سے خالی نہیں۔

توجہ القائی: اس توجہ کی مثال یوں ہے جیسے کوئی شخص دیئے میں بتی اور تیل ڈال کر لایا تو دوسرے نے آگ لگا کر روشن کر دیا۔ یہ تاثیر کچھ طاقت رکھتی ہے اور کچھ دیر اسکا اثر باقی رہتا ہے لیکن جب کوئی بیرونی صدمہ پہنچے مثلاً آندھی، بارش وغیرہ تو اس کا اثر جاتا رہتا ہے اس لئے یہ توجہ کسی حد تک مفید ضرور ہے لیکن لطائف کی مکمل اصلاح نہیں کر سکتی۔ اس لئے مرید کو مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

توجہ اتحادی: یہ توجہ سب سے زیادہ قوی ہوتی ہے اس میں شیخ اپنی پوری ہمت صرف کر کے اپنی روح کے کمالات طالب کی روح میں القاء کر دیتا ہے اس طرح کہ دونوں روہیں باہم جذب ہو جاتی ہیں جیسے کہ خواجہ بیرنگ حضرت خواجہ باقی باللہ

دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نانبائی کو توجہ اتحادی دے کر اسکے ظاہر و باطن کو اپنے جیسا بنادیا جس کو وہ ضبط نہ کر کے وصال پا گیا۔ (تفسیر عزیزی)

فائدہ: اولیائے کرام سے ازالہ گناہ، القائے توبہ، حل مشکلات، سلب امراض اور احیائے اموات کیلئے بھی توجہ ڈالنا ثابت ہے اور یہ معاملہ ان کی کرامات کے زمرے میں آتا ہے۔

طریق توجہ: شیخ مرید کو سامنے بٹھا کر اپنے قلب کو اس کے قلب پر غالب کرے اور خطرہ غیر کو اس کے قلب پر آنے سے روک کر جذبہ قلبی کے ساتھ مرید کے دل پر اپنی نسبت القاء کرے اور اپنے آپ کو ہر قسم کے خیالات سے خالی کر کے اپنے نفس ناطقہ کی طرف اس نسبت میں متوجہ ہو جائے جسکو طالب کے دل میں ڈالنا منظور ہو اور اپنی پوری باطنی ہمت کے ساتھ یہ تصور کرے کہ میرے دل سے فیوض و انوار طالب یا مرید کے دل میں سرایت کر رہے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ طالب کی قابلیت اور استعداد کے مطابق اسکو فیوض و برکات حاصل ہوں گے۔ اسی طرح مرید کے جس لطیفہ میں ذکر جاری کرنا مقصود ہوا اپنے اسی لطیفہ کو مرید کے لطیفہ کے مقابل سمجھ کر ہر قسم کے خیال کو دونوں طرف سے روک کر مرید کے دل کو اپنے دل کی طرف کھینچے اور اسم ذات کی ضرب لگائے تاکہ اس توجہ اور ضرب کے اثر سے مرید کے اس لطیفہ میں جنبش پیدا ہو کر ذکر جاری ہو جائے۔ اسی طرح دیر تک متوجہ رہے اور روزانہ اس عمل کا تکرار جاری رکھے تاکہ توجہ کی تاثیرات راسخ ہو جائیں اور مرید کے دل میں حرارت اور نفی خاطر کی کیفیت پیدا ہو جائے اگر مرید غیر حاضر ہو تو اسکی صورت کا تصور کر کے غائبانہ توجہ بھی دی جاسکتی ہے جیسا کہ بعض مشائخ کا معمول منقول ہے۔

صرف ہمت کا مطلب یہ ہے کہ دل میں جمعیت اور یکسوئی رہے اور ارادہ مضبوط رہے تاکہ دل میں اس مراد کے سوا کوئی دوسرا خیال نہ آ سکے۔

تصور شیخ

تصور شیخ کا مفہوم

قرآن پاک میں فرمایا گیا: كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (التوبہ: ۱۱۹)
یعنی صادقین (سچوں) کے ساتھ صحبت رکھو۔

کینونیت اور صحبت دو قسم پر ہے۔ کینونیت ظاہری اور کینونیت باطنی
طریق رابطہ کینونیت باطنی کا نام ہے۔

طریق رابطہ (تصور شیخ) کے ثبوت میں مندرجہ ذیل حدیث بھی دلیل ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يُحْكِي نَبِيًّا مِّنَ

الْأَنْبِيَاءِ الخ (بخاری ۴۹۵/۱)

یعنی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا کہ گویا میں
دیکھتا ہوں رسول اللہ ﷺ کی طرف کہ آپ حکایت فرماتے ہیں حال ایک نبی کا منجملہ
انبیاء کے۔

اس حدیث کا یہ جملہ ”گویا میں دیکھتا ہوں رسول اللہ ﷺ کی طرف“ اس
حالت (غائب کو خیال نظر سے مثل حاضر کے دیکھنا) کی طرف اشارہ ہے جو حقیقت
ہے طریق رابطہ اور تصور شیخ کی یہ حالت کبھی خود بخود طاری ہو جاتی ہے اور کبھی تکلف
کے ساتھ پیدا کی جاتی ہے۔

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ نے فرمایا کہ ”سایہ“ رہبر بہ است
از ذکر حق“ یعنی رابطہ ذکر سے زیادہ مفید ہے۔ حضرت امام ربانی قدس سرہ نے

فرمایا کہ ”صاحب این معاملہ مستعد تام المناسبت ست“ (دفتر دوم مکتوب ۳۰) یعنی صاحب طریق رابطہ صاحب استعداد اور کامل مناسبت کا حامل ہوتا ہے۔
حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے طریق رابطہ کے ثبوت پر دلائل بھی پیش فرمائے ہیں۔ (مکتوبات معصومیہ دفتر اول مکتوب ۱۶۵)

طریق رابطہ

رابطہ سے مراد یہ ہے کہ مرید اپنے شیخ کی صورت کو اپنے دل یا خیال میں محفوظ رکھے اس طرح کہ شیخ کا تصور اس پر غلبہ کر جائے جب یہ رابطہ بڑھ جائے اور ہر طرف شیخ کی صورت نظر آئے تو اسی کو فنا فی الشیخ کہتے ہیں۔ اسی طریق رابطہ کو تصور شیخ اور شغل برزخ بھی کہا جاتا ہے۔

تصور شیخ کے فوائد

تصور شیخ کے بے شمار فوائد ہیں۔

پہلا فائدہ: تصور شیخ سے وحدت خیال کی مشق ہوتی ہے اور وحدت خیال کے حصول کے ذریعے ذاتِ احدیت کے مشاہدے کی راہ کھلتی ہے

دوسرا فائدہ: تصور شیخ باطنی مناسبت کے حصول کا موثر ذریعہ ہے۔ مبتدی

طالب ابتدائی مرحلے میں عالم و جوب کے ساتھ کسی قسم کی مناسبت نہیں رکھتا بلکہ عالم

و جوب میں قدسیت محضہ ہے اور طالب میں بشریت محضہ ”چہ نسبت خاک را بعالم

پاک“ لیکن شیخ کامل ”قدسیت و بشریت“ دونوں کا جامع ہوتا ہے۔ اس کے باطن

میں قدسیت کی نسبت ہوتی ہے اور ظاہر میں بشریت کا رنگ۔ لہذا طالب بشریت کی

بناء پر شیخ کے ساتھ یک گونہ مناسبت رکھتا ہے۔ انبیاء کو بشریت کے ساتھ مبعوث

فرمانے میں بھی یہی حکمت کارفرما ہے کہ مخلوق خدا بشریت کی نسبت سے ان سے فیوض لے سکے۔ (واللہ اعلم)

قیوم ثانی حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات قدسیہ میں فرماتے ہیں کہ ہر سالک قبور اولیاء سے استفادہ نہیں کر سکتا۔ یہ سعادت اس سالک کو حاصل ہوتی ہے جو فنائے قلب سے مشرف ہو کیونکہ فنائے قلب سے پہلے اس میں عدم مناسبت کی بناء پر استفادہ کی استعداد نہیں ہوتی۔

تیسرا فائدہ:- تصور شیخ سے طالب صادق ہر جگہ شیخ کو اپنے ساتھ ملاحظہ کرتا ہے چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام زلیخا کے فتنے سے تصور حضرت یعقوب علیہ السلام کے سبب سے نجات پا گئے تھے معلوم ہوا کہ نسبت رابطہ سبب نجات ہے۔

چوتھا فائدہ:- نسبت رابطہ (تصور شیخ) باطن شیخ سے انوار و تجلیات اور فیوض و برکات حاصل کرنے کا وسیلہ ہے۔ جب طالب نسبت رابطہ قائم کرتا ہے تو شیخ کے لطائف باطنیہ سے اس کے لطائف پر انوار و تجلیات منعکس ہوتے ہیں کیونکہ فیوض انعکاسی ہوتے ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نسب رابطہ ہموارہ شمارا با صاحب رابطہ میدارد و واسطہ

فیوض انعکاسی میشود شکر این نعمت عظمیٰ بجا باید آورد

(دفتر دوم مکتوب ۲۲)

یعنی رابطہ کی نسبت تم کو ہمیشہ صاحب رابطہ کے ساتھ رکھتی ہے اور شیخ کے فیوض و برکات کے پرتو کا واسطہ ہے۔ اس بڑی نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا چاہیے۔ آپ کے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ تصور شیخ 'مرشد کے کمالات کے جذب کا واسطہ ہے۔

رابطے کے طریقے

تصور شیخ کے کئی طریقے ہیں۔

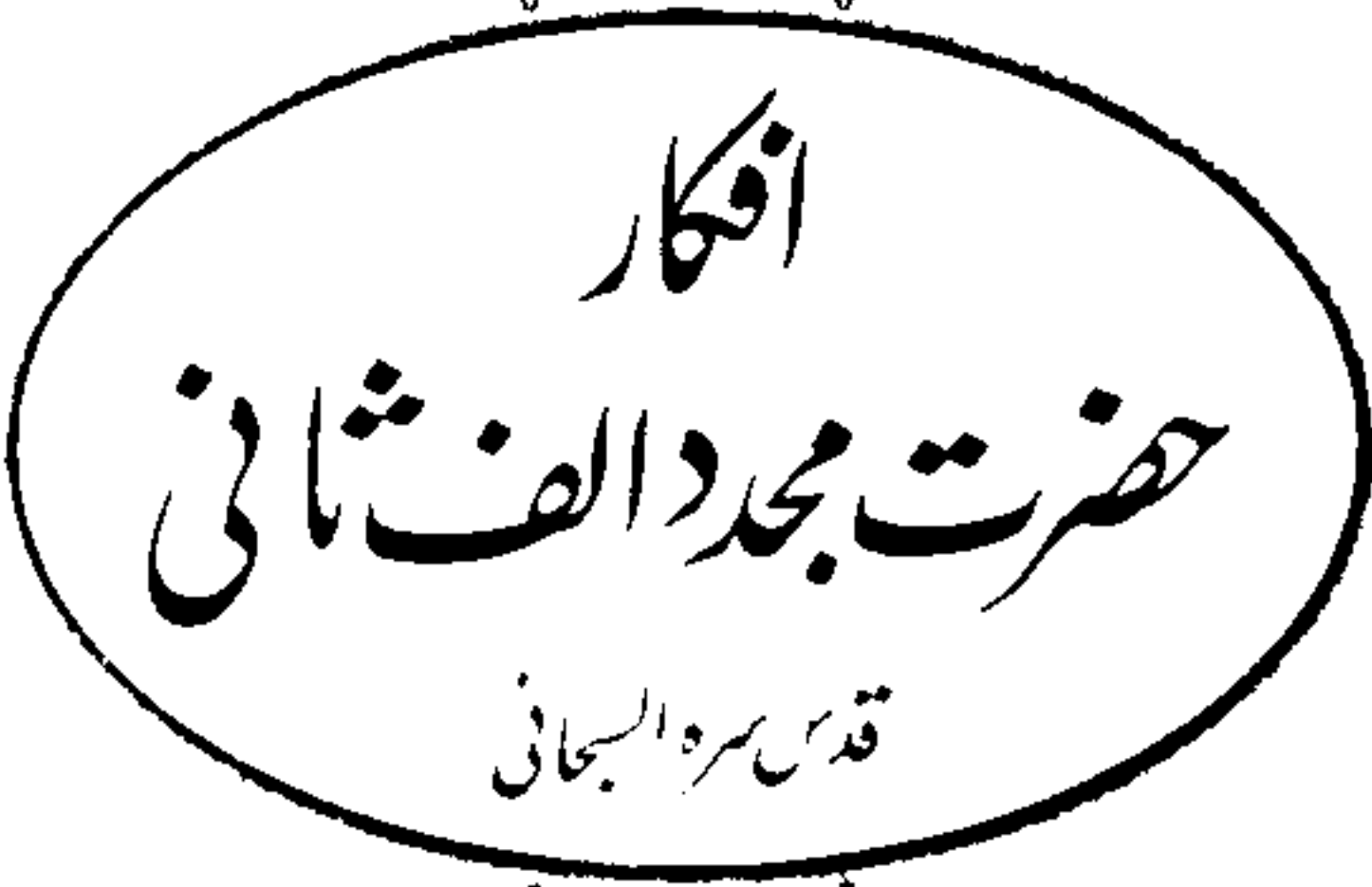
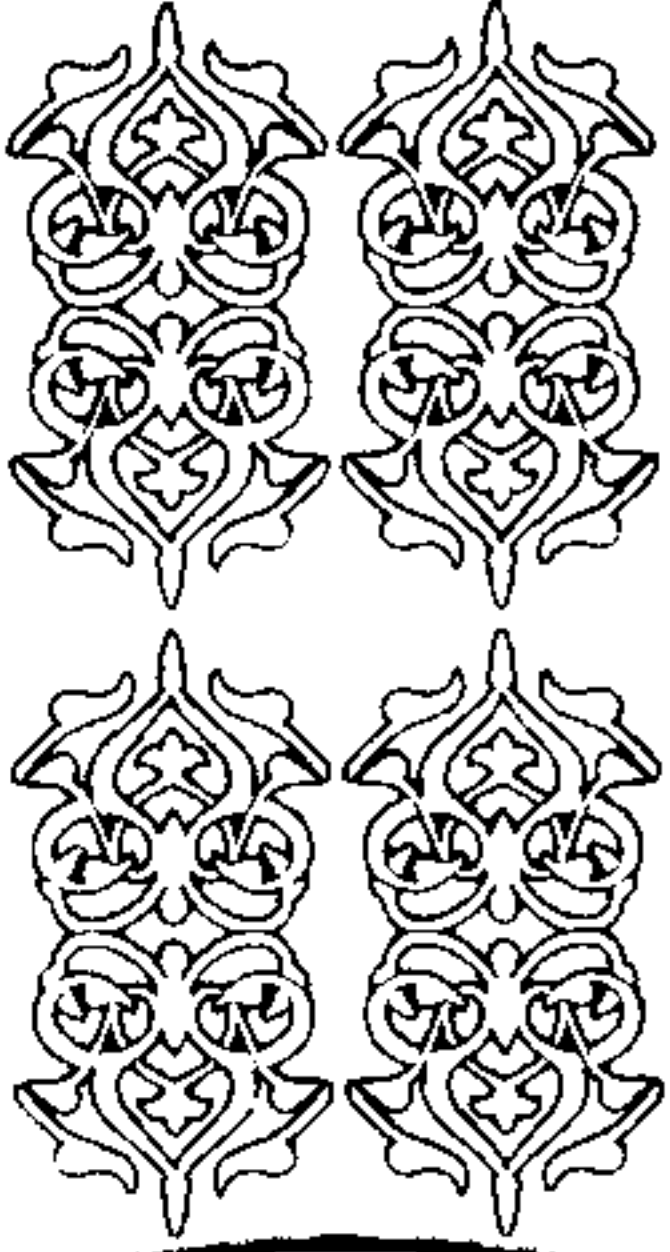
پہلا طریقہ: مرید ہر تصور اور خیال سے اپنے دل کو خالی کر ڈالے آنکھیں بند کر لے اور شیخ کی محبت کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا ذریعہ سمجھتے ہوئے شیخ کو اپنے سامنے بیٹھا ہوا تصور کرے اور اسکے لطیفہ قلب سے اپنے لطیفہ قلب میں فیض آتا ہوا دیکھے۔

دوسرا طریقہ: اپنے شیخ کی صورت اپنے دل کے آئینے میں ملاحظہ کرتا رہے۔
تیسرا طریقہ: شیخ کی صورت کو اپنی دونوں آنکھوں کے درمیان محبت اور تعظیم کے طور پر خیال کرتا رہے اگرچہ بظاہر شیخ دور بھی ہو اس کی صورت بھی وہی فائدے دے گی جو اس کی صحبت فائدہ دیتی ہے۔

چوتھا طریقہ: مرید اپنا وجود شیخ کے وجود میں گم کر دے اور اپنے آپ کو عین شیخ تصور کرے بعض اوقات مرید غلبہ محبت شیخ کی وجہ سے شیخ کے افعال و اقوال اور آثار و حرکات بھی اپنے اندر محسوس کرنے لگتا ہے اور اس کی طبیعت میں سے ”انا الشیخ“ کی آواز آنے لگتی ہے۔

حضرت امیر خسرو دہلوی علیہ الرحمۃ اسی منزل میں اپنے شیخ کے متعلق لکھتے ہیں:

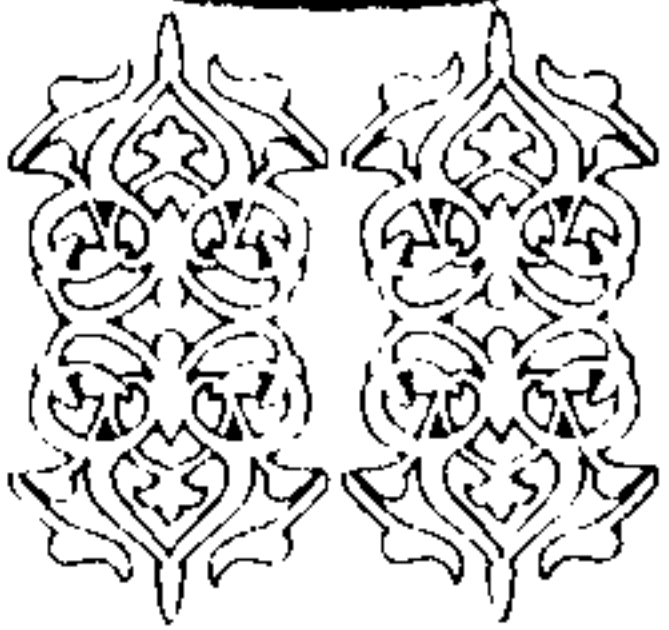
خسرو رین سہاگ کی سوئی میں پی کے سنگ
تن مورا من پی کا ہویا دونوں ایک ہی انگ



افکار

حضرت مجدد الف ثانی

قدس سرہ السجانی



سرمایہ ملت کا نگہبان

غوث صمدانی، قیوم زمانی، امام ربانی، مجدد و منور الف
ثانی ابوالبرکات حضرت شیخ احمد فاروقی نقشبندی سرہندی
رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت مقدسہ پر ایک طائرانہ نظر

نام و نسب

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ ۱۴ اشوال ۹۷۱ھ جمعہ کی شب
سرہند شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ کی کنیت ابوالبرکات، لقب بدرالدین اور نام
احمد رکھا گیا جو بعد میں قیوم اول، امام ربانی، مجدد الف ثانی کے خطابات سے مشہور
ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے آپ
کی پانچویں پشت میں حضرت امام رفیع الدین بانی سرہند شریف کا نام آتا ہے۔ آپ
کے والد ماجد حضرت شیخ مخدوم عبدالاحد اور دادا حضرت شیخ زین العابدین ہیں۔

خطہ سرہند شریف کا پس منظر

سلطان فیروز شاہ تغلق کے دور حکومت میں شاہی خزانہ پنجاب سے دہلی
جا رہا تھا۔ قافلے کا گزر اس جنگل میں سے ہوا جہاں آج کل سرہند شریف واقع ہے
ایک صاحب کشف مرد کامل حضرت خواجہ حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ (جو قافلے میں
شامل تھے) نے انکشاف کیا کہ ایک بہت بڑے ولی اللہ اس مقام پر پیدا ہوں گے۔
حضرت سید جلال الدین بخاری المعروف بہ مخدوم جہانیاں (جو سلطان فیروز شاہ
تغلق کے مرشد تھے) نے بھی اپنے کشف سے یہ معلوم کر کے سلطان کو حکم دیا کہ

اس جنگل میں ایک شہر آباد کیا جائے۔

حسن بے پرواہ کو اپنی بے نقابی کے لئے

ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن؟

چنانچہ اس شہر کی تعمیر کا مقدس فریضہ شیخ مجدد کے مورث اعلیٰ حضرت امام رفیع الدین کے سپرد کیا۔ حضرت شاہ بوعلی قلندر اور حضرت امام رفیع الدین دونوں نے ایک ایک اینٹ اٹھا کر شہر کی بنیاد رکھی۔ سبحان اللہ! شیخ مجدد کا علوم مرتبت ملاحظہ ہو کہ امام رفیع الدین اور شاہ شرف الدین بوعلی قلندر رحمہما اللہ جیسے اولیاء کاملین آپ کے کا شانہ اقدس کی تعمیر میں مزدور بنے۔ ذالک فضل اللہ یؤتہ من یشاء

بعد میں حضرت شاہ شرف الدین بوعلی قلندر نے امام رفیع الدین کو بشارت دی کہ وہ عظیم ولی کامل آپ کی اولاد سے ہوگا۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت امام رفیع الدین نے شہر کا نام سیر ہند رکھا جو بعد میں سرہند کے نام سے مشہور ہوا اور آپ نے وہاں سکونت اختیار کر لی۔ حضرت امام رفیع الدین کا مزار مبارک سرہند شریف سے باہر قریب ہی اب تک موجود ہے۔ یہ شہر تین سو سال سے زیادہ عرصہ خوب آباد رہا بعد میں سکھوں نے اسے تاخت و تاراج کیا اور اب تک ویران پڑا ہے۔

بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ اس شہر کی آبادی کی جگہ ایک وحشت ناک جنگل تھا جہاں درندے رہتے تھے۔ اس جنگل کا نام ہندی میں سہرند (سہ بمعنی شیر رند یعنی جنگل) یعنی شیروں کا جنگل تھا۔

سرہند شریف کی عظمت و شرافت میں یہ امر بھی داخل ہے کہ اس کے قرب و جوار میں انبیاء علیہم الصلوٰات کی قبریں ہیں۔ سرہند سے چند کوس کے فاصلہ پر براس ایک شہر تھا جہاں پر شیخ مجدد کو انبیاء کرام کے مزارات کا انکشاف ہوا۔ چنانچہ مکتوبات شریف میں ہے

”بخارا اور سمرقند سے بیچ لاکر سرزمین ہند (سرہند) میں جس کو بطحاء کی خاک سے سرمایہ حاصل ہے بویا گیا پھر سالہا سال آب وصل سے اس کی تربیت کی گئی۔“

عمر ہا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات

تا ز بزم شوق یک دانائے راز آید بروں

حضرت کا خمیر بقیہ طینت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰات (خمیر جسم اقدس) سے تیار کیا گیا جس کا اظہار آپ نے مکتوبات دفتر سوم میں کیا ہے۔ (جیسا کہ بقیہ طینت آدم علیہ السلام سے خرما کی خلقت، حدیث سے ثابت ہے)

شواہد التجدید

مجدد الف ثانی رسالت مآب ﷺ کی نظر میں

ہمارا ایمان ہے کہ از آدم تا ایں دم و بعد از حشر و نشر کے تمام احوال و واقعات سرور کائنات ﷺ کی نگاہ نبوت میں تھے جس کا تفصیلی ذکر کتب احادیث میں موجود ہے۔ حضور ﷺ نے امت کی خیریت ختم ہو جانے کے متعلق دو مدتوں کی اطلاع دی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا

1..... میری امت کی عمر (خیریت) پانچ سو برس ہے۔

2..... میری امت کی عمر (خیریت) ہزار برس ہے۔ (الیواقیت والجواہر جلد دوم)

بعد میں یہ پیش گوئیاں نکھر کر سامنے آئیں۔

چنانچہ پانچویں صدی گذرنے پر فتنہ تاتاریاں ہوا جس نے قبائے خلافت کو تار تار کر دیا۔ مسلمانوں کا لہو پانی کے قطروں سے ارزاں ہو گیا، ان کے اقبال کا ستارہ غروب ہو گیا، ان کی آبرو کا سفینہ ڈوب گیا، لاکھوں علماء و صلحاء کو قتل کیا گیا، انکی لاشیں بے گور و کفن پڑی رہیں اور عباسی تاجدار مستعصم باللہ کی ہڈیاں توڑ دی گئیں۔ شیخ



سعدی پکارا ٹھے۔

آسماں راحق بود گر خوں ببارد بر زمین
بر زوال ملک مستعصم امیر المومنین
حکومت تاتار کی استیلاء نے علماء و اولیاء کو ہند کا رخ کرنے پر مجبور کر دیا۔
سلطان التمش نے ان کا استقبال کیا اور ایک کروڑ روپیہ صرف کر کے ان کو آباد کیا۔
بالآخر قدرت ایزدی نے دستگیری فرمائی کہ خلافت عثمانیہ کی بنیاد رکھی گئی اور اسلام کی نئی
روح کا آغاز ہوا۔ اقبال نے کہا ۔

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

یہی فتنہ تاتار تھا جو پانچ صدیاں گزرنے پر ظاہر ہوا تھا اور اسی فتنے کا انکشاف
کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ ”میری امت کی عمر پانچ صدیاں ہے۔“
دوسری حدیث میں امت کی عمر ہزار برس بتائی گئی۔ چھٹی صدی سے گویا
امت کی تعمیر نو ہوئی اور اسلام کا دور جدید شروع ہوا۔ علماء و فضلاء اٹھے اور دین کو
از سر نو زندہ کیا حتیٰ کہ یہ پانچ صدیوں کا دوسرا دور ختم ہوا اور امت پھر سے انحطاط پذیر
ہو گئی۔ غرضیکہ الف اول (پہلے ہزار برس) کا اختتام اور الف ثانی (دوسرے
ہزار سال) کا آغاز، ملت اسلامیہ کا دور انحطاط ہے۔ یہی انحطاط تھا جو بعثت نبوی کے
ہزار برس بعد وجود پذیر ہوا۔ اسی کی نسبت حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کی عمر
خیریت ہزار برس ہے۔ الف اول کے بعد اسلام پر زوال آنا شروع ہوا اور الف ثانی
میں دین کو از سر نو زندہ کرنے کیلئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مبعوث ہوئے۔
سنن ابی داؤد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

ان الله يبعث لهذه الامة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها
ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے شروع میں کسی ایسے شخص



کو مبعوث فرمائے گا جو دین کی تجدید کرے گا۔

..... مکتوبات دفتر دوم میں ہے کہ

ہر صدی کے شروع میں ایک مجدد ہوتا ہے لیکن ایک الف (ہزار سال) کا مجدد ہوتا ہے اور جو فرق سوا اور ہزار کا ہے وہی فرق ان کے مجددوں کا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

..... حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے مناقب میں لکھا ہے۔

لا یحبہ الامؤمن تقی ولا یبغضہ الا منافق شقی

ترجمہ: ان سے وہی شخص محبت رکھے گا جو مومن تقی ہو اور وہی بغض رکھے گا جو منافق شقی ہو۔

..... علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جمع الجوامع میں یہ حدیث نقل کی ہے

یکون رجلاً فی امتی یقال لہ صلوٰۃ یدخل الجنۃ بشفاعتہ کذا وکذا
ترجمہ: حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کو
صلوٰۃ کہا جائے گا (طریقت و شریعت کو ملانے والا) اس کی شفاعت سے میری امت
کے بیشمار افراد جنت میں داخل ہوں گے۔

علماء محدثین نے اس حدیث سے شیخ مجدد کی ذات مراد لی ہے۔ نیز خود
حضرت شیخ مجدد مکتوبات شریف جلد دوم میں تحریر فرماتے ہیں۔

الحمد لله الذی جعلنی صلوٰۃ بین البحرین ومصلحاً بین الفئتين
ترجمہ: اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے دو سمندروں کو ملانے والا بنایا اور دو لشکروں میں
صلح کرانے والا بنایا۔

(دو سمندروں سے مراد شریعت و طریقت ہے اور دو لشکروں سے مراد علماء

اور صوفیاء ہیں)

دوسری حدیث: قال رسول الله ﷺ بعث الله رجلاً علی رأس

احد عشر مائة سنة هو نور عظیم، اسمه اسمی، بین السلطانین الجابرین
ویدخل الجنة بشفاعته رجال الوفا (روضۃ القیومیہ رکن اول مطبوعہ لاہور)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ گیارہویں صدی کے شروع میں
دو جابر بادشاہوں کے درمیان ایک شخص بھیجے گا جو میرا ہم نام (احمد) ہوگا اور نور عظیم
ہوگا اور اس کی شفاعت سے ہزاروں انسان جنت میں داخل ہوں گے۔

آپ کا سلسلہ نسب امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ حضور
علیہ السلام ہر وقت عواقب امت کی فکر میں محو رہتے تھے۔ غالباً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پیشانی میں ایسا نور مشاہدہ کیا تھا جو عظمت اسلام کا موجب
ہو سکتا تھا۔ اسی لئے آپ نے دعا کی تھی۔ اللھم اعز الاسلام من اسلام عمر بن
خطاب..... نیز..... لو کان بعدی نبیا لکان عمر میں بھی بالواسطہ شیخ مجدد کی
وراثت نبوت اور تجدیدی اصطلاحات کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم

حضرت مجدد الف ثانی..... اولیاء سابقین کی نظر میں

1..... حضرت داؤد قیصری جو کہ فصوص کے شارح ہیں، قیصری کے
مقدمہ کی فصل ثانی میں لکھتے ہیں کہ

”ہر ایک اسم اور ستارے کا دورہ ہزار سال بعد ہوتا ہے۔ انبیاء اولوالعزم
(علیہم السلام) کی شریعتیں بھی ہزار ہزار سال رہی ہیں۔ پس اس امت میں بھی
ایک شخص مبعوث ہوگا جو وارث انبیاء ہوگا اور مجدد الف ثانی کہلائے گا اور اس کی
تجدید کا دور ہزار سالہ ہوگا۔“

2..... شیخ الجن والانس حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ مراقب تھے کہ ایک نور عظیم ظاہر
ہوا اور اس کی روشنی محیط کائنات ہوگئی۔ اس روشنی سے گزشتہ و آئندہ اولیاء نے استفادہ
کیا۔ آپ متحیر و متعجب ہوئے تو الہام ہوا کہ یہ نور اس شخص کا ہے جو آپ سے پانچ

سوسال بعد پیدا ہوگا اور دین کی تجدید کرے گا۔ اس کے فرزند اور خلفاء بارگاہ احدیت کے صدر نشین ہوں گے۔ آپ نے اسی وقت اپنا خرقہ اتار کر اپنی مخصوص نسبت و دیعت کر کے بطور امانت اپنے خلیفہ کے سپرد کیا اور وصیت کی کہ نسلًا بعد نسل بہ کمال حفاظت یہ خرقہ شخص معبود تک پہنچا کر میرا سلام کہنا۔ چنانچہ حسب وصیت حضرت شاہ کمال کیتھلی کے پوتے حضرت شاہ سکندر کیتھلی رحمہ اللہ علیہما نے تجدید کے دوسرے سال وہ خرقہ آپ کو عنایت فرمایا جس کے بعد آپ نسبت قادر یہ کے بھی جامع کہلانے لگے۔

3..... شیخ الاسلام حضرت احمد جام رحمۃ اللہ علیہ کے مقامات میں ہے کہ شیخ نے فرمایا:

میرے بعد چار سوسال کے عرصہ میں سترہ آدمی احمد نام کے پیدا ہوں گے ان میں آخری شخص ہجرت نبوی کے ہزار سال بعد پیدا ہوگا جو اولیاء سے افضل ہوگا۔

4..... مقامات شیخ خلیل اللہ بدخشی میں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ

ہند میں سلسلہ نقشبندیہ سے ایک شخص پیدا ہوگا جو افضل ترین اولیائے امت سے ہوگا۔ افسوس کہ مجھے اس عزیز الوجود ہستی کے ساتھ ملاقات کا شرف حاصل نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے نام ایک خط بطور عرضداشت تحریر کیا جس میں دعا کی استدعا کی گئی تھی۔ وہ خط اپنے خلیفہ عبدالرحمن بدخشی کے سپرد کیا جو ۱۰۲۲ھ میں آپ کی خدمت میں پیش ہوا۔ آپ نے قبول فرما کر دعا کی۔

5..... حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے مشاہدہ کیا کہ ایک نور سرزمین سرہند سے ظاہر ہو کر محیط عالم ہو گیا ہے۔ الہام ہوا کہ یہ نور اس شخص کا ہے جو اسی سرزمین میں پیدا ہوگا اور تجدید دین کرے گا۔

علاوہ ازیں منجموں اختر شناسوں نے بھی آپ کی ولادت کے متعلق پیشگوئیاں کی تھیں۔

علوم شریعت میں آپ کا مقام

حضرت امام ربانی نے سات برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ مزید تعلیم آپ نے مولانا کمال الدین کشمیری، مولانا محمد یعقوب کشمیری، مولانا قاضی بہلول بدخشان، رحمہم اللہ سے حاصل کی۔ ٹھیک سترہ برس کی عمر میں تمام علوم عقلیہ و نقلیہ سے فارغ ہو گئے۔ اس کے بعد آپ مسند ارشاد و ہدایت پر متمکن ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو الراسخین فی العلم میں سے بنایا تھا۔ اس سلسلے میں سوا طع الالہام کے چند اوراق بھی آپ کی قلم کے مرہون منت ہیں۔ جب فیضی الفاظ کے ہیر پھیر میں سرگرداں ہوا تو حضرت مجدد نے قلم برداشتہ کئی اوراق لکھ ڈالے۔ نیز ابوالفضل نے تفسیر بے نقط کا ایک ورق تحریر کیا اور تفسیر سے تمام علماء مجبور ہو گئے۔ حضرت سے استفادہ چاہا تو آپ نے قلم برداشتہ تذکیر، تبشیر، قصص، حکم، اسباب نزول کے ساتھ تفسیر بے نقط بشمول معنی تحت اللفظ کا وافر حصہ تحریر فرمادیا۔ آپ کے اس تبحر علمی پر ابوالفضل اور دیگر تمام علماء متحیر ہو گئے۔ آپ کے علم و فضل کی سب سے بڑی شہادت آپ کے مکتوبات شریفہ ہیں جن میں آپ نے وہ علوم و معارف بیان فرمائے جو آج تک کسی نے بیان نہ فرمائے۔ علماء سادات ترکیہ میں سے ایک مقتدر عالم مولانا عبدالحکیم بن مصطفیٰ نقشبندی مجددی خالیدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ”بعد از کتاب اللہ و بعد کتب حدیث افضل کتب مکتوبات است“

یعنی قرآن پاک اور احادیث نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰت) کے بعد مکتوبات تمام کتابوں سے افضل ہیں۔

آپ نے متعدد تصنیفات عربی اور فارسی میں تحریر فرمائیں جو درج ذیل ہیں:-

معارف لدنیہ

مبدأ و معاد

آداب المریدین
رسالہ اثبات نبوت
رسالہ تہلیلہ
رسالہ رد ورفض
تعلیقات عوارف
مکاشفات غیبیہ
رسالہ خواجگان نقشبند
رسالہ علم حدیث
شرح رباعیات حضرت خواجہ باقی باللہ (رحمۃ اللہ علیہ)
مکتوبات سہ جلد

وغیرہا کتب میں علوم و معارف کے کئی ناپید اکنار سمندر موجزن ہیں۔
آپ کی دعوت تجدید کا بنیادی رکن شریعت کی ترویج ہے اور اسی امر کی تکمیل
کیلئے آپ نے علماء اور امراء کو بیدار کرنا چاہا ہے۔
آپ نے فرمایا شریعت کے تین جزو ہیں۔ علم، عمل، اخلاص
آپ علم و عمل کے اس کمال کے باوجود مقلد تھے اور حنفی المذہب تھے۔
آپ نے فرمایا

”مجتہد کا اجتہاد..... مقلد کے لئے حجت ہے۔ کسی شے کی حلت و حرمت
میں صوفیاء کا عمل سند نہیں ہے بلکہ حلت و حرمت کے امور میں ہمارے لئے امام
ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد کا قول معتبر ہے نہ کہ ابو بکر شبلی اور ابوالحسن نوری کا۔“
نیز آپ نے مکتوبات دفتر دوم میں فرمایا۔

فقہ کے بانی ابوحنیفہ ہیں، تمام فقہاء ان کے عیال ہیں۔ مذہب حنفی کی
نورانیت، نظر کشفی میں دریائے عظیم کے مانند نظر آتی ہے جبکہ دوسرے مذاہب،
حوضوں اور تھالوں کی طرح نظر آتے ہیں۔

علوم طریقت میں آپ کا مقام
علوم شریعت سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے تصوف کی عملی تعلیم اپنے

والد ماجد حضرت مخدوم عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی اور سلسلہ چشتیہ صابریہ کا انتساب بھی انہی سے حاصل کیا۔ آپ کے والد، حضرت شیخ رکن الدین بن شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمہما اللہ کے خلیفہ تھے۔ سلسلہ قادریہ میں آپ کو انتساب حضرت شاہ کمال کیتھلی کے نبیرہ اعلیٰ حضرت شاہ سکندر کیتھلی رحمہما اللہ سے حاصل ہوا اور حضرت شیخ یعقوب کشمیری رحمۃ اللہ عنہ سے سلسلہ سہروردیہ میں بھی خلافت پائی۔ سلسلہ نقشبندیہ میں آپ خواجہ بیرنگ حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید و خلیفہ ہیں۔

والد ماجد کی وفات کے بعد حضرت شیخ مجدد، حج کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ جب دہلی پہنچے تو اپنے دوست مولانا حسن کشمیری کی تحریک سے حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی اور چند دنوں میں تکمیل سلوک کے بعد خرقہ خلافت نقشبندیہ حاصل کیا۔ ایام قیام دہلی کے دوران تقریباً ڈھائی ماہ کے عرصے میں نسبت نقشبندیہ کامل طور پر حاصل کر لی۔ نسبت نقشبندیہ ”دوام حضور و آگاہی“ کا نام ہے جس میں غیبت بالکل نہ ہو۔ یہ نسبت حدیث نبوی و اعبدر بک کانک تراہ سے تعبیر ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے مرشد حضرت خواجہ امکنگی رحمۃ اللہ علیہ نے حکم فرمایا تھا کہ وہ افغانستان سے ہندوستان تشریف لے جائیں۔ یہاں ان کی وساطت سے ایک عزیز الوجود عظیم ہستی سلسلہ نقشبندیہ میں داخل ہوگی جس سے سارا عالم منور ہوگا اور ان کو بھی اس سے حصہ ملے گا۔ چنانچہ شیخ مجدد نے وہ مقام بلند حاصل کیا کہ خود حضرت خواجہ بیرنگ باقی باللہ فرمایا کرتے تھے کہ

”شیخ احمد ایک ایسے آفتاب ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے اس کی روشنی میں گم ہو جائیں۔۔۔۔۔ اس وقت ان جیسا اس آسمان کے نیچے کوئی نہیں۔“

مرشد برحق کی ہدایت کے مطابق آپ بسلسلہ رشد و ہدایت لاہور میں بھی



تشریف لائے اور ہزاروں نفوس سلسلے میں داخل ہوئے۔ آپ نے لاہور کی قطبیت حضرت شیخ ملا طاہر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کو ودیعت فرمائی۔

مکتوبات دفتر سوم میں آپ نے فرمایا کہ

آں حضرت سرور عالم رحمۃ اللہ علیہ سے میری ارادت بہت واسطوں سے ہے۔ طریقہ نقشبندیہ میں اکیس واسطوں سے، طریقہ قادریہ میں پچیس واسطوں سے، طریقہ چشتیہ میں ستائیس واسطوں سے۔ میرا سلسلہ رحمانی ہے کیونکہ میں رحمان کا بندہ ہوں، میرا طریقہ سبحانی ہے کیونکہ میں تنزیہ کی راہ سے پہنچا ہوں۔

غرضیکہ آپ صوفیاء کے پندرہ سلاسل کے علی الاطلاق مرشد مجاز اور پیر ماذون تھے لیکن آپ پر سلسلہ نقشبندیہ کا غلبہ رہا اور اسی سلسلہ کو آپ نے فروغ بخشا۔ دیگر سلاسل میں تزکیہ نفس پہلے ہوتا ہے اور تصفیہ قلب بعد میں، لیکن سلسلہ نقشبندیہ میں تصفیہ قلب کو مقدم رکھا گیا ہے اور یہی اندراج النہایۃ فی البدایۃ کا مفہوم ہے۔ اس سلسلہ میں استکمال شریعت کا نام ہی طریقت و حقیقت ہے، اسی لئے ذکر خفی، جلی پر..... حال، قال پر..... صحو، سکر پر اور فکر ذکر پر مقدم سمجھا گیا ہے۔ اگرچہ یہ سلسلہ حال و وجد کی دلاویزی اور نعرہ ہائے حق ہو کی ظاہری دلکشی و طرب انگیزی سے یکسر خالی ہے تاہم خلوت و راجحمن اور نظر بر قدم کے اصولوں میں احوال و مواجید کے تمام اسرار و رموز مضمر کر دیئے گئے ہیں۔

نقشبنداں عجب قافلہ سالار اند

کہ بحر می روند پنہاں قافلہ را (عارف جامی)

بلکہ آپ نے راہ سلوک میں بعض ایسے مقامات کی نشاندہی بھی فرمائی جو اس

سے پیشتر، بیشتر صوفیائے عظام کے ذاتی تجربات و مشاہدات سے بالاتر تھے۔

آپ کو ۱۰ ربیع الاول ۱۰۱۰ھ بروز جمعہ ”خلعت مجدد الف ثانی“ عطا ہوا

والحمد لله علی ذلک۔

طبقہ علماء میں سے سب سے پہلے حضرت ملا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو مجد الف ثانی لکھا اور تجدید الف کے اثبات میں ایک رسالہ بنام ”دلائل التجدید“ تصنیف فرمایا۔ اور ۲۷ رمضان ۱۰۱۰ھ بروز پیر منصب قیومیت عطا ہوا۔ خود سرور دو عالم ﷺ نے آپ کے سر پر دستار باندھی اور منصب قیومیت کی بشارت و مبارک دی۔

تعیین وجودی جس کے متعلق کسی عارف کامل نے لب کشائی نہ کی تھی وہ آپ پر ظاہر ہوا۔ آنجناب پر ہر سہ درجات ولایت صغریٰ، ولایت کبریٰ اور ولایت علیا منکشف فرمائے گئے۔ حقیقت محمدیہ، حقیقت احمدیہ، حقیقت کعبہ، حقیقت بیت المقدس، حقیقت قرآن کے علاوہ سیر آفاقی و سیر انفسی کا بھی کشف ہوا۔ آپ کو نسبت فردیت، اپنے پدر بزرگوار سے حاصل ہوئی۔ علوم لدنیہ روحانیہ حضرت خضر علیہ السلام سے حاصل کئے اور علوم آسمانی سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے حاصل کئے۔ مقام فنا فی اللہ بقا باللہ مقام محبوبیت ذاتیہ حب صرفہ و لاتعین، مقام شہادت و مرادیت، مقام قیومیت، مقام مجددیت و قطبیت، مقام قربت و معیت اور مقام نکت احدیت و فردیت سے بھی آپ کو سرفراز کیا گیا۔ نیز رموز متشابہات فرقانی و مقطعات قرآنی سے بھی آپ کو وافر حصہ عطا ہوا۔

آپ مجموعہ قطب مدار، قطب ارشاد ہیں اور قیامت تک قطب مدار و ارشاد آپ ہی کے سلسلہ میں ہوا کریں گے۔ حضرت امام مہدی (آخر الزمان) علیہ السلام آپ کے ہی خلفاء سلسلہ سے ہوں گے۔

آپ کو مرتبہ علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین و جمع الجمع و ادراک بسیط عطا کیا گیا۔ (ان مقامات کی تفصیل و تشریح البینات شرح مکتوبات میں ملاحظہ فرمائیں) آپ کی زیارت کیلئے کعبہ شریف آیا اور آپ کی خانقاہ شریف کے کنوئیں سے آب زمزم برآمد ہوا۔ آپ کے سلسلے کے کل مریدین و متوسلین جو قیامت تک ہوں گے آپ کو دکھلائے گئے۔ ہر ایک کا نام و نسب اور مولد و مسکن بھی بتایا گیا بلکہ آپ نے وعدہ

فرمایا کہ میں اپنے سلسلے کے تمام مریدوں کو ساتھ لے کر جنت میں جاؤں گا۔
مبداء معاد میں ہے کہ آپ ایک مرتبہ مراقب تھے کہ یکا یک بارگاہ خداوندی
سے خطاب ہوا۔

غفرت لك ولمن توسل بك الى بواسطه او بغير واسطه
الى يوم القيامة

ترجمہ: اے امام ربانی! میں نے تجھ کو اور قیامت تک بالواسطہ یا بلاواسطہ تیرے سلسلے
سے منسلک ہونے والوں کو بخش دیا۔

بملك اولياء چوں او نزادہ
محمد ثمرہ چوں او ندادہ

حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے تجدیدی کارناموں پر طاثرانہ نظر اور الحاد اکبری کا استیصال

ہمایوں کے انتقال کے بعد جلال الدین اکبر تخت شاہی پر براجمان ہوتا ہے
تو اکبر نے سلطنت کی بنیاد کو مضبوط کرنے کیلئے یہ سوچا کہ محبت اتحاد اور صلح کلیت سے
ہندوستان میں میری حکومت قائم رہ سکتی ہے۔ اس کا خیال تھا کہ ہندوستان جیسے مختلف
الاقوام ملک میں بادشاہ ایسا ہونا چاہئے کہ ہندو اسے سمجھیں، مسلمان اسے مسلمان
خیال کریں اور پارسی، جین اور عیسائی وغیرہ بھی اس کو اپنا ہم عقیدہ متصور کریں۔ اس
لئے ضروری ہے کہ مذاہب کے اختلافات کو درمیان سے اٹھا دیا جائے اور ہندوستان
کی سرکش قوموں کو تلوار سے ختم کرنے کی بجائے باہم میل جول رشتہ و ناٹھ سے ختم کیا
جائے اور نہ صرف ان کے جسموں پر بلکہ دلوں پر بھی حکومت کی جائے۔ اکبر چونکہ
جاہل تھا اس کی رہنمائی اور مذہبی معاملات میں مداخلت وراثتاً ان لوگوں کے ہاتھ میں

آئی جو علماء حق نہ تھے بلکہ علماء سوء تھے۔ ابتداء میں ایرانی عقائد کو اہلسنت کے عقائد سے مطابق کرنے کی کوشش شروع ہوئی اور توہین صحابہ کا اقدام ہوا۔ شطاریہ مداریہ روشنیہ فرقوں کی آزاد خیالی اور نظریہ وحدت الوجود کو نا فہمی کی بناء پر غلط رنگ دے کر اکبر کے اعتقادات میں لغزش پیدا کی گئی۔ اسی اثنا میں اکبر کے حرم میں ہندو راجاؤں کی لڑکیاں بھی داخل ہو چکی تھیں۔ اس لئے وہ اب قولاً وفعلاً مذہبی جوا کو اپنے کندھے سے اتارنے کی تر ایکب سوچ رہا تھا تا آنکہ ابوالفضل اور فیضی نے اس کے دربار تک رسائی حاصل کر لی۔ اتفاق کی بات ہے انہی دنوں قاضی عبدالرحیم نے متھرا میں مسجد بنانے کے لئے سامان جمع کیا لیکن کسی برہمن نے وہ تعمیری مسالہ مندر بنانے میں استعمال کر لیا جس پر باہم چیقلش ہوئی۔ نوبت بائینجا رسید کہ اس برہمن نے بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی (معاذ اللہ) گالیاں دینا شروع کر دیں۔ یہ مقدمہ اکبر کے دربار میں پیش ہوا۔ اکبر اس کو ٹالنا چاہتا تھا لیکن شیخ عبدالنبی کے حکم سے وہ برہمن قتل ہوا جس کا اکبر کے دل پر ناگوار اثر ہوا۔ چنانچہ ایک محضر نامہ تیار ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ اختلافی مسائل میں صرف بادشاہ وقت کا فیصلہ ہی قابل قبول ہوگا خواہ کتاب و سنت کے مطابق ہو یا مخالف۔ اب اکبر کے سامنے علماء کی طاقت ختم ہو رہی تھی۔ فیضی اور ابوالفضل جیسے آزاد منش فضلاء معاون بن چکے تھے۔ چنانچہ اکبر نے دین الہی کا اعلان کر دیا اور وہ اپنے آپ کو خلیفۃ اللہ کہلانے لگا۔ کچھ عرصہ بعد دعویٰ خدائی کیا اور اپنی مہر پر یہ عبارت لکھوائی۔ ”جل جلالہ است اکبر ما اکبر شانہ تعالیٰ“۔ دراصل اکبر کے دماغ میں صرف یہی جذبہ کار فرما تھا کہ کسی طرح ہندوستان کا تخت و تاج اس کے لئے اور اس کی اولاد کے لئے ہمیشہ قائم رہے۔

کاش! اگر بادشاہ وقت یہی اعلان کر دیتا کہ حکومت کا مذہب لادینی ہے تو شاید اسلام کو اتنا دھچکا نہ لگتا۔

جب شہنشاہ اور اس کے درباریوں کا مشغلہ، تضحیک اسلام بن گیا، اکبر بر ملا کہتا تھا کہ رام اور رحیم میں کوئی فرق نہیں، ہندو مسلم، سکھ اور عیسائی سب ایک ہیں، تصوف نے اپنا مقام کھو کر ویدانت سے ساز باز کی، مذہب و طریقت کی اصل روح مفقود ہوئی، رہنما اصول، صلح کل تھا، شیعہ سنی ایک مسجد میں، فرنگی یہودی ایک کلیسا میں آداب عبادت بجالاتے، ہندو کے برت کا اہتمام ہوتا، رمضان کے مہینے میں کھلے بندوں کھانا کھلایا جاتا، نماز باجماعت ممنوع کر دی گئی، مساجد شہید کر کے ان کی جگہ مندر تعمیر ہونے لگے، بموجب عقائد ہندو خنزیر کی تعظیم کی جاتی، ذبیحہ گاؤ پر پابندی عائد کی گئی، جزیہ ختم کیا گیا، تعظیمی سجدہ رواج پذیر ہوا، سورج کی دن میں چار مرتبہ پوجا کی جاتی، سورج کے ایک ہزار ایک نام کی مالاچی جاتی، قشقہ لگایا جاتا، سود، شراب اور جواء حلال سمجھا گیا، داڑھیاں منڈوائی گئیں، غسل جنابت فضول سمجھا گیا اور قرآن کو مخلوق، وحی کو خیال، معراج اور شق القمر کو غلط سمجھا گیا (العیاذ باللہ تعالیٰ) تو علماء حق نے آوازیں بلند کیں لیکن وہ صدی بھر اثبات ہوئیں۔

اندریں حالات ہندوستان کی مرکزیت کی وجہ سے اکبری الحاد کے جراثیم دنیائے اسلام میں منتشر ہو رہے تھے علماء و فقراء اپنے مراکز کھو چکے تھے چاروں طرف تاریکی بھیا نک مناظر پیش کر رہی تھی اور کوئی بھی ایسا مرد میدان نظر نہیں آتا تھا جو ان جراثیم کا کلیتاً خاتمہ کر سکے۔ آخرش پو پھٹنے کا وقت قریب آیا۔ صبح صادق کے نشانات ہویدا ہونے لگے، اسلام کے بطل جلیل امام ربانی کی رگ تجدید پھڑکی، غیرت فاروقی جوش میں آئی اور آپ نے اعلانیہ جہاد باللسان اور جہاد بالقلم کے ذریعے اسلامی اقدار کے تحفظ کا کام شروع کر دیا۔

آپ نے اکبر کے مقربین کو بلوا کر کہا کہ

”بادشاہ، خدا اور رسول کا باغی ہو چکا ہے۔ جاؤ میری طرف سے اس کو

کہہ دو کہ عنقریب اس کی شہنشاہی مٹنے والی ہے۔ وہ فوراً توبہ کرے ورنہ اللہ کے غضب کا انتظار کرے۔“

اکبر نے اس مرد حق آگاہ کا یہ پیغام سن کر کوئی پرواہ نہ کی اور اپنی سطوت و کبر و نخوت کے نشے میں مست رہا۔ بالآخر وہ وقت آیا کہ شیخ مجدد شعلہء جوالا بن کر چمکے اور برق خاف بن کر گرے اور سطوت اکبری کو خاکستر بنا دیا۔ یہ حقیقت ہے کہ الحاد اکبری کے اصل قاطع شیخ مجدد تھے۔

اکبر کے انتقال کے بعد اسی گھناؤنے وتیرہ وتار اور متعفن ماحول میں ایک عیاش اور مخمور بادشاہ نورالدین جہانگیر تخت نشین ہوا۔ نور جہاں سے نکاح کیا جو جہانگیر کے قلب و دماغ پر پوری طرح مسلط ہو گئی۔ کچھ دوسری وجوہات کی بنا پر اثنا عشری (شیعہ) عقائد سرایت کرنے لگے اور عہد اکبری کے بیشتر قوانین و قواعد جاری رکھے گئے۔

حضرت شیخ مجدد نے اپنے مکتوبات اور تصنیفات میں عقائد باطلہ کی تردید شروع کر دی اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے اپنے مبلغین کو اندرون ملک اور بیرون ملک بھیجنا شروع کر دیا اور ایک منظم جدوجہد شروع کر دی۔ علماء سوء نے ہوس اقتدار میں آپ کی مخالفت شروع کر دی اور آپ کے خلاف بادشاہ کے کان بھرے اور ہر طرح کے الزام دھرے۔ بالآخر شیخ مجدد کو دربار جہانگیری میں بلایا گیا اور سجدہ تعظیسی کا حکم دیا گیا۔ آپ نے سختی سے انکار کیا اور فرمایا

”اے جہانگیر! جو پیشانی اپنے معبود برحق کے سامنے جھک چکی ہے وہ تیرے سامنے ہرگز نہ جھکے گی۔“

جہانگیر کا چہرہ غصے سے تھما اٹھا۔ آنکھیں سرخ ہو گئیں اور پھر سجدے پر اصرار کیا۔ مفتی وقت نے جب دیکھا کہ جہانگیر آپ کو ہاتھی کے پاؤں کے ساتھ باندھ



کر چروانے والا ہے تو بے اختیار بول پڑا۔

”اے شیخ احمد! میں از روئے شرع فتویٰ دیتا ہوں کہ گردن جھکا دی جائے اور

جان بچالی جائے۔“

آپ نے نہایت اطمینان سے فرمایا ”واقعی فتویٰ تو یہی ہے لیکن تقویٰ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ یہ گردن غیر خدا کے سامنے جھکنے پائے۔“ آپ کے اسی استقلال و عزیمت کے پیش نظر علامہ اقبال نے آپ کے حضور یہ نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر

وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے

اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے

جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہباں

اللہ نے ہر وقت کیا جس کو خبردار

(بال جبریل)

آپ کے ان برجستہ الفاظ سے دربار جہانگیری میں سناٹا طاری ہو گیا۔ نہ معلوم قدرت نے کیا کرشمہ دکھایا کہ جہانگیر نے قتل کی بجائے گوالیار کے قلعہ میں قید کر کے آپ کے مکان اور کتابوں کو لوٹ لینے کا حکم جاری کر دیا۔ حضرت مجددؒ، یہ واقعہ رونما ہونے سے پہلے اپنے صاحبزادہ کو بتا چکے تھے کہ ہم پر مصائب نازل ہونے والے ہیں۔ ان کو ہم خندہ پیشانی سے برداشت کریں گے۔

آپ کے قلعہ گوالیار میں پہنچتے ہی قید خانے کی نوعیت بدل گئی۔ ذکر و فکر کی محفلیں ہونے لگیں۔ غیر مسلم، دولت اسلام سے مالا مال ہوئے۔ غرضیکہ حضرت مجدد کے قدم سے وہ قید خانہ نقشبندیہ مجددیہ آستانہ کی صورت اختیار کر گیا۔ بادشاہ بزم خود مطمئن تھا کہ باغی کو سزا دے دی گئی لیکن وہ اس امر سے غافل تھا کہ قدرت نے یہ سارا انتظام صرف اسی کو راہ راست پر لانے کیلئے کیا ہے۔ چند برس آپ وہاں رہے تو متوسلین (جولا کھوں کی تعداد میں تھے) نے بغاوت کا سلسلہ شروع کرنا چاہا۔ آپ نے ایک مکتوب میں تمام کو متنبہ کیا کہ میں حکومت کا خواہشمند نہیں، قید کی مصیبت میرے لئے راحت ہے اور جس مقصد کے لئے میں یہاں آیا ہوں انشاء اللہ وہ عنقریب پورا ہو جائے گا۔

قدرت نے جہانگیر کے قلب و ذہن میں انقلاب پیدا کیا اور اس نے خواب میں دیکھا کہ حضور سرور عالم ﷺ بطور تأسف اپنی انگلی مبارک دانتوں میں دبائے ہوئے فرما رہے ہیں کہ جہانگیر! تو نے کتنے بڑے انسان کو قید کر دیا۔ اس خواب کے بعد اس نے آپ کی رہائی کا حکم صادر کیا۔ آپ نے رہائی سے پہلے حسب ذیل سات شرائط پیش کیں۔

- ۱..... سجدہ تعظیمی موقوف کیا جائے
- ۲..... مساجد آباد ہوں
- ۳..... ذبیحہ گاؤ کی اجازت دی جائے
- ۴..... خادمان شرع مثلاً قاضی، مفتی اور محتسب وغیرہ مقرر کئے جائیں
- ۵..... جزیہ لیا جائے
- ۶..... احکام شرع کی ترویج ہو
- ۷..... قیدی رہا کئے جائیں۔



جہانگیر نے یہ شرائط قبول کر لیں۔ رہائی کے بعد جہانگیر نے سفر و حضر میں ساتھ رہنے کی پیش کش کی جو آپ نے منظور فرمائی تاکہ حضرت شیخ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کا وہ قول بھی پورا ہو جائے کہ بادشاہ اور اراکین سلطنت سے وابستگی اس نیت کے ساتھ اختیار کرنی چاہئے کہ ظلم و عصیاں دور ہو اور شریعت کا دور دورہ ہو۔ آپ کا سفر و حضر میں جہانگیر کے ساتھ رہنے کا مقصد بادشاہ کو پیش کردہ شرائط پر پابند کروانا تھا۔ آپ کی صحبت اور مجالست کا یہ اثر ہوا کہ بادشاہ کو گزشتہ اعمال کا جائزہ لینے اور ان سے تائب ہونے کا موقع مل گیا۔ وہ آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہوا غلام بنا اور خدمت اسلام کیلئے ہر قربانی دینے کیلئے تیار ہو گیا اور وہ بدعات و کفریات جو اکبر کے زمانے میں رائج ہو کر جہانگیری دور میں جڑ پکڑ چکے تھے آپ کے شاندار تجدیدی کارناموں کے سبب دور ہو گئے اور اسلام پر پھر سے بہار آ گئی۔

آخر عمر میں جہانگیر نے کہا تھا کہ میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے نجات کی امید ہو..... البتہ میرے پاس ایک مقدس دستاویز ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کروں گا۔ وہ دستاویز یہ ہے کہ حضرت امام ربانی نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اے جہانگیر! ”ہم جنت میں تیرے بغیر نہ جائیں گے۔“

یہ حضرت امام ربانی ہی کی برکت تھی کہ جہانگیر کی پشت سے شاہ جہاں جیسا دیندار بادشاہ اور شاہ جہاں کے بعد اورنگ زیب جیسا مرد درویش پیدا ہوا۔ اورنگ زیب نے شریعت و طریقت کے علوم میں کمال حاصل کیا تھا۔ اورنگ زیب کے استاد حضرت ملا احمد جیون رحمۃ اللہ علیہ (مصنف تفسیرات احمدیہ) تھے اور پیر و مرشد حضرت عروۃ الوثقی خواجہ محمد معصوم سرہندی علیہ الرحمہ تھے۔ مزید باطنی تعلیم حضرت شیخ سیف الدین سرہندی علیہ الرحمہ سے حاصل کی جو حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی کے فرزند اور خلیفہ تھے۔ آپ ہی کی توجہ اور صحبت کا اثر تھا کہ اورنگ زیب نے اعلیٰ سیاسی



طبقوں کا ذہن بدل کے رکھ دیا۔ یہ امام ربانی کے وہ حیرت انگیز تجدیدی کارنامے ہیں جو لاکھوں افراد کی منظم تحریکیں بھی سرانجام نہ دے سکتیں۔

اولاً: آپ نے حکومت کو صحیح اسلامی نظام کی طرف متوجہ کیا اور اکبر کے فتنہ متحدہ قومیت نے تعینات اسلامی کے مٹانے میں جو بے انتہا مضر اثرات پیدا کئے تھے ان کا سد باب کیا۔ ہندو مسلم اتحاد کے نعرہ کی سخت مخالفت کی اور فرمایا چونکہ ہماری ملت اور تہذیب جداگانہ ہے اس لئے ۔

ہم پیروی قیس نہ فرہاد کریں گے

ہم طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

آج بھی ترویج اسلام کی جو تحریکات پائی جاتی ہیں ان میں آپ کے باطنی فیوضات و تصرفات کا رہنما ہیں۔ مسلم قومیت کا نظریہ جو آپ نے پیش کیا تھا وہ بالآخر قیام پاکستان پر منتج ہوا۔ گویا یہ ملک پاکستان آپ کی نگاہ فیض و تجدید کا ثمرہ ہے۔

شہ ملک ولایت شیخ احمد

بمثلش ما در ایام کم زاد

ثانیاً: حضور ﷺ کی تعلیمات اور روحانی تصرفات نے صوفیاء اور فقراء کو طریقت کی بعض عجیب مصطلحات سے بچایا اور صرف اتباع سنت اور قرآن و حدیث کے مطالعہ کا ذوق پیدا کیا اور ہر حال میں کشف والہام کو وحی کے تابع قرار دیا اور شریعت و طریقت وجود و شہود کے حقیقی خدو خال کو بے نقاب کیا۔

آپ کی کرامات سات سو سے زائد منقول ہیں انکی تفصیل یا اجمال چنداں ضروری نہیں اس لئے کہ حضرت کا وجود ہی سراپا کشف و کرامات تھا۔

آپ نے ۶۳ برس کی عمر پا کر ۲۸ صفر ۱۰۳۳ھ بروز سہ شنبہ بوقت اشراق داعی اجل کو لبیک فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون



آپ کا مزار اقدس سرہند شریف میں مرجع خاص و عام ہے۔ ہر سال ۲۶، ۲۷، ۲۸ صفر کو عرس منعقد ہوتا ہے اور خلق خدا فیوض و برکات حاصل کرتی ہے۔

اے خاک پاک روضہء عبیری و عنبری
کاہل جہاں زبوائے تو مدہوش گشتہ اند

(شاہ عبدالغنی مجددی محدث دہلوی)

عصر حاضر میں شیخ مجدد کے کردار کی ضرورت

زیر نظر مقالہ ”شاہ نقشبند سیمینار“ منعقدہ
جامعہ اسلامیہ منہاج القرآن لاہور میں پڑھا گیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صاحب صدر! مہمانان گرامی، معزز سامعین کرام!

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی تقریباً ہر قوم نے بوجہ کثیرہ اس طرف مراجعت کی۔ برصغیر ہر لحاظ سے دنیا کا مرکز رہا اور پھر یہ کہ مذاہب عالم میں ہر ایک نے یہاں اپنی اپنی قسمت آزمائی کی لیکن ہندو مذہب، ہر مذہب کو مختلف انداز سے ہضم کر جاتا رہا۔ اس طرح دیگر مذاہب اس کا مقابلہ نہ کر سکے لیکن اسلام کا معاملہ اس سے بالکل مختلف رہا۔ اسلام نے برصغیر کے مذہبی، تمدنی، اقتصادی، معاشرتی اور سماجی و سیاسی حالات پر گہرا اثر ڈالا جس کی وجہ سے ہندو قوم میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی اور مختلف طریقوں سے (خاکم بدہن) اسلام کے انہدام کے لئے کاروائیاں شروع کر دیں۔ ان انتقامی کاروائیوں میں ایک طرف اسلام کے سیاسی زور کو توڑنے کے لئے معاشرے میں تخریب کاری، قتل و غارت گری، سیاسی بے چینی اور امن و امان کا مسئلہ پیدا کیا گیا تو دوسری طرف مذہبی سطح پر مسلمانوں کو تبدیل کرنے کے لئے ایسی تحریکیں اٹھائی گئیں جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے تشکیک کا

راستہ اختیار کیا گیا۔ ہندو راجاؤں وغیرہم نے سیاسی طور پر برصغیر کے تقریباً تمام حکمرانوں کے ساتھ پنچہ آزمائی کی لیکن ہر دفعہ منہ کی کھانی پڑی اور شکست فاش ہوئی۔ اس کے بعد ان کے نام نہاد دانشوروں نے سوچا کہ اب سیاسی میدان کو چھوڑ کر کوئی ایسا کھیل کھیلا جائے کہ مسلمان (حقیقی) مسلمان نہ رہے اس کی زبان پر اسلام کا کلمہ تو ہو مگر دل و دماغ سے روح اسلام نکل جائے۔ اس کام کے لیے انہوں نے ہندوؤں کی فلسفیانہ تنظیمیں یا تحریکیں بنائیں۔ ان کے اس فلسفے کا مقصد مساوات اور رواداری کے پردے میں اسلامی تعلیمات کو کھوکھلا کرنا تھا۔ ان تحریکوں نے اپنا کام یوں تو بہت پہلے سے شروع کیا ہوا تھا لیکن بد قسمتی سے اکبر بادشاہ (جلال الدین اکبر) کے زمانے میں ان تحریکوں نے زور پکڑا اور حکومت تک رسائی حاصل کر کے اپنے مکارانہ اور عیارانہ ”فلسفہ رواداری مذاہب“ کے نام پر اسلامی تعلیمات میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوششیں شروع کر دی گئیں۔

یہاں پر یہ امر ذہن نشین رہنا چاہیے کہ براہ راست قوت اور تشدد کے ذریعے لوگوں کے دلوں سے مذہبی وفاداری کو نہیں نکالا جاسکتا لیکن اگر کسی مذہب میں دوسرے مذہب کی اس طرح ملاوٹ کر دی جائے کہ وہ اپنی بنیادی خصوصیات کھو بیٹھے تو وقت گزرنے پر اس مذہب کا مٹ جانا یقینی ہو جاتا ہے۔

چنانچہ اکبر کے ساتھ اس کی محفلوں میں صرف ہندو راجے اور ہندو فلسفی ہی نہ رہتے تھے بلکہ اکبر کے ساتھ عبادت خانے میں ہندو پروہت، کیتھولک مبلغ، زرتشتی موحد اور عقلیت پسند ملحد سبھی کا خیر مقدم کیا جاتا تھا اور ہر اس نظریے کو پسند کیا جاتا تھا جو بادشاہ کی دلچسپی کا موجب ہو۔ ان مختلف الانواع فلسفیانہ خیالات نے اکبر کے ذہن پر جو اثرات چھوڑے، ظاہر ہے کہ ان کا نتیجہ ارتداد والحاد کے سوا اور کیا نکل سکتا تھا؟ اکبر نے ان خیالات کو قبول کر کے نہ صرف تشکیک کے لیے راستہ ہموار کیا بلکہ ارتداد

والحادث تک نوبت جا پہنچی۔

اس میں کوئی بوالعجبی نہیں کہ ہمیشہ ارتداد والحاد کی بنیاد، رواداری کے نرم و دلکش دعوؤں پر قائم کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس دور میں اسلام کے علاوہ ہر مذہب کی ہر نامعقول بات کو نص قطعی سمجھا گیا اور علمائے اسلام کے علاوہ ہر مذہبی لیڈر کی بات کو برہان قاطع سمجھا گیا اور اس کو رازی و غزالی سے زیادہ اہمیت دی گئی اور اسلام کی ہر نشانی (شعار اسلام) کا مذاق اڑایا گیا۔ بادشاہ کی ضد کا یہ عالم تھا کہ ہر وہ کام جس کو اسلام نے پسند کیا ہے اسے ناپسند کرتا اور ہر اس کام کو پسند کرتا جو اسلام میں ناپسندیدہ ہے۔

اختصار کے ساتھ اکبری دور کی چند ترجیحات پیش کی جاتی ہیں تاکہ آپ کو اندازہ ہو سکے کہ اس وقت اسلام کے ساتھ کس قدر گھناؤنی سازش کی جا رہی تھی۔

۱..... اصلی نبوت پر شک و شبہ پیدا کر کے اکبر کی نبوت کے لیے راہیں ہموار کی جانے لگیں اور یہ خدمات ابوالفضل کے سپرد ہوئیں۔

۲..... شریعت کی پیروی کرنے والوں اور اسلام پر یقین رکھنے والوں کو سخت ایذائیں دی گئیں اور بہت سے علماء کو قتل کیا گیا۔

۳..... اکبر کی مجلس میں حضور انور ﷺ کے نام پاک کی تصریح ترک کر دی گئی اور اہل قلم کو اپنی کتابوں سے نعت کا باب خارج کرنے کا جبری حکم دیا گیا۔

۴..... جس شخص کا نام حضور اکرم ﷺ کے نام پر رکھا گیا تھا وہ بدل دیا گیا۔

۵..... گائے کا ذبح کرنا قانوناً ممنوع قرار دیا گیا۔

۶..... مسجدوں کو منہدم اور ویران کیا گیا۔

۷..... مقبروں کو مسمار کیا گیا۔

۸..... کافروں کی عبادت گاہوں اور انکی عبادت کے طریقوں اور ان کے تہواروں کی تعظیم کی جانے لگی۔

۹..... کفار کی دینی کتابوں کو فارسی میں منتقل کیا گیا تاکہ اسلام کے آثار مٹا دیئے جائیں۔

۱۰..... حضرت شیخ اکبر ابن عربی کے نظریہ توحید و جود کی غلط تعبیرات کے ذریعے وحدت ادیان کا نظریہ تراشا گیا۔

اس دور میں اسلام کی اس بے چارگی کو دیکھ کر علماء و مشائخ اسلام کے مجاہد بن کراٹھے اور اکبر کے خلاف کفر و ارتداد کا فتویٰ دیکر اعلان جہاد کیا۔ باقاعدہ بغاوت ہوئی، لڑائیاں ہوئیں، باغی امراء قتل کر دیئے گئے، قاضی بنگال کو ہاتھ پاؤں باندھ کر دریائے جمنا میں پھینک دیا گیا، قاضی برنی کو ذبح کر دیا گیا، قاضی محمد یزدی کو جمنا میں غرق کر دیا، لاہور کے علماء کو قتل کر دیا گیا، کسی کو جلا وطن اور کسی کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا..... الغرض اس قدر ظلم و تشدد روا رکھا گیا کہ بڑوں بڑوں کے حوصلے پست ہو گئے اور اکبر کے مقابلے میں میدان چھوڑ گئے۔

دور اکبری میں اسلام کی حالت زار کیا تھی اس حوالے سے حضرت امام ربانی قدس سرہ العزیز سے بڑھ کر اور کسی کی شہادت کیا وقعت رکھتی ہے جنہوں نے اس دور کی ایک ایک بات کا گہری نظر سے جائزہ لیا تھا۔ حضرت امام ربانی، اکبری دربار کے ایک اہم رکن خان اعظم کے نام ایک مکتوب میں اسلام کی زبوں حالی اور انحطاط و بے چارگی کے متعلق یوں فرماتے ہیں۔

اسلام کی غربت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ کفار کھلم کھلا اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں اور ہر کوچہ و بازار میں نڈر ہو کر احکام جاری کرتے ہیں اور اہل کفر کی تعریف کرتے ہیں اور مسلمان، اسلام کے احکام جاری کرنے سے رکے ہوئے ہیں۔

آپ نے اسلام اور مسلمانوں کی حالت زار پر یوں چیخ و پکار فرمائی

”واویلاہ وامصیبتاہ واحسرتاہ و احزنناہ! محمد رسول
 اللہ ﷺ کہ محبوب رب العالمین است مصدقان اوذلیل
 و خوار و منکران او را بہ عزت و اعتبار“ (دفتر اول مکتوب ۴۷)
 آپ اس امت نے کس کی ذلت و خواری کے نظارے کی تاب نہ لا کر
 کبھی یوں گویا ہوئے ۔

آنچہ من گم کردہ ام گراز سلیمان گم شدے
 ہم سلیمان ہم پری ہم اہرمن بگریستے
 اور کبھی آپ کا دل دیوانہ سرمست بادۂ الست بے چین ہو کر تمللا اٹھتا ہے
 تو یوں پکارتے ہیں ۔

صَبَّتْ عَلٰی مَصَائِبَ لَوْ اَنَهَا

صَبَّتْ عَلٰی الْاِیَامِ صَرْنِ لِبَالِیَا

حاضرین معظم! دسویں صدی ہجری کے دور اختتام پر اکبر کے الحادی
 کارناموں اور علمائے سوء و صوفیائے خام کی ناعاقبت اندیشیوں اور منافقانہ پالیسیوں کی
 وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کی قوت و شوکت کا استیصال ہو چکا تھا، تصور امت دھندلا
 گیا تھا، رسومات شرکیہ اور محدثات شنیعہ نے اسلام کے اصلی رنگ و روپ کو متغیر
 کر دیا تھا۔ گویا کوئی ظاہری و باطنی مرض ایسا نہ تھا جس کی تخم ریزی، امت کے اذہان
 و قلوب میں راسخ نہ ہو چکی ہو۔ سب سے گہرا اور بنیادی مرض فتنہ ابتداء تھا جس نے
 عمل و اعتقاد دونوں کو کھوکھلا اور بے مغز کر دیا تھا۔

ان تفصیلات کے بعد ہمیں خود ہی یہ رائے قائم کر لینی چاہیے کہ حضرت شیخ
 مجدد کا جذبہ ایمان و عرفان کس قدر عظیم تھا اور آپ کی طرز تعلیم و تلقین کس درجہ مؤثر
 اور ہمہ گیر تھی کہ جس نے امت مسلمہ کو ظاہری و باطنی آفات کے تھپیڑوں سے بچا کر

کشتی اسلام کو کنارے لگا دیا۔

ع این کار از تو آید مردان چنین کنند
آپ کی روح اقدس پر اللہ تعالیٰ کی لاکھوں رحمتیں نازل ہوں کہ آپ نے
مجاہدانہ ہمت اور مجددانہ عزیمت کے ساتھ پورے ہندوستان کی تقدیر کو بدل کر رکھ دیا اور ایسا
علمی، ایمانی، روحانی، انقلاب برپا کیا جو زبردست مسلح انقلابی تنظیموں سے بھی ممکن نہیں۔
اگر آپ کے انداز تجدید اور نظریہ اصلاح پر گہری نظر دوڑائی جائے تو مندرجہ ذیل حقائق
سامنے آتے ہیں جو آج بھی امت کی اصلاح کا کام کرنے والوں کے لیے حرز جاں ہیں۔

خاموش تبلیغ

دور اکبری کے اواخر میں علماء اسلام کے ساتھ حکومت کا رویہ بالکل سخت
ہو گیا تھا اور علماء کا قتل عام شروع ہو گیا تھا۔ ایسے حالات میں آپ نے ”ادع الی
سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلہم بآلتی ہی
احسن“ (اٹل، ۱۲۵) کے پیش نظر حکمت و دانائی اور رازداری کے ساتھ خاموش تبلیغ کی
حکمت عملی اپنائی تاکہ یہ غلط فہمی پیدا نہ ہو کہ یہ اصلاحی تحریک، سیاسی مقاصد حاصل کرنا
چاہتی ہے۔ اس سلسلے میں حضرت شیخ مجدد علیہ الرحمہ نے رسول اکرم ﷺ کے مکی اسوہ
حسنہ کو اپناتے ہوئے خاموش تبلیغ کی حکمت عملی وضع فرمائی۔ اس خاموش تبلیغ میں علماء
وصوفیاء اور مبلغین کی عملی، روحانی تربیت اور باطنی توجہات و تصرفات کا عنصر بھی شامل
تھا جس کی وجہ سے جام تبلیغ دو آتشہ ہو گیا تھا۔

خلفاء کے ذریعے دعوت کو عام کرنا

خلفاء و مریدین کے اطراف و اکناف میں پھیلا دینے سے آپ کی اصلاحی
تحریک بے حد مؤثر ثابت ہوئی اور ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی آپ کی
دعوت عام ہو گئی۔

مکتوبات و تصانیف کا سلسلہ

مکتوبات شریفہ اور دیگر تصانیف لطیفہ کے ذریعے ارباب حکومت اور اصحاب دانش کی ذہنی، فکری اور علمی تربیت فرمائی اور روحانی و باطنی تقویت پہنچائی۔

ارباب حکومت کی اصلاح

”الناس علی دین ملوکہم“ کے مطابق آپ نے ان لوگوں کی اصلاح پر خاص توجہ فرمائی جو حکومت کے اعلیٰ مناصب پر فائز تھے اور انہیں ”جرگہ مہمان دولت اسلام“ کے خطاب سے نوازا۔

امور سلطنت میں علماء کو شامل کرنا

صالح اور باکردار علماء کو حکومت کے اہم عہدوں تک پہنچا کر آپ نے امور سلطنت کو اسلام کا جامہ پہنا کر تنفیذ اسلام کی راہیں ہموار فرمائیں۔

علماء و صوفیاء کی اصلاح

اسی طرح آپ نے علماء کے غلط کردار اور صوفیاء کے غلط افکار کی اصلاح کے لیے انقلابی اقدامات فرمائے۔

کتاب و سنت سے تمسک کی تحریک

آپ نے کتاب و سنت سے کامل تمسک کی تحریک پیدا کر کے مسلمانوں میں راسخ الاعتقاد اور راست بازی کا رجحان پیدا کر دیا اور تمام بدعات باطلہ و عقائد فاسدہ کی تیغ کٹی کر کے اسلامی تعلیمات کا چہرہ نکھار کر رکھ دیا۔

معزز سامعین کرام! سچ تو یہ ہے کہ بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ ”آج جو مساجد میں اذانیں سنائی دے رہی ہیں اور مدارس سے قال اللہ تبارک و تعالیٰ اور قال الرسول ﷺ کی نوازش صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور خانقاہوں میں جوہر فکر کے حلقے قائم ہیں، آستانوں میں جو لا الہ الا اللہ کی ضربیں لگائی

جاری ہیں، یہ اہل حق کے چہروں پر جو سنت کا نور ہے اور آنکھوں میں جو محبت کا سرور ہے، یہ امام ربانی مجدد الف ثانی کی تجدید کا جام طہور ہے۔

اور بقول علامہ اقبال

”مغربی دنیا کے افکار و نفسیات جدیدہ ابھی تو افکار مجدد کی گرد تک بھی نہیں پہنچ سکے۔“

حاضرین ذی وقار! دنیا کو آج پھر ضرورت ہے مجدد الف ثانی کی۔ آج فتنہ ہائے عرب و عجم کی یلغار کے دور میں ضرورت ہے امام ربانی کے افکار کی۔ آج یورش ہائے عصر حاضر کے مقابلے میں ضرورت ہے شیخ مجدد کے کردار کی۔ ان کے انفس قدسیہ کی بوباس کی۔ انکی توجہات عالیہ کے اثرات کی۔

ہمیں ضرورت ہے آج پھر کسی سرشار بادۂ مجددیت کے نعرۂ مستانہ کی کہ جس کا پیکر خاکی ہو مگر پرواز افلا کی ہو۔ وہ گفتار میں، کردار میں اللہ کی برہان ہو۔ قاری نظر آئے مگر حقیقت میں قرآن ہو۔ گو بے زر ہو مگر بالغ نظر ہو۔ وہ کار آشیاں بندی سے دور مگر احساس و خوئے وفا میں مخمور ہو۔ وہ موت سے نہیں موت اس سے ڈرتی ہو۔ زمانہ اس کو نہیں وہ زمانے کو مسخر کرتا ہو۔ وقت اسکو نہیں وہ وقت کو بدلتا ہو۔ وہ خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جائے مگر مقام رنگ و بو کا راز پا جائے۔

ہاں ہاں! ضرورت ہے کسی ایسے مرد حق آگاہ کی کہ علم اس کا زیور ہو اور حلم اس کی چادر ہو۔ وفا اسکی ادا ہو اور رضا اسکی جزا ہو۔ صداقت اس کا محمل ہو اور شہادت اسکی منزل ہو۔ دانش اسکی بستی ہو اور عشق اسکی مستی ہو۔ بخت اس کا رسا ہو اور نظر اس کی کیمیا ہو۔ باہوش ایسا کہ شام و سحر کو سمجھے۔ پر جوش ایسا کہ شمس و قمر کو لپکے۔ وہ تخت کا سکندر بھی ہو اور وقت کا قلندر بھی۔ اور وہ مجدد الف ثانی کے کردار کا فیض مجسم بن کر ہے۔

دوڑتا ہو شعلہ خو بجلی کا دامن تھامنے
مسکراتا ہو گر جتے بادلوں کے سامنے

حاضرین مکرم! ہم مایوس نہیں ہیں یہ دین زندہ نبی کا دین ہے یہ زندہ رہے
گا 'تابندہ رہے گا' مجددین آٹے رہیں گے زمانے فیض پاتے رہیں گے
ذرا کان لگا کر غور سے سنو تو سہی..... آواز آرہی ہے 'اپنے وقت کا امام آ
رہا ہے'

اور سنو! عصر حاضر کی ہر کروٹ بہ بانگ دھل دہائی دے رہی ہے کہ عصر
حاضر کے مجدد کے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی ہے۔
ہاں ہاں نظریں اٹھاؤ! وہ دیکھو!

مدینے کی گلی سے، بغداد کے نگر سے، بخارا کی محفل سے، اجمیر کی بستی سے،
سرہند کے چمن سے ہوتا ہوا ایک مرد مجاہد خراماں خراماں میرے دیس کی بستی میں داخل
ہو رہا ہے..... جس کے ساتھ اسلام کی غنیم فوجیں ہیں..... وہ بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے
حرم لے جانے کے عہد و عزم کے ساتھ آ رہا ہے..... ہمارا اسلام ہو اس امام وقت کو کہ
اسکے قدموں کی ہر آہٹ ہمارے دلوں پہ دستک دے رہی ہے اور ہماری آنکھیں اس
کے استقبال کے لیے بے تاب ہیں۔

زمانہ منتظر تیری یلغار کا
تری شوخنی فکر و کردار کا



شریعت کے اجزائے سرگاہ

(علم، عمل اور اخلاص)

ارشاد ربانی ہے:

لکل جعلنا منكم شرعة ومنها جا (المائدہ)

ترجمہ: ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت (واضح راستہ) اور ایک منہاج (لائحہ عمل و طریق کار) بنا دیا ہے۔

شریعت سے مراد ایسا کامل نظام زندگی ہے جو حیات انسانیہ کے ہر شعبے پر غالب و نافذ ہو۔ انسانپیدائش کا مقصد بھی یہی ہے کہ انسان، شریعت کے مطابق عمل کر کے اللہ کی رضا و معرفت حاصل کر سکے۔ حدیث قدسی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فخلقت الخلق لاعرف

ترجمہ: میں نے مخلوق کو اپنی معرفت کے لئے پیدا کیا ہے۔

اسی حقیقت کو قیوم زمانی امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات شریفہ میں یوں بیان فرماتے ہیں:

شریعت اسے جزو است، علم و عمل و اخلاص، تا این ہر سہ

جزو متحقق نشوند، شریعت متحقق نشود و چوں شریعت متحقق

شد، رضائے حق سبحانہ و تعالیٰ حاصل گشت کہ فوق جمیع

سعادات دنیویہ و اخرویہ است و رضوان من اللہ اکبر (دفتر اول مکتوب ۲۶)

ترجمہ: شریعت کے تین جزو ہیں، علم، عمل اور اخلاص، جب تک یہ تینوں جزو متحقق نہ



ہوں شریعت متحقق نہیں ہوتی اور جب شریعت حاصل ہوگئی تو گویا رب تعالیٰ کی رضا مندی حاصل ہوگئی جو دنیا و آخرت کی تمام سعادتوں سے بڑھ کر ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی، سب سے بڑھ کر ہے۔

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت فرمائی ہے کہ شریعت تین چیزوں کا نام ہے علم، عمل اور اخلاص۔ جب تک یہ تین چیزیں حاصل نہ ہوں شریعت حاصل نہیں ہو سکتی اور جب تک شریعت حاصل نہ ہو رضا و معرفت کا حصول ناممکن ہے اور رضا کا مقام ہی سب سے اعلیٰ مقام ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے ہم شریعت کے موضوع پر کچھ عرض کرتے ہیں۔

شریعت کی جامعیت و اہمیت

دین اسلام کی جامعیت و صداقت کی واضح دلیل یہ ہے کہ اس نے نوع انسانی کو ایسی شریعت عطا کی ہے، جو بیک وقت انسانی زندگی کے تمام ظاہری و باطنی پہلوؤں کو محیط ہے۔ یہ وہ چشمہء صافی ہے جس سے ہر وقت ہر فرد مکمل طور پر سیراب و شاداب ہو سکتا ہے اور یہی وہ نظام زندگی ہے جو ہر دور کے ہر چیلنج کا شافی و کافی جواب ہے۔ انسان کی نجات اور خلاصی کا راستہ، اعتقادی اور عملی طور پر شریعت کی متابعت میں ہے۔ استاد اور پیر کی ضرورت اس لئے ہوتی ہے تاکہ وہ شریعت کی طرف رہنمائی کریں۔

شریعت، حضور پر نور سید عالم ﷺ کے اقوال و افعال کا نام ہے یعنی وہ احکام ظاہری جو اجسام ظاہری سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کی برکات قلب اور روح کو بھی منور کرتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ علم شریعت ہی تمام علوم کا اصل و ماخذ ہے اور یہ علم بذریعہ وحی ہم تک پہنچا ہے۔ اس میں کوئی قصور یا فتور ممکن نہیں اور یہی نوع انسانی کیلئے خدا کی

آخری حجت ہے، جس کے بعد انسانیت کے لئے ہدایت کا دوسرا کوئی راستہ نہیں۔
بقول اقبال

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد
بر رسول ما رسالت ختم کرد

حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ کی تعلیم یہ ہے کہ علوم طریقت و حقیقت، علم شریعت کے خادم ہیں۔ طریقت اور حقیقت کے حاصل کرنے سے مقصود، شریعت کی تکمیل ہے۔ احوال و مواجید اور علوم و معارف، اسرار و لطائف جو صوفیائے کرام کو اثنائے راہ میں حاصل ہوتے ہیں وہ اصلی مقاصد میں سے نہیں ہیں بلکہ اوہام و خیالات ہیں جن سے طریقت کے اطفال کی تربیت کی جاتی ہے۔ ان سب سے گذر کر مقام رضا تک پہنچنا چاہیے جو مقام جذبہ و سلوک کی نہایت ہے۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا:

فردائے قیامت از شریعت خواهند پرسید، از تصوف نہ خواهند پرسید، دخول جنت و تجنب از نار و ابستہ باتیان شریعت است، انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیمات علیہم کہ بہترین کائنات اند، بشرائع دعوت کردہ اند، و مدار نجات برآں ماندہ و مقصود از بعثت ازیں اکابر تبلیغ شرائع است۔ (دفتر اول، مکتوب ۴۸)

ترجمہ: کل قیامت کے روز شریعت کی بابت پوچھا جائے گا، تصوف کی بابت نہیں کیونکہ جنت میں داخل ہونا اور دوزخ سے بچنا شریعت کے احکام بجالانے پر منحصر ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام نے جو تمام مخلوقات سے بہتر ہیں شریعتوں کی طرف ہی دعوت دی ہے۔

نیز ایک مکتوب میں آپ نے مزید فرمایا:

”کہ شریعت را صورتے است و حقیقتے، صورتش آنست کہ علماء ظواہر ببیان آن متکفل اند و حقیقتش آن کہ صوفیاء علیہ بآن ممتاز اند (دفتر اول مکتوب ۱۷۲)

ترجمہ: شریعت کیلئے ایک ظاہری صورت ہے جسکو علمائے ظاہر بیان کرنے کے ذمہ دار ہیں اور اس کی باطنی حقیقت وہ ہے جس سے صوفیائے کرام ممتاز ہیں۔

حضرت ملا حسن کشمیری نے حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک مکتوب تحریر کیا جس میں شیخ عبدالکبیر یمنی کے ایک قول کے بابت سوال تھا جس میں اس نے کہا تھا کہ ”اللہ تعالیٰ عالم الغیب نہیں“ (معاذ اللہ تعالیٰ) آپ نے جواباً تحریر فرمایا:

مخدوما! فقیر را تاہ استماع این سخنان اصلاً نیست بے اختیار رگ فاروقیم در حرکت می آید و فرصت تاویل و توجیہ آن نمیدهد، قائل آن سخنان شیخ کبیر یمنی باشد یا شیخ اکبر شامی، کلام محمد عربی علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام در کار است، نہ کلام محی الدین عربی و صدر الدین قونوی و عبد الرزاق کاشی، مارا بہ نص کا راست نہ بہ فص، فتوحات مدینہ از فتوحات مکیہ مستغنی ساختہ است۔ (دفتر اول مکتوب ۱۰۰)

ترجمہ: میرے مخدوم! فقیر کو اس قسم کی باتیں سننے کی ہرگز تاب نہیں۔ بے اختیار میری فاروقی رگ جوش میں آ جاتی ہے اور اس میں تاویل و توجیہ کی طرف فرصت نہیں دیتی۔ ان باتوں کا قائل شیخ کبیر یمنی ہو یا شیخ اکبر شامی، مگر ہم کو تو محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کلام درکار ہے نہ کہ محی الدین عربی، صدر الدین قونوی اور عبد الرزاق کاشی کی کلام۔ ہم کو نص سے کام ہے نہ کہ فص سے۔ فتوحات مدینہ (شریعت محمدیہ علیہ)

صاحبہ الصلوات) نے ہم کو فتوحات مکیہ (حضرت ابن عربی کی ایک کتاب کا نام ہے) سے لا پرواہ کر دیا ہے۔

ایک مقام پر آپ نے فرمایا کہ علمائے ظاہر (اہلسنت) کے درست عقائد کا جمال، صوفیاء کے مجاہدات سے بڑھ کر ہے۔ ملاحظہ ہو:

علمائے ظاہر اہلسنت و جماعت ہر چند در بعضے اعمال مقصر باشند اما جمال درستی عقائد این ہا در ذات و صفات آن قدر نورانیت دارد کہ آن تقصیر در جنب آن مضمحل و ناجیز در نظر می در آید..... الخ (دفتر اول مکتوب ۸)

ترجمہ: اہلسنت کے علماء ظاہر، اگرچہ بعض اعمال میں قاصر ہیں۔ لیکن ذات و صفات الہی میں ان کی درستی عقائد کا جمال اس قدر نورانیت رکھتا ہے کہ ان علماء کی کوتاہی و کمی اس کے مقابلے میں ہیچ و ناجیز دکھائی دیتی ہے اور بعض صوفی باوجود ریاضتوں اور مجاہدوں کے چونکہ ذات و صفات میں اس قدر درست عقیدہ نہیں رکھتے، وہ جمال ان میں نہیں پایا جاتا۔

عقائد کی درستگی کے بغیر شریعت کا علم مفید نہیں

حضرت امام ربانی اپنے ایک مکتوب میں عقائد کی درستگی پر زور دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

پس تا صحیح عقائد نہ نمایند، علم با احکام شرعیہ فائدہ نمیدہد تا ایں ہر دو متحقق نشوند عمل نافع نیاید و تا ایں ہر سہ میسر نگردند حصول تصفیہ و تزکیہ محال است۔ (دفتر اول مکتوب ۱۵۷)

ترجمہ: جب تک (اہلسنت و جماعت کے مطابق) عقائد درست نہ ہوں، احکام



شرعیہ کا علم، کچھ فائدہ نہیں دیتا اور جب تک دونوں متحقق نہ ہوں اعمال و افعال نفع نہیں دیتے۔ پھر جب تک یہ تینوں (علم، عمل، عقیدہ) حاصل نہ ہوں، نفس کا تصفیہ و تزکیہ حاصل ہونا محال ہے۔

آپ کے ارشادات عالیہ کی روشنی میں یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ اہلسنت و جماعت کے عقائد پر یقین رکھنا لازمی ہے اور اس عقیدہ کے مخالفین، ہرگز خدا کے قرب اور معرفت کی لذت حاصل نہیں کر سکتے۔

علم سے مراد علم شریعت ہے

علم کا معنی ہے دانش، یعنی کسی چیز کو یقین اور ظہور کے ساتھ جاننا علم کہلاتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ سب سے افضل ترین علم، معرفت الہیہ کا علم ہے اور معرفت کا علم، شریعت پر موقوف ہے اور علم شریعت، کتاب و سنت کا تفصیلی علم ہے۔

قرآن حکیم میں علم والوں کی فضیلت

والذین اوتوا العلم درجات (مجادلہ)

ترجمہ: علم والوں کے لئے کئی درجے ہیں۔

قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون (زمر)

ترجمہ: فرما دیجئے کیا برابر ہیں علم والے اور بے علم لوگ؟

انما یخشى الله من عباده العلماء (فاطر)

ترجمہ: سوائے اس کے نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے تو اس کے بندے علم والے ہی ڈرتے ہیں۔

حدیث پاک میں علم والوں کی فضیلت

العلماء ورثة الانبیاء (ابن ماجہ)



ترجمہ: علم والے انبیاء کے وارث ہیں۔

علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل

ترجمہ: میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔

فضل العالم علی العابد کفضل علی ادنی رجل من اصحابی

ترجمہ: عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میرے صحابہ میں سے کسی ادنیٰ پر مجھ کو فضیلت حاصل ہے۔

فضل العالم علی العابد کفضل القمر لیلۃ البدر علی سائر الکواکب

ترجمہ: عالم کی فضیلت عابد پر اس طرح ہے جیسے چودھویں رات کا چاند تمام ستاروں پر فوقیت و فضیلت رکھتا ہے۔

فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد

ترجمہ: ایک دین کی سمجھ رکھنے والا (عالم) شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے۔

علماء کی اقسام

حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: علماء تین قسم کے ہیں

۱..... جنہوں نے علم سے خود تو زندگی حاصل کی، مگر دنیا کو ان سے زندگی نہ ملی۔

۲..... جن کے علم سے دوسروں نے تو زندگی پائی مگر وہ خود زندگی نہ پاسکے۔

۳..... جنہوں نے اپنے علم سے خود بھی زندگی پائی اور مخلوق نے بھی ان کے علم سے

زندگی پالی۔

علم کی اقسام

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

علم دو قسم است، علمی است کہ مقصود ازاں عمل است کہ

علم فقہ متکفل آنست و علمی است کہ مقصود ازاں مجرد اعتقاد و یقین قلبی است کہ در علم کلام بہ تفصیل ذکر یافتہ ، بمقتضائے آرائے صائبہ اہلسنت و جماعت کہ فرقہ ناجیہ اند و نجات بے اتباع ایس بزرگواران متصور نیست و اگر سر مو مخالفت است خطر در خطر است۔ ایس سخن بکشف صحیح و الہام صریح نیز بہ یقین پیوستہ است احتمال تخلف ندارد۔ (فتر اول حصہ دوم مکتوب ۵۹)

ترجمہ: علم دو قسم پر ہے۔ ایک وہ علم جس سے مقصود عمل ہے، جس کا متکفل علم فقہ ہے۔ دوسرا وہ علم ہے جس سے مقصود صرف اعتقاد اور دل کا یقین ہے جو علم کلام میں مفصل مذکور ہے اور فرقہ ناجیہ (نجات پانے والے) اہلسنت و جماعت کے قیاس صحیح اور عقیدے کے موافق ہے۔ نجات ان بزرگواروں کی اتباع کے بغیر محال ہے اور اگر بال بھر بھی مخالفت ہے تو کمال خطرہ ہے۔ یہ بات کشف صحیح اور الہام صریح سے یقینی طور پر حاصل ہو چکی ہے اس میں کچھ اختلاف نہیں۔

ثابت ہوا کہ علم فقہ اور علم عقائد کی تفصیلات کو جاننے اور ماننے کے بغیر حقیقی علم حاصل نہیں ہو سکتا اور یہی وہ علم ہے جو قرآن اور حدیث کا خلاصہ ہے اور جس کے بغیر نجات کی کوئی صورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو یہ علم حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

لیکن یہ علم اس وقت مفید اور نافع ہوگا جب علماء اہلسنت و جماعت کے عقائد اور مسلمہ اصولوں کی روشنی میں حاصل کیا جائے گا۔ امام ربانی کو یہ بات کشف اور الہام کے ذریعے بتائی گئی ہے۔ اہلسنت کے خلاف جتنے گروہ اور فرقے ہیں وہ سب گمراہ ہیں۔ اہلسنت کے بزرگوں کی تابعداری کے بغیر نجات محال ہے۔

عمل کے بغیر علم بے سود ہے

عمل، مسلسل کوشش اور محنت کا نام ہے۔ علم حاصل کر لینے کے بعد اس پر عمل کرنے کا مرحلہ آتا ہے۔ اگر عالم اپنے علم پر عمل نہ کرے تو وہ سخت مجرم ہے اور اس کا عذاب سب سے زیادہ عذاب ہے اور وہ علمائے سوء کے زمرے میں آتا ہے۔

قرآن پاک میں بے عمل علماء کی مذمت

مثل الذین حملوا التوراة ثم لم يحملوها کمثل الحمار یحمل

اسفاراً (الجمعة)

ترجمہ: جن لوگوں کو تورات کا علم دیا گیا ہے پھر ان لوگوں نے اس پر صحیح عمل نہیں کیا تو ان کی مثال اس گدھے کی طرح ہے جو اپنے اوپر کتابوں کا بوچھا لادے ہوئے ہے۔ جو لوگ اپنے علم پر عمل نہیں کرتے ان کے متعلق فرمایا۔

کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا مالا تفعلون (المومن)

ترجمہ: بڑی بیزاری ہے اللہ کے نزدیک کہ ہو تم وہ بات جو خود نہ کرو۔

حدیث میں بے عمل علماء کی مذمت

من طلب علماً مما ینبغی بہ وجہ اللہ تعالیٰ یصیب غرضاً من

الدنیا لم یجد رائحة الجنة یوم القیامة (ابوداؤد، ابن ماجہ)

ترجمہ: جو شخص طلب کرے ایک علم ان علوم میں سے کہ جن سے خدا کی رضا مطلوب ہو لیکن اس کی غرض دنیا کا مال ہو تو وہ شخص قیامت کے دن جنت کی بو بھی نہ پاسکے گا۔ نیز سرور عالم ﷺ نے فرمایا۔

مررت لیلة اسری بی باقوام کان تقرض شفاہم بمقاریض من

نار فقلت من انتم قالوا کنا نامر بالخیر ولا ناتیہ وننہی عن الشر

وناتیہ (ابوداؤد)



ترجمہ: معراج کی رات میرا گزرا ایسے لوگوں پر ہوا کہ ان کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جاتے ہیں تو میں نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم وہ ہیں جو دوسروں کو نیکی کے لئے کہتے تھے مگر خود نیکی نہ کرتے تھے اور بدی سے لوگوں کو روکتے تھے لیکن خود بدی کرتے تھے۔

بے عمل علماء امام ربانی کی نظر میں

جس دور میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تجدید اسلام کا کام شروع فرمایا تھا وہ بے عمل علماء اور خام صوفیاء کا دور تھا۔ اگرچہ چند علماء اور صوفیائے حق پرست اس زمانے میں بھی موجود تھے، ان کی کوششیں لائق تحسین تو تھیں لیکن حالات پر اثر انداز نہ ہو سکیں۔

حضرت امام ربانی نے لاہور کے گورنر شیخ فرید بخاری کے نام ایک مکتوب میں فرمایا۔

در قرن ماضی ہر بلائی کہ بر سر آمد از شومئی این جماعت بود پادشاہان را ایشاں از راہ می برند ہفتاد و دو ملت کہ راہ ضلالت اختیار کردہ اند مقتدایان این ہا علماء سوء بودند غیر از علماء ہر کہ بضلالت رفت کم است کہ ضلالت او بدیگرے تعدی کند و اکثر جہلائے صوفی نمائے این زمانہ حکم علماء سوء در اند فساد این ہا نیز فساد متعدی است۔ (دفتر اول مکتوب ۴۷)

ترجمہ: گزشتہ زمانہ (اکبری دور) میں اسلام کے سر پر جو بلا آئی وہ علماء سوء کی بدبختی کی وجہ سے آئی۔ بادشاہوں کو راہ راست سے انہوں نے ہی بہکایا۔ بہتر فرقے جنہوں نے گمراہی کا رستہ اختیار کیا انکے مقتداء (پیشوا) یہی برے علماء ہیں۔ علماء کے سوا ایسے لوگ بہت کم ہیں جو گمراہ ہوئے ہوں اور ان کی گمراہی کا اثر لوگوں تک پہنچا ہو۔ اس

زمانہ کے اکثر جاہل صوفی جو برے علماء کا حکم رکھتے ہیں ان کا فساد بھی متعدی ہے۔
موصوف کے نام ایک دوسرے خط میں آپ نے اسی حقیقت پر مزید روشنی
ڈالتے ہوئے فرمایا:

ہم چنانکہ خلاصی خلائق وابستہ بوجود علماء است،
خسران عالم نیز باایشان مربوط است، بہترین علماء بہترین
عالم است و بدترین ایشان بدترین خلائق ہدایت و اضلال
را باایشان مربوط ساختہ اند، عزیزے ابلیس لعین را دید کہ فارغ
و بیکار نشستہ است، سر آنرا پرسید گفت علماء این وقت کا رما
میکند و در اغواء و اضلال کافی اند۔ (دفتر اول مکتوب ۵۳)

ترجمہ: جس طرح مخلوق کی نجات، علماء کے وجود سے وابستہ ہے۔ اسی طرح اس کی
بربادی کا سبب بھی یہی علماء ہیں۔ علماء میں سے بہتر عالم، تمام انسانوں سے بہتر ہے
اور علماء میں سے برا عالم، تمام انسانوں سے برا ہے کیونکہ تمام جہان کی گمراہی و ہدایت
انہی پر موقوف ہے۔ کسی بزرگ نے ابلیس لعین کو دیکھا کہ فارغ اور بے کار بیٹھا ہے۔
اس کا سبب پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ اس وقت کے علماء میری جگہ کام کر رہے
ہیں، لوگوں کو بہکانے اور گمراہ کرنے کے لئے وہی کافی ہیں۔

اکبر بادشاہ کی گمراہی کا سبب علماء سوء تھے

یہ حقیقت محتاج تعارف نہیں کہ اکبر بادشاہ اور اس کے ساتھیوں کی گمراہی
اور اسلام سے بدظنی میں سب سے زیادہ حصہ بے عمل علماء کا ہے جن میں ملا مبارک
ناگوری (المتوفی ۱۰۱۱ھ) اور اس کے فرزند ابوالفضل (المقتول ۱۰۱۱ھ) اور فیضی
(۱۰۱۴ھ) سرفہرست ہیں۔ ان لوگوں نے تقلید سے انکار کیا، خود محقق ہونے کے
مدعی ہوئے، خود بھی گم کردہ منزل ہوئے اور بادشاہ اور اس کے مصاحبوں کو بھی گمراہ

کیا۔ یہ ایک ایسی اذیت ناک داستان ہے جو مسلمانوں کو خون کے آنسو رلاتی ہے۔ یہ وہ علماء تھے جنہوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی۔ ایسے نازک دور میں ایک ہی مرد مجاہد میدان میں نکلا جس نے سوز صدیقی، غیرت فاروقی، حیا عثمانی اور فقر حیدری کی یاد تازہ کر دی اور گمراہی اور بے دینی کے بھرے ہوئے سیلاب کے سامنے ایسا بند باندھا کہ حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا ہو گیا۔ یہ وہی باکردار اور پاکیزہ شخصیت ہے جس کو دنیا امام ربانی، مجدد الف ثانی کے نام سے یاد کرتی ہے۔

لیکن یاد رہے کہ آپ نے یہ کام عالی شان کوٹھیوں میں بیٹھ کر، فاخرہ لباس پہن کر، مرغن غذائیں کھا کر نہیں کیا بلکہ الفقر فخری کا تاج پہن کر..... ٹوٹی پھوٹی چٹائیوں پر بیٹھ کر..... نان جویں کھا کر..... فتوحات مدینہ کو اپنا سامان بنا کر..... نہایت بے سروسامانی کے عالم میں محض رطائے الہی کے لئے یہ فریضہ انجام دیا تھا۔

ہند میں اسلام زندہ تیری کوشش سے ہوا

ہم ہیں ممنون کرم، احسان ترا سرکار ہے

امام ربانی کی تعلیمات کو مد نظر رکھ کر موجودہ دور کے علماء و صوفیاء کو بھی اپنے کردار کا جائزہ لینا چاہئے اور سوچنا چاہئے کہ ہمارا شمار علماء حق میں ہے یا علماء سوء میں (فالی اللہ المششکی)

کاش! اس دور کے علماء اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے وارثان نبوت ہونے کا حق ادا کریں اور اپنے علمی، عملی اور روحانی پروگراموں پر نظر ثانی کر کے اعلاء کلمۃ الحق کے لئے میدان عمل میں آجائیں۔ مگر ہائے افسوس

حرم رسوا ہوا پیر حرم کی کم نگاہی سے

جوانان تاتاری کس قدر صاحب نظر نکلے

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اجتنب صحبة ثلاثة اصناف من الناس، العلماء الغافلين وقراء المداہنین والمتصوفة الجاهلین. (کشف المحجوب ص ۲۷)
ترجمہ: تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے پرہیز کرنا چاہئے۔
۱..... غافل (بے عمل) علماء سے۔

۲..... خوشامدی قاریوں سے۔

۳..... جاہل صوفیوں (پیروں) سے۔

آج کل کے جاہل صوفی اور ناقص پیر اپنی جہالت کی وجہ سے شریعت کا مرتبہ طریقت و معرفت سے کم بتاتے ہیں حالانکہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

الطريقة والمعرفة كلاهما وزيران لشریعة

ترجمہ: طریقت اور معرفت دونوں شریعت کے وزیر ہیں۔

خیال رہے کہ طریقت سے مقصود تو صرف شریعت پر عمل کو آسان بنانا ہے۔ جب شریعت پر عمل کرنا انسان کا ملکہ بن جائے تو اسی کو طریقت کا کمال کہتے ہیں۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

عملت فی المجاہدة ثلاثین سنة فما وجدت شیئا اشد من

العلم ومتابعته (کشف المحجوب ص ۲۸)

ترجمہ: میں نے تیس برس مجاہدہ کیا پس کوئی چیز اپنے لئے اس سے بہتر نہ پائی کہ علم حاصل کر کے اس پر عمل کیا جائے۔

اخلاص کی حقیقت و ضرورت

لغت عرب میں کسی اچھی چیز کو ناقص اور خراب کرنے والی چیزوں سے پاک و صاف کرنے کو اخلاص کہتے ہیں اور جو چیز پاک و صاف ہو جائے اس کو خالص کہتے ہیں۔



شریعت کی اصطلاح میں تمام اعتقادات، عبادات، معاملات کو شرک، کفر، نفاق، ذاتی اغراض و دنیاوی مفادات اور ریاکاری سے پاک و صاف رکھنے کا نام اخلاص ہے۔

اللہ کے بندے جب اخلاص میں کامل ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں شیطان اور نفس کے تسلط سے محفوظ کر کے اپنے فضل و کرم کے لئے مخصوص کر لیتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو مخلص کہا ہے۔

قرآن اور اخلاص

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

واذکرفیالکتابموسیٰانہکانمخلصا وکان

رسولانبیامریم

ترجمہ: اور ذکر کرو کتاب میں موسیٰ علیہ السلام کا وہ ایک مخلص (چنے ہوئے) شخص تھے اور رسول نبی تھے۔

..... حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

انہمنعبادنامخلصین(یوسف)

ترجمہ: تحقیق وہ میرے مخلص بندوں میں سے ہے۔

قرآن مجید کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آ جاتی ہے کہ حیات انسانی کا اصل مقصد رضائے الہی کا حاصل کرنا ہے۔ اس لئے اہل ایمان، جو عمل بھی کرتے ہیں محض اللہ کی رضا کے خیال سے کرتے ہیں۔ انہی لوگوں کی شان قرآن میں اس طرح بیان ہوئی۔

یبتغونفضلا من اللہ ورضوانا (الفتح)

جب رضائے الہی انسان کا مقصود بن جائے تو اس کا ہر عمل سراپا اخلاص



ہو جاتا ہے۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا، سونا جاگنا غرضیکہ اس کا ایک ایک سانس اور ایک ایک لمحہ عبادت میں شمار ہوتا ہے۔ اس کی کسی سے دوستی اور دشمنی بھی اللہ کے لئے ہوتی ہے۔ الحب لله والبغض لله

حدیث اور اخلاص

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ثلاث لا يغفل عليهن قلب رجل مسلم اخلاص العمل لله تعالى ترجمہ: تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی وجہ سے کسی مسلمان کے دل پر میل اور کھوٹ نہیں رہتے۔ ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص کے ساتھ عمل کرنا ہے۔ (ترمذی)

..... ایک اور حدیث میں اخلاص کی فضیلت یوں بیان فرمائی گئی:

ما من عبد يخلص لله العمل اربعين يوما الا ظهرت ينابيع الحكمة من قلبه على لسانه (احیاء العلوم، ابن عدی)

ترجمہ: جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص سے چالیس دن عمل کر لے تو حکمت کے چشمے اس کے دل سے اس کی زبان پر پھوٹ پڑیں گے۔

حضرت امام غزالی اور اخلاص

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الناس كلهم موتى الا العلماء والعلماء كلهم نيام الا العاملين والعاملون كلهم في خسران الا المخلصين.

ترجمہ: تمام لوگ مردہ ہیں، زندہ صرف علماء ہیں اور علماء بھی سوئے ہوئے ہیں جاگتے صرف وہ ہیں جو اپنے علم پر عمل کرتے ہیں اور عمل کرنے والے بھی خسارے میں ہیں مگر نفع حاصل کرنے والے صرف وہی لوگ ہیں جن کے عمل میں اخلاص ہے۔



حضرت امام ربانی اور اخلاص

آپ فرماتے ہیں:

بالجمله علم وعمل مستفاد از شرع است و تحصیل اخلاص کہ همچو روح است، مر علم وعمل را وابستہ بسلوک طریق صوفیا است تا سیر الی اللہ قطع ننماید و بسیر فی اللہ متحقق نہ شود از حقیقت اخلاص دور است و از کمالات مخلصان مہجور۔ (دفتر اول مکتوب ۵۹)

ترجمہ: علم و عمل دونوں شریعت سے حاصل ہوتے ہیں اور اخلاص کا حاصل ہونا علم و عمل کے لئے روح کی طرح ہے اور وہ طریق صوفیاء پر چلنے پر منحصر ہے۔ جب تک سیر الی اللہ نہ قطع کریں اور سیر فی اللہ کے ساتھ متحقق نہ ہو جائیں، حقیقت اخلاص سے دور اور مخلصوں کے کمالات سے مہجور رہتے ہیں۔

❁ اسی مکتوب میں آگے چل کر فرماتے ہیں:

پس اولیاء اللہ ہر چہ می کنند برائے حق می کنند جل و علانہ برائے نفس خود چہ نفس ایشان فدائے حق شدہ است و در حصول اخلاص ایشان را تصحیح نیت درکار نیست، نیت ایشان بفنا فی اللہ و بقا باللہ تصحیح یافتہ است۔ (دفتر اول مکتوب ۵۹)

ترجمہ: پس اولیاء اللہ جو کچھ کرتے ہیں خدا کے لئے کرتے ہیں نہ کہ اپنے نفس کے لئے کیونکہ ان کے نفس خدا پر قربان ہو چکے ہیں۔ ان کے لئے اخلاص کے حاصل ہونے میں نیت کا صحیح کرنا بھی ضروری نہیں ہے، ان کی نیت فنا فی اللہ اور بقا باللہ سے درست ہو چکی ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ بالا تصریحات



سے اخلاص کی حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ اخلاص کا مقام اتنا آسان اور سستا نہیں کہ انسان جب چاہے حاصل کر لے بلکہ اس کے لئے نفس اور شیطان کے لشکروں سے جہاد کر کے فنا و بقا کی منزلیں طے کرنا پڑتی ہیں تب کہیں جا کر انسان، اخلاص کی دولت سے فیض یاب ہو سکتا ہے۔ یہ صرف ذاتی کوشش کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔ انسان کو ہمیشہ عمل سے اخلاص کی توفیق مانگنی چاہئے۔ سلوک کے راستے میں فنا کی منزل نسیان ماسوی اللہ (اللہ کے سوا سب کچھ بھول جانا) پر موقوف ہے اور یہ نعمت، ذکر نفی اثبات اور شیخ طریقت کی توجہ اور صحبت کے بغیر میسر نہیں آتی (الا ماشاء اللہ)

اخلاص اور احسان

یہ بات ذہن نشین رہے کہ تصوف سے مقصود، منزل احسان کا حصول ہے اور احسان، فرمان نبوی کی روشنی میں یہ ہے:

ان تعبد الله کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانه یراک (مشکوٰۃ، بخاری)

ترجمہ: اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے پس اگر تو اس کو نہ دیکھ سکے تو تیری کم از کم یہ حالت ضرور ہو کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

اسی منزل احسان کو طریقت نقشبندیہ میں دوام حضور و آگاہی کا نام دیا گیا ہے کہ انسان ہر وقت اپنے قلب و ذہن کو ذات کے ساتھ مشغول رکھے اور اس کے دل کے ہر گوشے میں محبوب ہی سما جائے۔ اسی کو وقوف زمانی کہتے ہیں اور یہی اخلاص کی حقیقت ہے۔ (اللہم ارزقنا ایاء)

مخلصانہ ایمان اور کتاب و سنت کے علم کے بعد اعمال صالحہ کی نوبت آتی ہے اور اعمال صالحہ کو ریا (دکھلاوا) سمعہ (جذبہ شہرت) نفاق (ظاہر و باطن میں



عدم مطابقت) من (احسان جتلانا) اذی (تکلیف دینا) صدقہ خبیثہ (گھٹیا اور ردی مال اللہ کی راہ میں دینا) سے خالی اور پاک رکھنا اخلاص ہے۔

مخلص اور مخلص کا فرق

واضح رہے کہ ایک، اخلاص کی صورت ہے اور ایک اخلاص کی حقیقت۔ اخلاص کی صورت یہ ہے کہ عمل میں تصنع و تکلف کی ضرورت ہو اور نیت کو صحیح اور حاضر کرنے کا محتاج ہو، یہ اخلاص دوامی نہیں ہوتا۔ اس کا حامل کبھی اخلاص کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی اخلاص کے بغیر، ایسے شخص کو مخلص (بکسر لام) کہتے ہیں۔ یہ اخلاص عوام کو بھی حاصل ہے۔

اخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ عملی تصنع، تکلف اور کسب سے خالی ہو۔ یہ اخلاص دوامی ہوتا ہے۔ اس کا حامل نیت کے صحیح اور حاضر کرنے کا محتاج نہیں ہوتا کیونکہ اس کی نیت فنا و بقا کے ساتھ درست ہو چکی ہے۔ اس کا نفس امارہ اپنے مولا پر قربان ہو چکا ہے اور مطمئن بن چکا ہے۔ ایسے شخص کو مخلص (بفتح لام) کہتے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔ (فافہم و تدبر)

اعمال جسم ہیں اور اخلاص روح ہے۔

کشف المحجوب شریف میں حضرت سید مخدوم علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

احب الاعمال الی الاخلاص فی الاعمال

ترجمہ: میرے نزدیک عملوں میں سب سے پسندیدہ عمل، اخلاص ہے۔

اخلاص، عمل کے لئے ایسا ہے جیسے روح جسم کیلئے۔ جس طرح جسم، بغیر



روح کے ایک جماد (پتھر) ہے اسی طرح عمل، بغیر اخلاص کے فضول ہے۔
جس انسان کے عمل میں نام و نمود اور شہرت کا جذبہ اور ریا کاری کا شائبہ ہو اس کا
عمل ہرگز قبول نہیں ہوتا کیونکہ اس کا عمل اخلاص سے خالی ہے۔ اخلاص کی نعمت ان کو
حاصل ہوتی ہے جن کے دل و دماغ پر آخرت کی فکر اور خدا کا خوف غالب ہو۔ ظاہر ہے کہ
یہ چیز نفس کے ساتھ جہاد کئے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور اس سرکش گھوڑے کے منہ میں
تقویٰ کی خاردار لگام ڈال کر اس کو رام کئے بغیر اخلاص کی حقیقت میسر نہیں آ سکتی۔ جن
لوگوں کے عمل، اخلاص کی حقیقت سے متصف ہو جائیں، وہ قرب اور معرفت کی
منزلیں حاصل کر کے رضا و مشاہدہ کے مقام پر فائز ہو جاتے ہیں۔

ذالک فضل اللہ یوئہ من یشاء

اہل سنت اور اہل بدعت (مکتوبات کی روشنی میں)

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

کتاب وسنت کی روشنی میں مسلك حق اہلسنت وجماعت

کی تعبیر وتشریح

اسلام کی آسان اور سادہ تعمیر یہ ہے کہ سرور عالم ﷺ نے جو کچھ ہمیں کرنے کا حکم دیا اور جس کام سے منع نہ کیا وہ اسلام ہے اور جس سے روک دیا وہ اسلام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وما اتکم الرسول فخذوه وما نہاکم عنہ فانتہوا (الحشر ۷)

ترجمہ: اور رسول کریم ﷺ جو کچھ تم کو دیں وہ لے لو (اس پر عمل کرو) اور جس کام سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن کریم کے اولین مخاطب تھے۔ انہوں نے دعوت اسلام کو دل و جان سے قبول کیا، اپنی زندگیوں کو اسوۂ رسول ﷺ کے سانچے میں ڈھالا اور وہ ہر امتحان و ابتلاء میں ثابت قدم رہے۔ ان کا جذبہ اطاعت واستقامت بارگاہ خداوندی میں اس قدر مقبول ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بعد میں آنے والے انسانوں کے لیے صحابہ کرام کے طرز زندگی کو معیار حق قرار دے دیا اور ان کی اتباع کرنے والوں کو اپنی رضا اور کامیابی کی سند عطا فرمادی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

السابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوا هم
باحسان رضى الله عنهم ورضوا عنه واعد لهم جنات تجري
تحتها الانهار خالدین فیہا ابدًا ذالک الفوز العظیم (التوبہ ۱۰۰)

ترجمہ: اور وہ لوگ (صحابہ کرام) جنہوں نے (رسول اللہ ﷺ کے ساتھ) پہلے پہل
ہجرت کی اور آپ کی نصرت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور جو (بعد میں آئیوالے) لوگ
ان (صحابہ کرام) کی اچھے طریقے سے اتباع کریں گے اللہ ان سب سے راضی ہو گیا
اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کئے ہیں
جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت میں واضح کر دیا گیا کہ بعد میں آنے والے جو لوگ صحابہ کرام کی
اتباع کریں گے وہی اللہ کی رضا کے مستحق ٹھہریں گے۔

کتاب وسنت، دین اسلام کے دو بنیادی اصول ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بہما کتاب اللہ
وسنة رسوله (مشکوٰۃ ص ۳۱)

ترجمہ: میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر تم انہیں مضبوطی سے تھامے رہو گے تو
گمراہ نہیں ہو گے ان میں ایک تو خدا کی کتاب ہے اور دوسری رسول خدا کی سنت ہے۔

فلہذا ثابت ہوا کہ مسلمان وہی ہو سکتا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ
اور صحابہ کرام کے طریقہ سے وابستہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب وسنت کے حاملین
اور طریق صحابہ کے حاملین اہلسنت وجماعت کہلاتے ہیں۔

متعدد احادیث مبارکہ میں سنت نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات)
اور جماعت صحابہ کرام کے ساتھ وابستہ رہنے کو معیار حق قرار دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:-

..... فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المہدیین (ابوداؤد ۲/۲۷۹)



ترجمہ: پس میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کو لازم پکڑو۔

..... من رغب عن سنتی فلیس منی (بخاری ۲/۷۵۸)

ترجمہ: جس نے میری سنت سے منہ موڑا وہ میری امت سے نہیں۔

..... (عن معاویة) ان هذه الملة ستفترق على ثلث و سبعین ثنتان

وسبعون فی النار و واحد فی الجنة و هی الجماعة (ابوداؤد ۲/۲۷۵)

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری

امت کے تہتر فرقے ہونگے۔ ان میں سے بہتر فرقے جہنمی ہوں گے اور ان میں

صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا اور وہ ”جماعت“ ہے

قالوا من ہی یا رسول اللہ؟ قال ما انا علیہ واصحابی (ترمذی ۲/۸۹)

ترجمہ: صحابہ نے پوچھا وہ ناجی گروہ کونسا ہوگا تو آپ نے فرمایا جو میرے اور

میرے صحابہ کرام کے راستے پر ہوگا۔

..... عن ابن عمر..... وان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یداللہ علی الجماعة

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ (ترمذی ۲/۳۹)

بجملہ تعالیٰ حقائق بالا کے پیش نظر اظہر من الشمس ہوا کہ قرآن و حدیث کی

روشنی میں مسلک اہلسنت و جماعت ہی حق و صداقت کا عنوان ہے۔

سنت کا مفہوم

سنت کا لفظ لغت میں چہرہ، پیشانی، صورت، سیرت، طریقہ، راستہ، نہج وغیرہ

کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

السنة الطريقة المحمودة المستقيمة ولذلك قيل فلان من اهل

السنة معناه من اهل الطريقة المستقيمة المحمودة (لسان العرب ص ۲۲۶)



ترجمہ: سنت، اچھے اور سیدھے راستے کو کہتے ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص اہل سنت سے ہے یعنی اچھے اور سیدھے راستے والوں سے ہے۔

..... اصول فقہ کی کتابوں میں سنت کی تعریف یہ ہے:

ما صدر عن النبی ﷺ من غیر القرآن من قول او فعل او تقریر

(مسلم الثبوت مع شرح فوائح الرحموت از علامہ محبت اللہ بہاری)

ترجمہ: سنت وہ امور ہیں جو حضور ﷺ سے قرآن مجید کے علاوہ صادر ہیں قول یا فعل یا تقریر کی صورت میں۔

..... حدیث میں جہاں کہیں لفظ سنت آیا ہے اس سے مراد نبی کریم ﷺ کی سنت ہی ہے کہیں اضافت کے ساتھ اور کہیں اضافت کے بغیر بھی لفظ سنت کا اطلاق سنت نبوی پر ہی کیا گیا ہے۔ (کما صرح فی اکثر کتب الحدیث)

..... حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

والمراد بالسنة الطريقة المسلوكة في الدين (اشعة الممعات جلد اول)

ترجمہ: سنت سے مراد وہ راستہ ہے جو دین میں مقرر کر دیا گیا۔

الغرض رسول اکرم ﷺ نے ہمارے عمل کے لیے جو راہ دین متعین فرمادی ہے اس راہ کو سنت کہتے ہیں۔

حدیث اور سنت کا فرق

لغوی معنی کے لحاظ سے حدیث، حکایت اور واقعے کو کہتے ہیں اور سنت کے معنی ہیں طریقہ اور راستہ اس لحاظ سے حدیث اور سنت کے معنوں میں اختلاف ہے تاہم محدثین کے ہاں سنت اور حدیث میں فرق صرف یہ ہے کہ:

سنت اس حدیث کو کہتے ہیں جو سرور کائنات علیہ التحیۃ والثناء، تک پختی ہو (یعنی حدیث مرفوع)

حدیث کا اطلاق تابعین اور تبع تابعین کے اقوال اور تقاریر پر بھی ہوتا ہے جسے محدثین حدیث موقوف اور مقطوع کہتے ہیں۔

حضرت امام ابن ہمام کے نزدیک حدیث، سنت اور اسناد کے مجموعے کا نام ہے

حجیت سنت

قرآن مجید کے بعد اسلامی قانون کا دوسرا ماخذ، سنت ہے۔ قرآنی تعلیمات کی صحیح تصویر و تشریح صرف سنت ہی کے ذریعے کی جاسکتی ہے جس کی تعلیم حضور ﷺ کے فرائض بعثت میں شامل ہے:

ويعلمهم الكتاب والحكمة (آل عمران: ۱۶۴)

حدیث و سنت کے منکرین کی اصل غلطی یہ ہے کہ وہ رسول کی شرعی حیثیت اور اس کے اصلی مقام و منصب سے بے خبر ہیں۔ اگر وہ مقام نبوت کو سمجھنے اور رسول کی معرفت حاصل کرنے میں تدبر کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ رسول و نبی کی حیثیت صرف پیغام رساں ہی کی نہیں بلکہ آپ مطاع، مخدوم، امام، بادی، حاکم، قاضی و حکم بھی ہیں اور آپ کی یہ حیثیات قرآن کریم نے ہی متعین کی ہیں۔

عہد حاضر میں جو لوگ سنت کو حجت شرعی ماننے سے انکار کر رہے ہیں وہ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ بنا رہے ہیں۔ (والعیاذ باللہ)

حالانکہ دین کی بنیاد حضور ﷺ کی سنت پر استوار ہے۔ سنت کے ذریعے اذان کا طریقہ رائج ہوا، نماز کے اوقات متعین ہوئے، نماز کی رکعات مقرر ہوئیں، زکوٰۃ کا انصاب اور اسکی مقدار معلوم ہوئی، حج کے ارکان واضح ہوئے، روزے کے تفصیلی احکام ثابت ہوئے، حلال و حرام اشیاء کی فہرست معلوم ہوئی۔ علاوہ ازیں عبادات و احوال شخصیہ، حقوق و معاملات، معاشرے کے باقی احکام، جہاد، صلح و امن، حدود و تعزیرات و قصاص و غیرہم ہر نوع کے اکثر احکام، امت کے لیے



لازم العمل ہوئے۔

امام شافعی علیہ الرحمہ نے ایک طالب حق کا ذکر کیا ہے جس نے انہیں بتایا کہ مجھے ایک منکر سنت ملا اور غلطی سے میں بھی اس کا ہم خیال ہو گیا تھا، مگر مجھ پر جلدی ہی حق واضح ہو گیا، کیونکہ انکار سنت سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی نے اگر تھوڑی سی زکوٰۃ بھی ادا کر لی تو وہ عہدہ برآء ہو گیا۔ اسی طرح اگر کسی نے تھوڑی سی نماز ہی اگرچہ ایک دن میں بلکہ کئی ایام میں صرف دو رکعتیں ہی پڑھی ہوں کیونکہ منکر سنت کے خیال میں جو بات قرآن مجید میں نہیں وہ کسی پر فرض نہیں جبکہ نمازوں کی رکعات اور مقدار زکوٰۃ قرآن مجید میں نہیں۔ (کتاب الام: ۷: ۲۵۲)

حضرت خالد بن اسید نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ قرآن مجید میں عام نماز کا حکم بھی ملتا ہے اور صلوٰۃ خوف کا حکم بھی ملتا ہے مگر صلوٰۃ سفر کا ذکر نہیں ملتا؟

انہوں نے جواب دیا بھیتے! اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو بھیجا تھا تو اس سے پہلے ہم خود کچھ نہ جانتے تھے۔ اب ہم وہی طریقہ اختیار کرتے ہیں جس پر ہم نے حضور ﷺ کو عمل کرتے دیکھا۔ (مسند امام احمد بن حنبل)

مندرجہ بالا اقوال و بیانات سے ظاہر ہوا کہ

سنت... قرآن کے احکام کی عملی شکل ہے۔

سنت... قرآن کے اجمال کی تفصیل ہے۔

سنت... قرآن کے متن کی تشریح ہے۔

سنت... قرآنی ہدایات کو منشاء الہی کے مطابق نافذ اور جاری کرتی ہے۔

یہی معنی قرآن کی درج ذیل آیت سے واضح ہو رہا ہے:

لتبين للناس ما نزل اليهم ولعلهم يتفكرون (نمل ۵۴)

ترجمہ: تاکہ (اے محبوب ﷺ) واضح اور روشن کریں آپ لوگوں پر وہ جو کچھ ہم نے (قرآن کی شکل میں) ان پر نازل کیا اور تاکہ وہ خوب غور و فکر کریں۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے ایک دن ایک حدیث سنائی تو کسی شخص نے درمیان کلام میں کہا کہ کتاب اللہ میں اس کے خلاف ایک بات ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی بات سناؤں اور تم اس میں کتاب اللہ کے نام سے اعتراض پیدا کرو۔ رسول اللہ ﷺ تم سے زیادہ کتاب کے عالم تھے۔ (الدارمی)

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور اہلسنت

سیدنا حمید رکن ارکرم اللہ وجہہ نے فرمایا:

اما اهل السنة فالمتمسكون بما سنه الله لهم ورسوله

ترجمہ: بہر حال اہلسنت وہ ہیں جو تمسک کرنے والے ہیں ان قوانین سے جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے بنایا ہے۔ (حاشیہ سند احمد ۶/۳۱۵)

ایک روایت کے مطابق سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ بصرہ کی جامع مسجد میں خطبہ دے رہے ہیں کہ ایک شخص اچانک کھڑا ہو کر سوال کرتا ہے:

اخبرني من اهل الجماعة ومن اهل الفرقة ومن اهل البدعة ومن اهل السنة ؟

ترجمہ: یعنی مجھے اہل الجماعة، اہل الفرقہ، اہل البدعة اور اہل السنۃ کے متعلق خبر دیجئے؟

پہنچے آپ نے جواب دیتے ہوئے اعلان فرمایا:

”کہ اہلسنت خدا تعالیٰ و رسول اللہ ﷺ کے تیار کردہ اور منتخب شدہ مذہب سے تمسک کرتے ہیں۔ قریب ہے کہ میرے متعلق دو گروہ ہلاک ہوں گے

1 حد سے زیادہ محبت کرنے والے (یعنی رافضی)



2 مجھ سے بغض رکھنے والے (یعنی خارجی)

پس لوگوں میں بہترین درمیانہ عقیدہ رکھنے والے ہوں گے۔ پس اے لوگو تم اس عقیدے کو لازم پکڑو:

والزموا السواد الاعظم فان يد الله على الجماعة (نہج البلاغہ ۱۱/۲)

ترجمہ: اور سواد اعظم (اہلسنت) کو لازم پکڑو کیونکہ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے تیسرے گروہ کو حق پرست اور پہلے دو گروہوں کو باطل پرست قرار دے کر اہل سنت و جماعت کی حقانیت اور صداقت پر مہر تصدیق ثبت فرمادی ہے۔ (والحمد لله علی ذالک)

مسلك اہل السنۃ والجماعۃ ہی معیار حق ہے

سلسلہ نقشبندیہ کے جلیل القدر بزرگ حجتہ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمہ ایک حدیث کی وضاحت کے سلسلے میں رقم طراز ہیں:

الفرقة الناجية هم الصحابة فانه عليه السلام لما قال الناجي

منها واحدة قالوا يا رسول الله ومن هم قال اهل السنة والجماعة فقل

وما اهل السنة والجماعة قال ما انا عليه واصحابي (ایضاً، العلوم ۳: ۲۴۴)

ترجمہ: فرقہ ناجیہ (نجات یافتہ) صحابہ کرام ہیں اس لیے کہ جب حضور ﷺ نے فرمایا

فرقہ ناجیہ صرف ایک ہے تو صحابہ کرام نے عرض کی وہ کونسا فرقہ ہے؟ تو آپ

ﷺ نے فرمایا وہ اہلسنت و جماعت ہے۔ پھر صحابہ نے عرض کیا کہ اہل سنت کون ہیں؟

تو ارشاد فرمایا کہ جس طریقہ پر میں اور میرے صحابہ کرام ہیں۔

سور کائنات ﷻ کا فرمان ہے

اتبعوا السواد الاعظم (مشکوٰۃ ۳۰)

ترجمہ: یعنی سب سے بڑی جماعت کی تابعداری کرو۔



غوث صمدانی حضرت امام عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں
 کان سفیان الثوری يقول المراد بالسواد الاعظم هم من كان
 اهل السنة والجماعة (الميزان النبی ص ۴۰۱)
 ترجمہ: حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ سواد اعظم سے مراد اہلسنت
 وجماعت ہیں۔

قیوم اول حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:
 بالجملة طريق النجاة متبعة اهل السنة والجماعة فانهم
 الفرقة الناجية اما سواهم من الفرق فهم في معرض الزوال وشرف
 الهلاك (دفتر اول مکتوب ۶۹)
 ترجمہ: حاصل کلام یہ ہے کہ آخرت کی نجات کا دار و مدار اہلسنت وجماعت کی
 تابعداری پر ہے کیونکہ یہی ناجی گروہ ہے ان کے علاوہ جتنے فرقے ہیں سب زوال
 کے مقام اور ہلاکت کے کنارے پر ہیں۔

اہلسنت کی تاریخی حیثیت

اہلسنت، مسلمانوں کی سب سے بڑی اور قدیم جماعت ہے جو قرآن
 حکیم سنت رسول اور آثار صحابہ کرام پر عمل پیرا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے اہلسنت کی
 ایک صفت یہ ارشاد فرمائی ہے: ما انا عليه واصحابی
 ترجمہ: یعنی وہ لوگ جو میرے طریقے (سنت) اور میرے اصحاب کے مسلک پر ہیں۔
 ابن تیمیہ کے نزدیک اہل سنت وجماعت سے مراد صحابہ کی جماعت ہے۔ (منہاج ص ۲۵۶)
 تمام جلیل القدر آئمہ مثلاً امام اعظم امام مالک امام شافعی امام اوزاعی امام احمد
 بن حنبل امام ثوری وغیرہم رحمہم اللہ اسی جماعت میں شامل ہیں۔ (الفرق بین الفرق ص ۲۰)
 دور خلافت راشدہ بلاشبہ اہلسنت کا دور کہلاتا ہے۔ اس کے بعد تابعین، تبع

تا بعین بھی اسی مسلک پر گامزن رہے۔ ۱۲۰ھ میں جب حضرت امام ابوحنیفہ مسند اجتہاد پر متمکن ہوئے تو خلیفہ ہارون الرشید نے ۱۷۰ھ کے بعد حضرت امام ابو یوسف کو قاضی القضاۃ کے عہدے پر مامور کیا۔ اس پچاس برس میں سنی حنفی مذہب کو قبولیت عامہ کا شرف حاصل ہو چکا تھا۔

..... حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ کے ذریعے حریم شریفین، دمشق، مصر، یمن، بحرین، بغداد، ہمدان، نیشاپور، بخارا، سمرقند، بلخ، ہرات وغیرہا تک مسلک اہلسنت (حنفی) کا دائرہ وسیع تر ہو گیا۔ چوتھی صدی ہجری میں عباسی خلیفہ المتوکل علی اللہ (۲۳۲ھ تا ۲۴۷ھ) کے عہد میں بھی مسلک اہلسنت کو خوب شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی اسی لیے المتوکل کو محی السنۃ کا خطاب ملا۔ (مروج الذهب)

..... تیسری چوتھی صدی ہجری میں اتحاد امت کو برقرار رکھنے اور معتزلہ کے رد عمل کے طور پر اہلسنت کی دو طاقتور تحریکیں میدان عمل میں اتریں۔ ان میں ایک تو اشاعرہ کی تحریک تھی جس کے بانی حضرت امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ دوسری تحریک ماتریدیہ کی تھی جس کے بانی حضرت امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ دونوں تحریکیں اہلسنت کے عقائد کی حفاظت و حمایت کے لیے سرگرم عمل تھیں۔ اگرچہ بعض فروعی مسائل میں اختلاف ہوا مگر وہ معمولی نوعیت کا تھا۔ (ظہر الاسلام)

..... مصر اور شام میں سلطان صلاح الدین ایوبی (م ۵۸۹ھ) اور ان کے وزیر القاضی الفاضل نے مسلک اہلسنت کو سرکاری مذہب قرار دے کر تائید و تقویت پہنچائی اور بدعات کو یکسر ختم کرنے کا فرمان بھی جاری کیا۔

..... اسی طرح مغربی افریقہ اور اندلس میں بھی مسلک اہلسنت کو سرکاری حمایت حاصل ہوئی۔

..... فاتح سومنات حضرت سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے دور



حکومت میں مسلک اہلسنت کو سرکاری مذہب قرار دیا۔ اس کے بعد ہندوستان میں خاندان مغلیہ کے دو بادشاہوں شاہجہان اور اورنگزیب عالمگیر نے بھی مسلک اہلسنت کی تائیناک اور شاندار خدمات انجام دیں۔

❦ بالآخر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تجدیدی خدمات نے مسلمانوں کی تقدیر بدل کر رکھ دی اور افغانستان و ترکستان ہندو چین میں آج بھی سنی مذہب کا غالب و تفوق آپ کے ہی تجدیدی کارناموں کا ثمرہ ہے کہ اس مسلک حق کے پیروکار پوری دنیا پر چھائے ہوئے ہیں اور یہی مسلمانوں کا سواد اعظم ہیں۔

اہلسنت..... یا..... اہلحدیث

سنت کے مفہوم سے یہ امر واضح ہوا کہ ایک مسلمان، عامل سنت تو ہو سکتا ہے عامل بالحدیث نہیں ہو سکتا۔ لہذا ہر سنت قابل عمل ہے اور ہر حدیث قابل عمل نہیں ہے کیونکہ:

❦ احادیث میں کچھلی امتوں کے اعمال بھی بیان کئے گئے ہیں جن میں سے بعض پر عمل کرنا ہمارے لئے جائز نہیں۔ (کما هو الظاہر)

❦ احادیث میں حضور ﷺ کی خصوصیات بھی مذکور ہیں جن پر عمل کرنا ہمارے لئے مشروع نہیں۔ (فافہم)

❦ احادیث میں ان اعمال کا بھی ذکر ہے جو بعد میں منسوخ کر دیئے گئے جو اب قابل عمل نہیں رہے۔ (فتدبر)

غور فرمائیں! جب تمام احادیث پر عمل کرنا ممکن نہیں تو کوئی شخص اہلحدیث نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے کہیں بھی ہر حدیث پر عمل کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ احادیث کو دوسرے لوگوں تک پہنچانے کا حکم دیا ہے تاکہ تعلیم و تبلیغ کا سلسلہ جاری

رہے۔ جیسا کہ فرمایا:

لِيَبْلَغَ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ (بخاری ۱۶/۱)

ترجمہ: یعنی مجھ سے حدیث سننے والا بعد والوں یا دور والوں کو میری حدیثیں پہنچا دے (یا سنادے)۔

لیکن اس کے برعکس سنت پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي (مشکوٰۃ ۳۰۰)

ترجمہ: یعنی میری سنت پر عمل لازم پکڑو۔

یہ کہیں نہیں فرمایا علیکم بحدیثی یعنی میری حدیث پر عمل لازم پکڑو۔

ثابت ہوا کہ ایک مسلمان اہلسنت تو ہو سکتا ہے اہلحدیث کبھی نہیں ہو سکتا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض کتب احادیث وغیرہا میں اہلحدیث کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے یہ غلط فہمی ہوئی کہ اہلحدیث کسی مسلک یا فرقے کا نام یا عنوان ہے حالانکہ یہ مطابق تصریحات علماء اصول، ان کتابوں میں اہلحدیث کے الفاظ سے مراد حاملین حدیث نہیں بلکہ حاملین حدیث ہیں اور یہ کسی مخصوص فرقے کا نام نہیں ہے۔ (کشافی کتب الاصول) لہذا عوام مسلمین کو اہلحدیث کہلانے کی بجائے اہلسنت کہلانا چاہیے (واللہ الموفق)۔

بدعت کا مفہوم

رسول کریم ﷺ نے اپنی امت کو تاکید فرمائی ہے کہ فتنوں کے زمانے میں بدعات سے بچیں اور سنت کو اپنائیں۔ سنت پر عمل کرنے سے ہی مسلمانوں کی مرکزیت قائم اور شیرازہ مجتمع رہ سکتا ہے۔

حضرت عرابض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فانه من يعيش منكم بعدى فسيرى اختلافاً كثيراً فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ وإياكم ومحدثات الأمور فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة (ابوداؤد ۲/۲۷۹)

ترجمہ: پس جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ امت میں بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ لہذا تم پر لازم ہے کہ میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو، اسی کو تھامے رہو اور دانتوں میں سختی سے دبائے رہو اور اپنے آپ کو بدعتوں (نوپیدامور) سے بچائے رکھو کیونکہ دین میں نئی پیدا کی ہوئی باتیں بدعت ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

بدعت کا لغوی و اصطلاحی معنی

امت میں بدعت اس چیز کو کہتے ہیں جسکی پہلے سے مثال نہ ملتی ہو۔

(کما قال نووی شارح مسلم)

اصطلاح شرح میں بدعت کی تعریف یوں ہے

حافظ ابن رجب حنبلی رقمطراز ہیں:

والمراد بالبدعة ما أحدث ممالا اصل له في الشريعة يدل عليه

ترجمہ: یعنی بدعت سے مراد وہ نئی چیزیں ہیں جن کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو جو ان پر دلالت کرے۔ (جامع العلوم والحکم ۲/۱۲۷)

حدیث مذکور میں ان محدثات امور (نئی باتوں) سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے جو خلاف شرع ہوں اور وہ نئے امور جو خلاف شرع نہ ہوں جائز و مباح ہیں۔ یہ موقف اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:



من احدث في امرنا هذا ماليس منه فهو رد (بخاری/۳۷۱، مسلم/۷۷۷ مشکوٰۃ ۲۷)
ترجمہ: یعنی جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات ایجاد کی جو دین سے نہیں تو وہ
مردود ہے۔

اس حدیث میں ہر نئی چیز سے منع نہیں فرمایا بلکہ ”مالیس منه“ کی قید
لگادی کہ جو چیز دین سے نہ ہو، خلاف دین ہو وہ مردود ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ ”فیصلہ مفت مسئلہ“ میں فرماتے
ہیں کہ

”انصاف یہ ہے کہ بدعت اس کو کہتے ہیں کہ غیر دین کو دین میں داخل
کر لیا جائے۔“

امام قسطلانی شارح بخاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی سے
نقل کیا ہے:

”المحدثات ضربان ما احدث مخالفا کتابا او سنة او اثرا
او اجماعا فهذه بدعة ضلالة وما احدث من الخير لا يخالف شيئا
من ذلك فهذه محدثة غير مذمومة“ (فتح الباری جلد ۱۱ ص ۳۰۲)
ترجمہ: وہ نئے امور جو کتاب یا سنت یا اثر یا اجماع کے منافی و مخالف ہوں بدعت
ضلالت ہیں اور جو اچھے امور کتاب و سنت کے مخالف نہ ہوں بدعت ضلالت نہیں بدعت
محدثات محمودہ (اچھے امور) ہیں۔

حضرت امام ربانی اور امور بدعت

محدثات کی اسی تقسیم کو عارف اکمل حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی
علیہ الرحمہ نے اختیار فرمایا ہے: آپ بدعت کی تقسیم کو پسند نہیں فرماتے اور کسی بدعت

کے منہ ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ آپ ”کل بدعة ضلالة“ (الحدیث) کی تخصیص مناسب نہیں جانتے۔ آپ کے نزدیک ”کل محدثة بدعة“ (الحدیث) عام مخصوص البعض قرار پاتا ہے اسی لیے آپ احداث فی الدین (خلاف کتاب و سنت) کو بدعت فرماتے ہیں اور ہر بدعت کو گمراہی کا سرچشمہ خیال کرتے ہیں۔

۴۶۶ جوابہ مفتی عبدالرحمن کابلی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

”گفتہ اندکہ بدعت بر دو نوع است حسنه و سیئه“

ترجمہ: کہتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں حسنہ و سیئہ

ایس فقیر درھیچ بدعت ازیں بدعتھا حسن و نورانیت مشاہدہ نمی کنند و جز ظلمت و کدورت احساس نمی نماید سیدالبشر می فرمایند علیہ و علی الہ الصلوٰۃ و التسلیمات من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فہورد چیزے کہ مردود باشد حسن از کجا پیدا کند“ (دفتر اول ملت ب ۱۷۶)

ترجمہ: یہ فقیہ ان بدعات میں سے کسی بدعت میں بھی حسن و نورانیت نہیں دیکھتا اور بحر ظلمت و کدورت کے ان میں کچھ محسوس نہیں کرتا۔ سیدالبشر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو ہمارے دین میں ایسی نئی بات نکالے جو دین میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے پس جو شے مردود ہوئی اس میں حسن کیسا؟

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بورسنت سیئہ را علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ طلبات بدعتھا مستور ساختہ اند و رونق ملت مصطفویہ را علی مصدرھا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کدورت امور محدثہ ضائع گردانیدہ عجب تر آنکہ جمعے آن محدثات را امور مستحسنہ

میدانند و آن بدعتہا را حسنات می انگارند و تکمیل دین و تتمیم ملت از آن حسنات می جویند و در اتیان آن امور ترغیب می نمایند ہداهم اللہ سبحانہ سواء الصراط مگر نمی دانند کہ دین پیش از یں محدثات کامل شدہ بود و نعمت تمام گشتہ و رضا حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ بحصول پیوستہ کما قال اللہ تعالیٰ **اليوم اکملت لکم دینکم..... (الخ)**

پس کمال دین از یں محدثات جستن فی الحقیقت انکار نمودن است بمقتضائے ایں آیہ کریمہ۔ (دفتر اول مکتوب ۲۶۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کے نور کو بدعات کی اندھیریوں نے چھپا دیا ہے اور ملت مصطفوی علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والحدیۃ کی رونق کو ان نو ایجاد باتوں کی کدورتوں نے برباد کر دیا ہے۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ ایک جماعت، ان بدعات کو مستحسن جانتی ہے اور ان کو نیکیاں سمجھتی ہے اور ان کے ذریعے سے دین و ملت کی تکمیل کرنا چاہتی ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سیدھے راستے کی ہدایت دے۔ یہ لوگ نہیں جانتے کہ دین ان بدعات سے پہلے کامل و مکمل ہو چکا ہے اور اللہ کی نعمتیں پوری ہو چکی ہیں اور اسکی رضا ان کے حصول کیساتھ ملی ہوئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا۔ پس دین کا کمال ان بدعات میں سمجھنا اور حقیقت اس آیہ کریمہ کے مضمون سے انکار کرنا ہے۔

ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

گزشتگان در بدعت حسنہ دیدہ باشند کہ بعض افراد آنرا مستحسن داشتہ اند اما یں فقیر در یں مسئلہ بایشان

موافقت ندارد و هیچ فرد بدعت را حسنہ نمیداند و جز ظلمت و کدورت در آن احساس نمی نماید قال علی الہ الصلوۃ والسلام کل بدعة ضلالة و می یابد کہ دریں غربت و ضعف اسلام سلامتی منوط باتیان سنت است و خرابی مربوط بہ تحصیل بدعت ہر بدعت کہ باشد بدعت را در رنگ کلند میداند کہ ہدم بنیاد اسلام می نماید و سنت را در رنگ کوکب درخشاں می نماید کہ در شب دیجور ضلالت ہدایت می فرماید علماء وقت راقب سبحانہ تعالیٰ توفیق دہادہ کہ بحسن هیچ بدعت لب نکشایند و باتیان هیچ بدعت فتویٰ ندهند اگرچہ آن بدعت در نظر شاں در رنگ غلق صبح روشن در آید چہ تسویلات شیطان را در ماورائے سنت سلطان عظیم است۔

ترجمہ: بعض اگلے لوگوں نے بدعات میں کوئی حسن دیکھا ہوگا کہ اس کے بعض افراد کو انہوں نے مستحسن قرار دیا۔ یہ فقیران سے اس مسئلہ میں اتفاق نہیں رکھتا اور کسی فرد بدعت کو "حسنہ" نہیں سمجھتا اور سوائے ظلمت و کدورت کے ان میں کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ فقیر کے نزدیک اسلام کی اس غربت کے زمانے میں سلامتی، سنت سے اور خرابی، بدعت سے وابستہ ہے۔ خواہ کوئی بدعت ہو، بدعت اس فقیر کو کدال کی صورت میں نظر آتی ہے کہ جو اسلام کی بنیاد کا ڈھارہی ہے اور سنت ایک درخشاں ستارے کے رنگ میں دکھائی دیتی ہے جو گمراہی کی شب تاریک میں رہنمائی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ علماء وقت کو توفیق دے کہ کسی بدعت کے منہ ہونے سے متعلق زبان نہ کھولیں اور کسی بدعت کے کرنے کا فتویٰ نہ دیں۔ اگرچہ وہ بدعت ان کی نظر میں "فلق صبح" کی طرح روشن ہو کیونکہ شیطانی

کو ماورائے سنت (بدعت) میں بڑا تسلط ہے۔

سطور بالا سے یہ امر بخوبی واضح ہو چکا ہے کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز بدعت کی قسم اول (بدعت حسنہ) پر بدعت کا اطلاق نہیں کرتے بلکہ آپ بدعت کا اطلاق صرف دوسری قسم (بدعت سیئہ) پر ہی کرتے ہیں اور ہر بدعت کو ”کل بدعة ضلالة“ (ابوداؤد ۲۷۹/۲) کے تحت رکھتے ہیں۔

آپ کے اس موقف پر جن لوگوں نے اعتراض و انکار کیا ہے وہ لوگ حضرت امام ربانی کے مرتبہ و علو شان سے بے خبر ہیں۔ اگر دیانت داری سے اس مسئلے پر غور کیا جائے تو مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں۔

تقسیم بدعت سے انکار کی توجیہات

۱..... حضرت امام ربانی سنت کی ترویج اور بدعت کے خاتمے پر مامور تھے۔ یہ دور بدعات کے سیلاب کا دور تھا۔ آپ بدعت سے سخت متنفر تھے۔ فقہاء نے بدعات کی تقسیم کر کے بعض بدعتوں کو جائز، مستحب، واجب و غیرہ قرار دیا اور علمی موشگافیوں کی طرف مائل ہو گئے جبکہ حضرت امام ربانی فکری اور علمی انقلاب لانے اور دین اسلام کی تجدید و تعمیر میں مصروف تھے۔ آپ کی نظر آئندہ ہزار سال کی طرف لگی ہوئی تھی اور ملت اسلامیہ کی ذہنی کشتی کو بچانے کی فکر میں تھے۔

۲..... آپ مشاہدہ و یقین کی آخری منزل پر فائز تھے۔ آپ کا علم، لدنی اور حضوری تھا۔ آپ مقام فقاہت سے نہیں بلکہ مقام امامت و ولایت سے اس تقسیم کی انہی فرما رہے تھے۔ آپ سرور کائنات ﷺ کی محبت میں اس قدر فنا ہو چکے تھے کہ جس قول و فعل کو حضور ﷺ سے کوئی نسبت نہ ہوتی اس میں آپ کو کوئی سن و ہمال نظر نہ آتا۔ عشق و محبت کی دنیا میں نسبت اور رابطے کو جو اہمیت حاصل ہے وہ اہل دل سے پوشیدہ نہیں۔

۳..... جن علمائے امت نے بدعت کی تقسیم فرمائی ہے وہ ”کل بدعة ضلالة“

میں لفظ بدعت کو عام مخصوص البعض قرار دیتے ہیں اور حضرت امام ربانی ”کل محدثۃ بدعتہ“ میں لفظ ”محدثۃ“ کو عام مخصوص البعض قرار دیتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر ”محدثۃ“ کی تخصیص کر دی جائے تو بدعت کی تقسیم کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔

۴ حضرت امام ربانی رحمہ اللہ اس امت کے مجدد و اعظم ہیں۔ آپ کا بدعت حسنہ کی مطلق نفی فرماناسدالباب کے قبیل سے ہے تاکہ عوام بدعت حسنہ کا سہارا لے کر بدعت ضلالہ میں نہ پھنس جائیں لہذا آپ نے تجدیدی حکمتوں کے پیش نظر یہی مناسب جانا کہ بارے سے بدعت کا دروازہ ہی بند کر دیا جائے۔

۵ بدعت حسنہ اور بدعت ضلالہ میں فرق کرنا علمائے محققین کی ذمہ داری ہے۔ آپ نے احتیاطی تدبیر کے طور پر بدعت کی تقسیم تفریق اور تعیین کا حق عوام کے سپرد نہیں فرمایا تاکہ اس کی آڑ میں اہل ہوس و دین میں فتنہ و فساد کا دروازہ نہ کھول دیں جیسا کہ عامہ سوء نے اس تقسیم سے ناجائز فائدہ اٹھایا جن کے بارے میں آپ نے یوں نشاندہی فرمائی۔

”علماء ایس وقت رواج دھندھائے بدعت اندو محو کنند ہائے سنت۔۔۔ مردم را بر بدعت دلالت می نمایند و بجواز بلکہ باستحسان اوفتوی می دهند“ (فتاویٰ مطبوعہ ۵۴)

ترجمہ: اس زمانہ کے اکثر علماء خود ہی بدعت کے رواج دینے والے اور سنت کے مٹانے والے ہیں۔ یہ عامہ دین، آدمیوں کو بدعت کی طرف راہنمائی کرتے ہیں اور بدعت و شرع کا جواز بدعت حسنہ کے نام پر رواج دیتے ہیں۔

۶ آپ مجتہد ہیں اور آپ کا یہ قول اجتہاد کے قبیل سے ہے جیسا کہ آپ نے تشہید میں دفع سابع کا اظہار فرمایا ہے۔ جس کی توجیہ کرتے ہوئے حضرت مرزا

مظہر جان جاناں شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”حضور مجدد ﷺ ترک رفع سبابہ بناء براجتہا دے“ (کلمات طیبات فارسی ص ۲۹)

..... آپ کے نزدیک سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس قول ”نعمت البدعة هذه“ (بخاری، اول) میں بدعت کا لغوی حقیقی معنی مراد ہے کیونکہ دوزر فاروقی میں بدعت کی تقسیم اور اس جیسی دیگر مصطلحات کا نام و نشان تک نہ تھا۔ نیز خلیفہ دوم کا عمل از روئے حدیث سنت ہے نہ کہ بدعت حسنہ، لہذا حدیث کے ان الفاظ کو بدعت کی تقسیم پر محمول کرنا تکلف سے خالی نہیں۔ (فافہم)

۸..... حضرت امام ربانی نے میر محبت اللہ کی طرف ایک مکتوب میں لکھا کہ بدعت دو حال سے خالی نہیں ہے یا وہ سنت کی رافع ہوگی یا رفع سنت سے ساکت ہوگی۔ ساکت ہونے کی صورت میں وہ بالضرور سنت پر زائد ہوگی جو درحقیقت اس کو منسوخ کرنے والی ہے کیونکہ نص پر زیادتی نص کی ناسخ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ بدعت خواہ کسی قسم کی ہو سنت کی رافع اور اس کی نقیض ہوتی ہے۔ نہ اس میں خیر ہے نہ حسن۔ ہائے افسوس انہوں نے بدعت کے حسنہ ہونے کا کس طرح حکم دے دیا؟۔

بدعت حسنہ..... رافع سنت ہے

۹..... قیوم زمانی حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ عبدالرحمن کابلی کی طرف ایک مکتوب تحریر فرمایا جس کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے:

”جاننا چاہیے کہ بعض بدعتیں جن کو علماء و مشائخ نے حسن سمجھا ہے جب ان کو اچھی طرح ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ سنت کو رفع کرنے والی ہیں مثلاً میت کے کفن دینے میں عمامہ کو بدعت حسنہ کہتے ہیں حالانکہ یہی بدعت رافع سنت ہے کیونکہ عدد مسنون (تین کپڑوں) پر زیادتی نسخ ہے اور نسخ عین رفع ہے اور ایسے ہی مشائخ نے شملہ دستار کو بائیں طرف چھوڑنا پسند کیا ہے حالانکہ شملہ کا دونوں کندھوں

کے درمیان چھوڑنا سنت ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بدعت رافع سنت ہے اور ایسے ہی وہ امر ہے جو علماء نے نماز کی نیت میں مستحسن جانا ہے کہ باوجود دل کے ارادہ کے زبان سے بھی نیت کرنی چاہیے حالانکہ آنحضرت ﷺ سے کسی صحیح یا ضعیف روایت سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی صحابہ کرام و تابعین عظام سے کہ انہوں نے زبان سے نیت کی ہو بلکہ جب اقامت کہتے تھے تو فقط تکبیر تحریمہ ہی فرماتے تھے۔ پس زبان سے نیت کرنا بدعت ہے اور علماء نے اس بدعت کو حسنہ کہا ہے اور یہ فقیر جانتا ہے کہ رفع سنت تو اپنی جگہ رہا یہ بدعت فرض کو بھی رفع کرتی ہے کیونکہ اس تجویز میں اکثر لوگ زبانی نیت پر ہی کفایت کرتے ہیں اور دل کی غفلت کا کچھ خوف نہیں کرتے۔ پس اس ضمن میں نماز کے فرضوں میں سے ایک فرض جو کہ نیت قلبی ہے متروک ہو جاتا ہے اور نماز کے فاسد ہونے تک پہنچا دیتا ہے۔ (دفتر اول مکتوب ۱۸۶)

۱۰..... آپ کے نزدیک جو کام، مقصود شرع کے مطابق ہو اور صدر اول میں اس کی کوئی مثال یا اصل ثابت ہو تو اس کو بدعت حسنہ کی بجائے سنت کہا جائے گا جیسا کہ حدیث میں ہے

”من سنّ فی الاسلام سنّة حسنّة فله اجرها“..... (الخ) (مشکوٰۃ ص ۳۳)

لہذا حدیث سے ثابت شدہ تقسیم سنت میں لفظ سنت حسنہ کا اطلاق

بدعت حسنہ کے اطلاق سے بدرجہا اولیٰ معلوم ہوتا ہے۔ (فتدبر)

چنانچہ قطب شام امام عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”ان البدعة الحسنة الموافقة لمقصود الشرع تسمى سنة“

ترجمہ: جو بدعت حسنہ مقصود شرع کے مطابق ہو اس کو بھی سنت ہی کہا جائے گا۔

۱۱..... اس مفہوم کے پیش نظر حضرت امام ربانی اور بعض علماء کے درمیان لفظ

بدعت کے بارے میں اختلاف محض لفظی ہے اور وہ یہ کہ قسم اول پر بدعت کا اطلاق کرنا

چاہیے یا نہیں؟

..... اس لفظی نزاع کی وضاحت کے لیے حضرت شاہ محمد مظہر رحمۃ اللہ علیہ بن حضرت شاہ احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مقامات سعیدیہ ص ۱۲۵ پر تحریر فرماتے ہیں:

”می فرمودند کہ بدعت حسنہ نزد امام ربانی قدس سرہ داخل سنت است اطلاق بدعت برآں نمی فرمایند بموجب کل بدعة ضلالة ونزاع در میان ایشان وعلماء کہ بوجود حسن در بدعت قائل اند لفظی است“

ترجمہ: حضرت شاہ احمد سعید دہلوی فرمایا کرتے تھے کہ بدعت حسنہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک داخل سنت ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کل بدعة ضلالة کے مطابق اس پر بدعت کا لفظ نہیں بولتے اور آپ کے اور ان علماء کے درمیان جو بدعت حسنہ کے قائل ہیں صرف لفظی نزاع ہے۔

..... اسی طرح معرب مکتوبات حضرت علامہ محمد مراد کی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مفصل مضمون کا باحوالہ اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جو قارئین کے لیے بے حد مفید ثابت ہوگا۔

معرب مکتوبات امام ربانی (محمد مراد کی غنی عنہ) کہتا ہے کہ حضرت امام ربانی نے اپنے مکتوبات میں سے بہت سے مقامات پر بدعت کے متعلق بہت سخت رویہ اختیار فرمایا ہے اور آپ اس کے حقدار بھی تھے۔ کیونکہ اگر آپ بدعت کے معاملہ میں شدت نہ فرماتے تو سارا ہندوستان اور ماوراء النہر کا علاقہ بدعت کے اندھیروں میں ڈوب جاتا۔ بدعت کے بارے میں آپ کا یہ رویہ دوسرے علماء اسلاف کے اس قول کے خلاف نہیں کہ بدعت دو قسم پر ہے ”حسنہ اور سیئہ“ کیونکہ حسنہ سے ان کی مراد ہر ایسی چیز ہے جس کے لیے صدر اول میں اصل موجود ہوا اگرچہ اشارۃً ہی ہو جیسے مساجد

کے منارے بنانا، مدارس اسلامیہ قائم کرنا، مسافر خانے تعمیر کرنا، کتابوں کی تدوین اور دلائل کی ترتیب اور اسی طرح اور بھی کئی مثالیں ہیں اور بدعت سیئہ وہ ہے کہ صدر اول میں اسکی کوئی اصل اور بنیاد نہ ہو۔ حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ بدعت کی قسم اول پر بدعت کا اطلاق نہیں کرتے کیونکہ اس کی اصل صدر اول میں موجود ہوتی ہے لہذا ایسا شخص مُبتدع اور مُحَدِّث بھی نہیں کہلائے گا بلکہ آپ بدعت کا اطلاق صرف دوسری قسم پر ہی کرتے ہیں۔ دراصل اس دوسری قسم کا مرتکب ہی مُبتدع اور مُحَدِّث کہلانے کا سزاوار ہے اور اس بناء پر بھی کہ حضور ﷺ نے مطلقاً فرمایا ”کل بدعة ضلالة“

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بدعت حسنہ اور سیئہ کے مسئلہ میں حضرت امام ربانی قدس سرہ اور دوسرے علماء کرام کے درمیان محض نزاع لفظی ہے کہ قسم اول پر بدعت کا اطلاق کرنا چاہیے یا نہیں۔ الغرض علماء جسے بدعت حسنہ کہتے ہیں امام ربانی کے نزدیک وہ سنت میں داخل ہے۔

(حاشیہ مکتوبات شریف دفتر اول مکتوب ۱۷۶ از مولانا نور احمد مرحوم امرتسری مطبوعہ نقوش پریس لاہور)

..... حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی علیہ الرحمہ سنن ابن ماجہ کے حاشیہ انجاء الحاجہ میں حدیث ”من احدث فی امرنا هذا“ (الخ) کے تحت فرماتے ہیں۔

ولهذا قال الشيخ المجدد رحمہ اللہ ان العلوم التي وسائل لامر الدين كالصرف والنحو داخله في السنة ولا يطلق عليهم اسم البدعة فان البدعة عنده رحمہ اللہ ليس فيها حسن البتة.

ترجمہ: اسی بناء پر حضرت شیخ مجدد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ایسے علوم جو حصول دین کے ذرائع اور وسائل ہیں جیسے علم صرف و نحو، وہ سنت میں داخل ہیں اور حضرت شیخ مجدد ان پر بدعت کا اطلاق نہیں کرتے کیونکہ آپ کے نزدیک بدعت میں بالکل کوئی حسن نہیں ہے۔

مذکورہ بالا بحث و تحقیق سے یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا ہے کہ مسئلہ

بدعت میں حضرت امام ربانی اور دوسرے علماء اہلسنت کے درمیان ہرگز کوئی بنیادی و حقیقی اختلاف نہیں بلکہ صرف لفظی نزاع ہے۔ مفہوم و مراد سب کے نزدیک ایک ہی ہے صرف انداز بیان اور اطلاق الفاظ میں فرق ہے۔

امام ربانی اور معمولات اہلسنت

اس حقیقت کی وضاحت اس لیے بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ آج کل بعض لوگ حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ کے ایسے اقوال کو خوب اچھالتے ہیں اور علماء اہلسنت کے معمولات پر تنقید کر کے ان کو بدعتی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

حالانکہ مخالفین اہلسنت، جن امور کے پیش نظر علماء اہلسنت کو بدعتی کہتے ہیں وہ تمام امور حضرت امام ربانی کے عقیدہ و عمل اور قول و فعل سے ثابت ہیں۔ قدرے تفصیل ملاحظہ ہو۔

محفل میلاد

بعض حضرات اپنی تقریر و تحریر کے ذریعے یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ حضرت امام ربانی محفل میلاد کا انکار فرماتے ہیں۔ (نعوذ باللہ) حالانکہ یہ صریح بہتان ہے۔ اصل صورت حال یہ ہے کہ آپ کے قرب و جوار میں محفل میلاد بطریق سماع (قوالی) کا رواج چل نکلا تھا جس کا آپ نے اپنی طریقت نقشبندیہ کی مخالفت کی وجہ سے انکار فرمایا ہے۔

محفل میلاد کے بارے میں تو آپ نے خواجہ حسام الدین احمد علیہ الرحمہ کے نام یوں تحریر فرمایا تھا:

”دیگر در باب مولود خوانی اندراج یافته بود در نفس قرآن خواندن بصوت حسن در قصائد نعت و منقبت خواندن چہ مضائقہ است ممنوع تحریف و تغنیہ حروف قرآن است“ (دفتر سوم مکتوب ۷۲)

ترجمہ: محفل میلاد میں اگر اچھی آواز کے ساتھ قرآن کی تلاوت کی جائے اور حضور ﷺ کی نعت شریف اور بزرگان دین کی منقبت کے قصیدے پڑھے جائیں تو اس میں کیا حرج ہے؟ ممنوع تو یہ ہے کہ قرآن کے حروف میں تبدیلی اور تحریف کر دی جائے اور قصیدے پڑھنے میں راگنی، سرتال اور موسیقی کے قواعد کی رعایت اور پابندی کی جائے اور تالیاں بجائی جائیں وغیرہا۔

عرس منعقد کرنا

تبلیغی مقاصد اور ایصالِ ثواب کے پیش نظر اولیاء کرام کے مزارات کی حاضری اور بزرگان دین کے عرس منعقد کرانا اہلسنت کے معمولات میں سے ہے جسکی اصل حدیث سے ثابت ہے۔

”روی عن ابن شیبۃ ان النبی ﷺ کان یاتی قبور الشهداء باحد علی رأ بن کل حول“ (ارشاد الساری مناسک ملا علی القاری ص ۳۴۷، التفسیر الکبیر ۱۹/۴۵)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ ہر سال کے شروع میں احد شریف میں شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لایا کرتے تھے۔

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں:

”والخلفاء الاربعة ہکذا کانوا یفعلون“ (التفسیر الکبیر ۱۹/۴۵)

ترجمہ: اور چاروں خلفائے راشدین بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ باقاعدہ محافل عرس میں شرکت فرماتے اور اولیاء کرام کے مزارات پر حاضری دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت شیخ



فرید کے نام آپ نے یوں تحریر فرمایا:

”در ایام عرس حضرت خواجہ جیو قدس سرہ بحضرت

دہلی رسید بخاطر داشت کہ در ملازمت علیہ نیز برسد“

(دفتر اول مکتوب ۲۳۳)

ترجمہ: حضرت خواجہ جیو قدس سرہ کے عرس مبارک کے دنوں فقیر دہلی آیا۔ ارادہ تھا کہ حضرت کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو۔

..... آپ نے مکتوبات شریفہ میں کسی بھی مقام پر عرس کی ممانعت نہیں فرمائی حالانکہ آپ کے دور میں عرسوں کا رواج تھا جیسا کہ مذکورہ عبارت سے واضح ہوا۔

نیز آپ کے جانشین قیوم ثانی، عروۃ الوثقی حضرت خواجہ شیخ محمد معصوم فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام ربانی قدس سرہ کے عرس مبارک میں شرکت کے بارے میں خود اپنا حال یوں تحریر فرماتے ہیں:

”چند روز است کہ ایس مسکین را درد خفیف است

چنانچہ در مجلس عرس پیر دستگیر در ڈولی نشستہ چند

ساعتہ حاضر شدہ بود“ (مکتوبات معصومیہ دفتر دوم ص ۶۸)

ترجمہ: چند دنوں سے اس مسکین کو درد کا قدرے آرام ہے چنانچہ ڈولی میں بیٹھ کر تھوڑی دیر کے لیے اپنے پیر دستگیر (حضرت مجدد) قدس سرہ کی مجلس عرس میں شرکت کی۔

ایصال ثواب

اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ بدنی اور مالی نفلی عبادات کا ثواب ارواح کو بخشنا

درست ہے اور یہ ثواب ان کو پہنچتا ہے۔ اس کی اصل قرآن و حدیث سے ثابت ہے

اور آئمہ اربعہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ (تیجا، دسواں، چالیسواں بھی ایصال ثواب ہی کی

مختلف صورتیں ہیں اور فوت شدگان کے لیے اجتماعی دعاؤں کا ذریعہ ہیں (حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک مبارک بھی یہی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

”پیش ازیں بچند سال داب فقیر آب بودہ کہ اگر طعام می پخت مخصوص بروحانیات مطہرہ آل عبا می ساخت ... شبہ در خواب می بیند کہ آن سرور حاضر است علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام فقیر برایشان عرض سلام می کند روبرو بجانب دیگر دارند دریں اثناء بفقیر فرمودند کہ من طعام درخانہ عائشہ میخورم ہر کہ مرا طعام فرستد بخانہ عائشہ فرستد این زمان فقیر دریافت کہ سبب عدم توجہ شریف ایشان آن بودہ “

(دفتر اول مکتوب ۳۶)

ترجمہ: آج سے چند سال قبل (فاتحہ و ایصال ثواب کے سلسلے میں) فقیر کا طریقہ یہ تھا کہ اگر کوئی کھانا پکاتا تو اس کا ثواب صرف آل عبا کی روحوں کو پیش کرتا ... ایک رات فقیر نے خواب دیکھا کہ آنحضرت ﷺ تشریف فرما ہیں۔ فقیر نے سلام عرض کیا مگر حضور ﷺ نے اپنا چہرہ اقدس دوسری طرف کیا ہوا ہے۔ اس دوران میں آپ نے ارشاد فرمایا ”میں کھانا عائشہ کے گھر کھاتا ہوں۔ مجھے جو بھی کھانا بھیجے عائشہ کے گھر بھیجے۔“ فقیر اس وقت جان گیا کہ چہرہ مبارک دوسری طرف پھیرے رکھنے کی وجہ یہی ہے کہ فقیر اس ایصال ثواب میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو شریک نہیں کرتا تھا۔ اس واقعہ کے بعد ایصال ثواب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بلکہ تمام ازواج مطہرات کو شامل کرتا ہے۔

حضرت شیخ مجدد اپنے ایک عقیدت مند کو لکھتے ہیں۔

”نیاز یکہ بدرویشان فرستادہ بودند نیز وصول یافت
فاتحہ سلامت خواند شد“ (دفتر اول مکتوب نمبر ۱۳۲)
ترجمہ: آپ نے جو نیاز درویشوں کے لئے روانہ کی تھی وہ مل گئی ہے اور اس پر
سلامتی کیلئے فاتحہ بھی پڑھ دی گئی ہے

قبروں پر غلاف ڈالنا

اولیاء کبار کی قبروں پر غلاف ڈالنا اور ان کو متبرک جاننا اہلسنت کے نزدیک
جائز ہے اور یہ امر بدعت سیئہ میں داخل نہیں ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی
رحمۃ اللہ علیہ کے عمل سے یہ امر ثابت ہے۔ چنانچہ آپ کے خلیفہ رشید علامہ بدرالدین
سرہندی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

..... ایک دفعہ حضرت شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ روضہ شریفہ قطب الاقطاب حضرت
خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ کی زیارت کے لیے اجمیر شریف تشریف لے گئے
تھے۔ بہت دیر تک اس بدر الاولیاء کے مزار پر انوار پر مراقب رہے۔ جب باہر نکلے تو
محرم ان اسرار خاصہ سے فرمایا کہ

”حضرت خواجہ نے بے حد الطاف و اکرام فرمایا اور اپنے برکات خاصہ کی
ضیافت کی اور اسرار کی باتیں ارشاد فرمائیں اور ہم کو جو یہ کوشش تھی کہ لشکر سلطانی کی
ہمراہی سے علیحدگی ہو جائے آپ نے اس سے منع فرمایا اور اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر
سوچنے کے لیے حکم دیا ہے۔“

اتنے میں روضہ عالیہ کے مجاور غلاف قبر شریف کی چادر لائے جو ہر سال
تازہ آپ کی قبر پر ڈالی جاتی ہے اور سلاطین وقت اس کو تبرکاً لے جاتے ہیں اور لعل
وزمرد کی طرح (کامل تعظیم کے ساتھ) صندوق میں محفوظ رکھتے ہیں۔ جب مجاورین
روضہ مقدسہ نے وہ چادر مبارک آپ کو بطور تحفہ پیش کی اور کہا کہ آپ سے بڑھ کر اس

تبرک کا سزاوار اور کوئی نہیں ہے آپ (امام ربانی) نے اس کو بڑے ادب کے ساتھ قبول کر لیا اور فرمایا کہ حضرت خواجہ قدس سرہ کا یہ تبرک ہمارے کفن کے لیے رکھا جائے۔ (حضرات القدس جلد دوم ص ۹۷ تا ۸۰)

تصور شیخ

اہل باطن کے نزدیک شیخ کی صورت کا نقشہ دل میں حاضر کرنا اور اس کے توسل سے فیض ربانی کا انتظار کرنا طریقت کا معمول بہ عمل ہے جبکہ بعض لوگ اس کو بدعت اور شرک قرار دیتے ہیں۔ (نعوذ باللہ منها) حالانکہ

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات شریفہ میں تصور شیخ کے جواز و صحت کی تصریح فرمائی ہے اور اس کی برکات بیان فرمائی ہیں۔ ملاحظہ ہو! ”پس درابتداء و درتوسط مطلوب را بے آئینہ پیر نمی توان دید“ (دفتر اول مکتوب ۱۲۹)

ترجمہ: پس ابتداء اور درمیان میں مطلوب کو پیر کے آئینہ (تصور شیخ) کے بغیر نہیں دیکھا جاسکتا۔

نیز فرمایا:

”وہیچ طریقے اقرب بوصول از طریق رابطہ نیست“ (دفتر اول مکتوب ۱۸۷) ترجمہ: اور کوئی راستہ بھی وصول کیلئے طریق رابطہ (تصور شیخ) سے زیادہ قریب نہیں۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ محمد اشرف کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

”محبت اطوار ایس دولت متمنائے طلاب است از ہزاراں یکے را مگر بدھند صاحب این معاملہ مستعد تام المناسبت



است۔۔۔ رابطہ راچراں نفی کنند کہ او مسجود الیہ است نہ مسجود لہ چرا محاریب و مساجد را نفی نکنند“ (دفتر دوم مکتوب ۳۰)
ترجمہ: اے محبت کے اطوار والے! یہ دولت (تصور شیخ) طالبان حق کی آرزو ہے جو ہزاروں میں سے کسی ایک کو نصیب ہوتی ہے۔ اس کیفیت والا مرید، صاحب استعداد اور تمام المناسبت ہے۔ نماز میں تصور شیخ کی نفی کی کیا ضرورت ہے کیونکہ شیخ مسجود دالیہ ہے نہ کہ مسجود لہ۔ محرابوں اور مسجدوں کی نفی کیوں نہیں کرتے؟ (حالانکہ ان کی طرف بھی سجدہ کیا جاتا ہے)

استمداد و تصرفات اولیاء

اہلسنت کے نزدیک انبیاء و اولیاء کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرنا، مصائب اور مشکلات کے وقت ان کو ذریعہ اور واسطہ سمجھ کر مدد طلب کرنا بلاشبہ جائز اور درست ہے نیز ارواح طیبہ کا تصرف فرمانا اور امداد کرنا بھی عقلاً ثابت ہے۔
..... حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ نے ملا احمد برکی کے ایک استفسار کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا:

”مخدوما۔۔۔ ازیں قبیل است مدد ہائے کہ از روحانیت اکابر قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم کہ مناسب افعال اجسام است کاهلاک الاعداء ونصرة الاحباء بوجوه مختلفة وانحاء شتى“
(دفتر اول مکتوب ۲۳۹)

ترجمہ: میرے مخدوم! اسی قبیلہ سے اولیاء کبار کی روحانیت مقدسہ کی امداد و اعانت ہے جو جسمانی امداد کی طرح اثر دکھاتی ہے جیسے دشمنوں کو ہلاک کرنا اور دوستوں کی مدد کرنا مختلف طریقوں سے۔

”حضرت قبلہ گاہی ام (خواجہ باقی باللہ قدس

سرہ) مے فرمودند کہ حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہ در بعضے رسائل خود نوشتہ اند کہ در قضائے مبرم ہیچ کس رامجال نیست کہ تبدیل بدھد مگر مرا“ (دفتر اول مکتوب ۲۱۷)

ترجمہ: میرے قبلہ گا ہی حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ فرماتے تھے کہ حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہ نے اپنی بعض تصنیفات میں فرمایا ہے کہ تقدیر مبرم تبدیل کرنے کی طاقت و مجال کسی کو نہیں مگر میں اس کو بھی تبدیل کر سکتا ہوں۔ (قضائے معلق فی علم اللہ مراد ہے)

ناظرین! غور فرمائیں کہ کیا ایسے کالمین امت شرک یا بدعت والے دعوے و عقیدے کے حامل ہو سکتے ہیں؟ (استغفر اللہ العظیم)

..... اسی طرح حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ نے سیادت مآب میر محمد نعمان کی طرف ایک مکتوب گرامی میں شان مجددیت کے بارے میں یوں لکھا:

”مجدد آنست کہ ہرچہ در آن مدت از فیوض بامتان
برسد بتوسط او برسد اگرچہ اقطاب و اوتاد آن وقت
بودند و بدلاء و نجباء باشند“ (دفتر دوم مکتوب ۴)

ترجمہ: اور مجدد وہ ہوتا ہے کہ اسکے زمانہ میں جو کچھ فیوض و برکات امتیوں کو پہنچتے ہیں اسی کے وسیلے سے پہنچتے ہیں اگرچہ وہ فیض حاصل کرنے والے اپنے وقت کے قطب اور اوتاد ہوں یا ابدال و نجباء ہوں۔

ناجی گروہ اور بدعتی فرقے

حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ آپ نے بارہا مکتوبات شریفہ میں اس امر کو واضح فرمایا ہے کہ ناجی گروہ صرف اہلسنت و جماعت ہے۔ اس راستے سے سر مو انحراف

کرنا دنیا و آخرت کی خرابی کا سبب ہے اور اہلسنت کے علاوہ تمام فرقے معرض خطر و زوال میں ہیں۔ فرمان رسالت مآب (علیٰ صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات) سے ثابت ہے کہ اس امت کے تہتر فرقوں میں سے ایک فرقہ جنتی ہے جس کو اہل سنت و جماعت کہا جاتا ہے۔ بقول ابن حزم اہل اسلام کے پانچ فرقے ہیں ایک اہلسنت، دوسرے معتزلہ، تیسرے مرجیہ، چوتھے شیعہ، پانچویں خوارج باقی تمام فرقے انہی کی شاخیں ہیں۔ (املل والنحل لامام شہرستانی)

فقہ کے اعتبار سے اہلسنت میں چار مذاہب ہیں حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی۔ اعتقادات کے لحاظ سے تین گروہ ہیں اشعری، ماتریدی، حنبلی۔ طریقت میں چار بڑے گروہ ہیں نقشبندی، قادری، چشتی، سہروردی وغیرہا۔ لیکن یہ تمام گروہ اہل حق ہیں۔ ان میں کوئی بنیادی اعتقادی تفاوت نہیں اور یہ سارے اہلسنت و جماعت کہلاتے ہیں۔

غنیۃ الطالبین میں ہے کہ خوارج کے پندرہ فرقے ہیں، شیعہ کے بتیس، معتزلہ کے چھ، مرجیہ کے بارہ، جہمیہ ایک، ضراریہ ایک، نجاریہ ایک، کلابیہ ایک اور مشبہ کے تین فرقے ہیں۔ اس حساب سے اہلسنت سمیت کل تہتر فرقے ہو گئے۔ اس دور میں نئے پیدا ہونے والے بدعتی فرقوں نے بھی پہلے (بیان کردہ) فرقوں سے جنم لیا ہے اور ان کے عقائد و نظریات بھی انہی کا چر بہ ہیں جیسا کہ اہل بصیرت سے مخفی نہیں۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ فرید کی طرف ایک مکتوب

میں فرمایا:

”اس بات پر یقین رکھیں کہ بدعتی کی صحبت کا فساد کافر کی صحبت کے فساد

سے بڑھا ہوا ہے اور تمام بدعتی فرقوں میں بدترین وہ گروہ ہے جو پیغمبر ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض و عناد رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں اس گروہ کو کفار کے

نام سے یاد فرماتا ہے۔ ”لیغیظ بہم الکفار“ (الفج، ۲۹)۔“

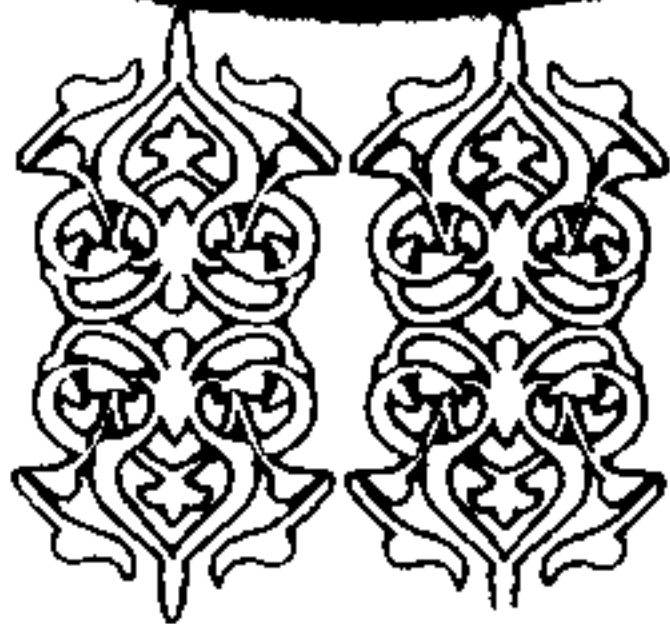
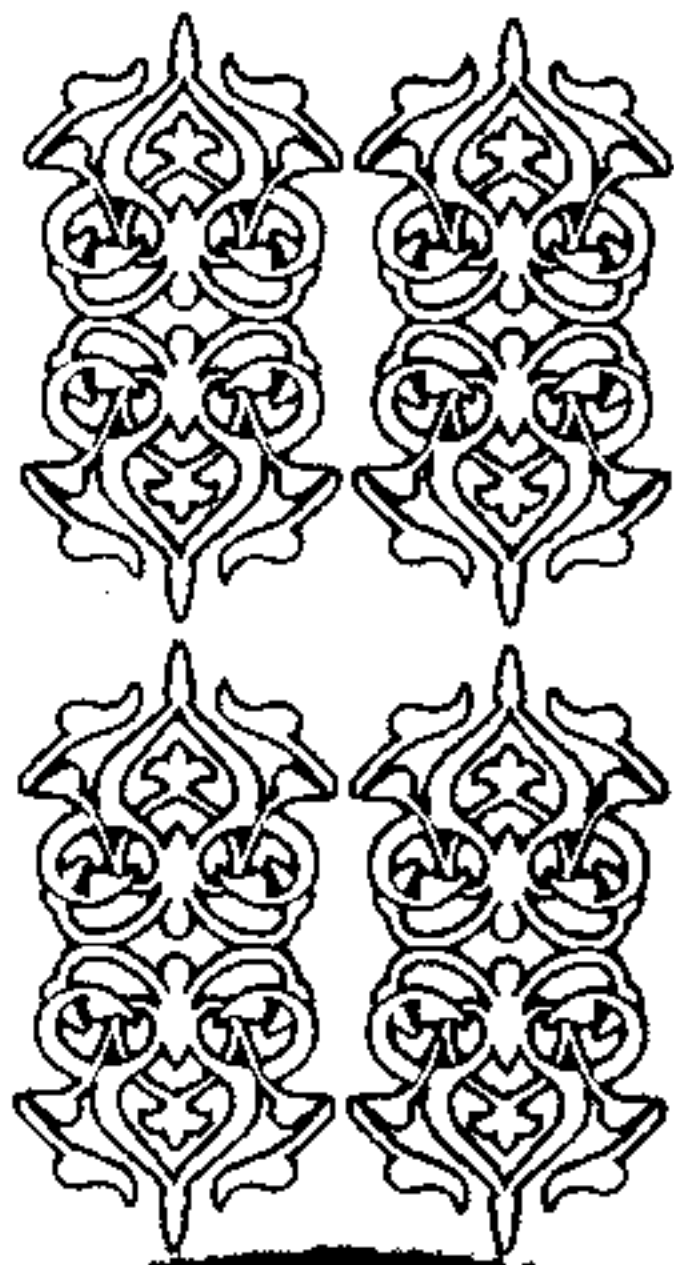


بدعات کے خلاف جہاد

یہ حقیقت ناقابل تردید ہے کہ الحاد اکبری کے دور میں بھی خلاف اسلام فتنوں اور بدعات نے جنم لیا ان میں علماء سوء اور صوفیائے خام کا بھی پورا پورا دخل تھا۔ چنانچہ امام ربانی قدس سرہ نے حکومت وقت کے علاوہ ایسے علماء و صوفیاء کے خلاف بھی بہت زیادہ عملی، لسانی اور قلمی جہاد فرما کر بے شمار بدعات کا خاتمہ فرمایا اور شریعت اور طریقت کے حقیقی خدو خال کو بے نقاب کیا۔

غرضیکہ آپ کے شاندار تجدیدی کارناموں کے سبب اسلام پر پھر سے بہار آگئی۔ آج بھی پوری دنیا میں ترویج اسلام کی جو تحریکات پائی جاتی ہیں ان میں آپ کے باطنی فیوض و برکات اور تصرفات کا رفرما ہیں۔ آپ نے دو قومی نظریہ پیش کیا جو بالآخر قیام پاکستان پر منتج ہوا۔ بلاشبہ مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان آپ کی نگاہ فیض و تجدید کا ثمرہ ہے۔

والحمد لله علی ذالک





حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا علمی و فقہی مقام

زیر نظر مقالہ خدام ملت اسلامک ریسرچ سیل کے زیر اہتمام منعقدہ ۲۰ ستمبر ۱۹۹۶ء کو فلیٹیرز ہوٹل (لاہور) میں سالانہ امام اعظم سیمینار میں پڑھ کر سنایا گیا

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فاستلوا اہل الذکر ان کتم لاتعلمون (النحل)

صاحب صدر، علمائے ذی وقار اور معزز سامعین کرام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس بندہ ناچیز کو سالانہ امام اعظم سیمینار میں خدام ملت اسلامک ریسرچ سیل لاہور کی جانب سے جس موضوع پر مقالہ پڑھنے کی دعوت دی گئی وہ ہے ”امام اعظم کا علمی اور فقہی مقام“

گو اس موضوع پر کچھ لکھنا میرے جیسے بے علم انسان کی رسائی فکر و نظر سے ورا، ہے تاہم یوسف کے خریداروں میں سوت کی اٹی لے کر آنے والی بڑھیا کی طرح ان کے چاہنے والوں میں نام تو آ گیا والحمد للہ علی ذالک

محترم سامعین! اسلامی فقہ کا اصل ماخذ منبع کتاب و سنت ہے۔ بانی

اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بنیاد اپنی حیات ظاہری میں ہی رکھ دی تھی۔

فقہ، احکام شرعیہ، عملیہ کے اس علم کا نام ہے جو دلائل تفصیلیہ سے حاصل ہو۔

فقہ میں اہلسنت کے چار امام ہیں جو عمائد اربعہ (چار ستون) کہلاتے ہیں۔

۱..... حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

۲..... حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ

۳..... حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

۴..... حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

یہ چاروں امام مجتہد ہیں اور برحق ہیں ان میں سے کسی کی بھی تقلید کرنے والا سنی ہوتا ہے۔ ان چاروں اماموں کے مقلدین ہی اس امت کا سواد اعظم ہیں اور بمطابق حدیث یہی ناجی اور جنتی گروہ ہے۔ واللہ الحمد

اہلسنت کا سب سے بڑا گروہ فقہ حنفی پر عمل پیرا ہے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مقلد ہے۔ فقہ حنفی کتاب وسنت سے ماخوذ ہے اور صحیح احادیث پر مبنی ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ نے صحابہ و اکابر تابعین سے علم کتاب وسنت حاصل کیا۔ علم اور فقہ میں آپ کا پایہ اتنا بلند ہے کہ تمام محدثین امت اور فقہائے ملت آپ کے علمی اور فقہی کمالات پر متفق ہیں۔

بشارت اور علمی مقام

حضرت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ سرور عالم ﷺ نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے اس حدیث میں بشارت دی ہے جسے ابو نعیم نے حلیہ میں بروایت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نقل فرمایا اور وہ یہ ہے۔

”لو كان العلم بالشريا لتناوله رجال من ابناء فارس“

ترجمہ: یعنی اگر علم، ثریا میں بھی پہنچ جائے تو فارس کے جوانمردوں میں سے ایک مرد

اس تک پہنچ جائے گا۔ (تبیس الصحیفہ ص ۳)

صحیح مسلم شریف ۲/۳۱۲ کے الفاظ یوں ہیں

لو كان الدين عند الثريا لذهب به رجل من ابناء فارس حتى يتناوله ترجمه: یعنی اگر دین، ثریا کے پاس پہنچ جائے تو مردان فارس کا ایک شخص اس تک پہنچ کر اسے حاصل کر لے گا۔
یہ حدیث حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی علمی و جاہت پر کافی و شافی دلیل ہے۔

امام اعظم

- آپ بلاشبہ علم فقہ میں مسلمانوں کے سب سے بڑے امام اور مجتہد ہیں۔ آپ کو امام اعظم اس لیے کہتے ہیں کہ آپ
- تمام آئمہ فقہ کے (بلا واسطہ یا بواسطہ) استاذ ہیں۔
 - ہم عصر آئمہ مجتہدین کے امام ہیں۔
 - دین اسلام کے مجتہد اول ہیں۔
 - سنن نبویہ کے محافظ اول ہیں۔
 - علم فقہ کے مدون اول ہیں۔
 - اصول و قواعد اجتہاد کے واضح اول ہیں۔
 - جلیل القدر تابعی ہیں۔
 - خیر القرون کے شرف سے ممتاز ہیں۔
 - آٹھ صحابہ کرام کی زیارت سے مشرف ہیں۔
 - صحابہ کرام سے پچاس حدیثوں کے بلا واسطہ راوی ہیں۔
 - جلالت اجتہادی کے اعتبار سے اعظم الفقہاء ہیں۔
 - تبحر علمی کے لحاظ سے اعلم العلماء ہیں۔

جس طرح جنت میں امت مصطفیٰ ﷺ تمام امتوں کا دو تہائی ہے اسی طرح دنیا میں آپ کے مقلدین بھی امت کا دو تہائی ہیں۔ اسی لیے امت محمدیہ علی سادبہا



الصلوات والتسلیمات کی اکثریت آپ کو امام اعظم کے لقب سے یاد کرتی ہے۔
 ”ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء“

ملحوظہ

اصطلاح فقہاء میں امام کے معنی ہیں ”مجتہد“ تو امام اعظم کے معنی ہوئے ”ائمہ مجتہدین میں سب سے بڑا مجتہد“۔ جس طرح صدیق اکبر فاروق اعظم، شہید اعظم، مفسر اعظم، محدث اعظم، فقیہ اعظم، مفتی اعظم وغیرہم کے القابات و خطابات اپنے مخصوص معانی کے لحاظ سے درست ہیں اسی طرح امام اعظم کا لقب بھی صحیح اور درست ہے۔

اساتذہ

خطیب بغدادی اپنی سند متصل کے ساتھ حضرت ربیع بن یونس رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن خلیفہ منصور نے امام اعظم سے پوچھا۔
 ”يَا نَعْمَانُ عَمَّنْ أَخَذْتَ الْعِلْمَ“

اے نعمان! آپ نے کس سے علم حاصل کیا؟

”قَالَ عَنْ أَصْحَابِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ وَ عَنْ أَصْحَابِ عَلِيٍّ عَنْ عَلِيٍّ
 وَ عَنْ أَصْحَابِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ“..... (الخ)

آپ نے فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے شاگردوں سے حضرت عمر کا،
 حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگردوں سے حضرت علی کا اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ
 عنہ کے شاگردوں سے حضرت عبد اللہ بن مسعود کا علم حاصل کیا ہے۔ آپ کا یہ جواب
 سن کر منصور نے کہا:

”لَقَدْ اسْتَوْثَقْتَ لِنَفْسِكَ“ (تاریخ بغداد جلد ۱۳ ص ۹۹)

آپ نے اپنے لیے مضبوط علم حاصل کیا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آپ نے چار ہزار شیوخ اساتذہ اور فقہاء سے مختلف

علوم اسلامیہ حاصل کئے۔ آپ کے تمام اساتذہ کے اسماء گرامی کا احاطہ کرنا تو مشکل ہے تاہم آپ کے چند اساتذہ کے اسماء گرامی ذکر کرنے کا شرف حاصل کیا جاتا ہے۔

✽ آپ کو آئمہ اہل بیت میں سے حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت زید بن علی اور حضرت امام باقرؑ پھر ان کے صاحبزادے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ آپ (امام ابوحنیفہ) کا ارشاد ہے ”لَوْ لَا السَّنَتَانِ لَهَلَكَ النُّعْمَانُ“

ترجمہ: یعنی اگر دو سال (امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی شاگردی کے) نہ ہوتے تو نعمان (ابوحنیفہ) ہلاک ہو جاتا۔

اندازہ فرمائیں کہ جس شاگرد نے آئمہ اہل بیت کے انوار علوم سے فیض حاصل کیا ہو..... اگر اس کا سینہ انوار و علوم کا گنجینہ نہ ہوگا تو کس کا ہوگا؟

✽ آپ کے اساتذہ میں فقیہ اعظم حضرت حماد بن ابی سلیمان الاشعری رحمۃ اللہ علیہ سرفہرست ہیں جن کی خدمت میں اٹھارہ برس حاضر رہ کر آپ نے علم حاصل کیا۔ کوفہ میں سب سے بڑی درس گاہ انہیں کی تھی۔ حضرت حماد نے حضرت ابراہیم نخعی سے علم حاصل کیا انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (صحابی رسول ﷺ) کے علوم ان کے شاگردوں سے حاصل کیے۔

✽ حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کے استاذ ہیں انہوں نے دوسو سے زائد صحابہ کرام سے اکتساب فیض کیا۔ امام اعظم نے ان کے ذریعے حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کے علوم کتاب و حدیث حاصل کئے۔

✽ حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے غلام) کے ذریعے حضرت سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے علوم حاصل کئے۔ حضرت عکرمہ رضی

اللہ عنہ سے سند حدیث حاصل کر کے ان کے واسطے سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا علم حاصل کیا۔ اس طرح حضرت امام اعظم نے دوسو سینتیس شیوخ سے علم حدیث پڑھا اور چوتھیں بزرگوں سے احادیث روایت کیں۔ (اقوال الصحیحہ، تبیض الصحیفہ)

تلامذہ

اگر ایک طرف آپ کے اساتذہ اتنی عظیم الشان قدر و منزلت کے مالک ہیں تو دوسری طرف آپ کے تلامذہ، شاگردوں کی جلالت شان بھی ملاحظہ کیجئے! آپ کے شاگردوں میں

..... حضرت امام قاضی ابو یوسف (قاضی القضاۃ اور صاحب فقہ و روایت)

..... حضرت امام محمد بن الحسن الشیبانی (ذوالفہم الطاہر فی الفقہ واللسان)

..... حضرت امام زفر بن ہذیل (التمیمی العنبری ذوالذکاء الباہر و العلم الطاہر)

..... حضرت امام عبداللہ بن المبارک (الفقہ الکامل الماجد الورع الزاہد)

..... حضرت امام داؤد الطائی (ازہد الائمہ راہب ہذہ الامہ)

..... حضرت امام فضیل بن عیاض (العالم الربانی امام الزہاد)

جیسے جلیل القدر اور عظیم المرتبت اکابرین امت کے نام آتے ہیں۔ آپ کے انہی شاگردوں کے ذریعے حنفی مذہب کا مرکزہ حریم شریفین، کوفہ، دمشق، مصر، یمن، بحرین، بغداد، ہمدان، نہاوند، نیشاپور، سمرقند، بخارا، بلخ، ہرات، موصل، کرمان، سرخس، ابھواز، طبرستان، قستان، سجستان، جرجان، خوارزم، صفانیاں، ترمذ، واسط، نصیبین، رملہ اور استر آباد وغیرہا مقامات تک وسیع ہو گیا تھا۔ آپ کے شاگرد خاص حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کی نو سونانوے تصانیف ایسی ہیں جن سے زمانہ آج تک فیضیاب ہو رہا ہے فقہاء احناف نے آپ کو ”محرر المذہب“ کے لقب سے یاد کیا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اگر یہود و نصاریٰ حضرت امام



محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کو دیکھ لیں تو بے اختیار ایمان لے آئیں۔ چنانچہ مشہور ہے کہ عیسائیوں کے ایک نامور فاضل نے آپ کی ”جامع کبیر“ کو ملاحظہ کیا تو فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

حاکم فی الحدیث

بعض کج فہم، کم علم لوگ، آپ کی ذات سے بغض و عناد رکھنے والے یہ الزام لگاتے ہیں کہ حنفی مذہب احادیث نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰات) سے خالی ہے اور امام اعظم قلیل الروایت، ضعیف الروایت اور یتیم فی الحدیث ہیں۔ یہ لوگ نہیں جانتے کہ امام اعظم حدیث میں حاکم اور شہنشاہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اصطلاح حدیث میں حاکم اس کو کہا جاتا ہے جو مرویات حدیث پر ”متناو سنداً“ دسٹرں رکھتا ہو۔ مراتب محدثین میں یہ سب سے اونچا مرتبہ ہے اور امام اعظم اسی بلند منصب پر فائز ہیں۔

آپ کے مخالفین اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ امام اعظم نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زائد احادیث بیان فرمائی ہیں اور چالیس ہزار احادیث سے کتاب الآثار کا انتخاب فرمایا ہے۔ (مناقب علی القاری بذیل الجواہر ج ۲ ص ۴۷۴) گو امام بخاری نے صحیح بخاری کا چھ لاکھ احادیث سے انتخاب کیا تھا مگر یہ بات ذہن نشین رہے کہ احادیث کی قلت و کثرت درحقیقت طرق اور اسانید کی قلت و کثرت سے عبارت ہے ورنہ نفس احادیث کی تعداد چار ہزار چار سو سے زیادہ نہیں ہے۔

”ان جملة الاحادیث المسندة عن النبی ﷺ یعنی الصحيحة

بلا تکرار اربعة الاف واربعة مائة“

ترجمہ: یعنی بیشک وہ تمام مسند احادیث صحیحہ جو بلا تکرار حضور ﷺ سے مروی ہیں ان کی تعداد چار ہزار چار سو ہے۔ (توضیح الافکار)

اما اعظم اور امام بخاری کے درمیان جو روایات کی تعداد کا فرق ہے وہ نفس روایات کا نہیں بلکہ اسانید کی تعداد کا فرق ہے ورنہ نفس احادیث کے لحاظ سے امام اعظم کی مرویات، امام بخاری سے کہیں زیادہ ہیں کیونکہ امام اعظم اور امام بخاری کے درمیان ۱۱۴ سال کا طویل وقفہ ہے۔ امام اعظم کے زمانہ میں راویوں کا اتنا شیوع اور عموم نہیں تھا جتنا امام بخاری کے دور میں ہوا۔

امام اعظم کا فقہی مقام

کتاب وسنت سے مسائل کے استنباط اور استخراج کے سلسلے میں آپ کے سات اصول ہیں

۱۔ کتاب اللہ ۲۔ سنت رسول ۳۔ عمل صحابہ ۴۔ اجماع

۵۔ قیاس ۶۔ استحسان ۷۔ تعامل

حضرت عبداللہ بن مبارک سے روایت ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ لوگوں پر تعجب ہے کہ وہ میرے متعلق کہتے ہیں کہ میں اپنی رائے پر فتویٰ دیتا ہوں حالانکہ میں تو ”اثر“ پر فتویٰ دیتا ہوں۔

حضرت علامہ موفق علیہ الرحمہ نے المناقب جلد اول میں لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ کے دارالحنافین میں حضرت امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی کے درمیان مکالمہ ہوا۔ امام اوزاعی نے امام ابوحنیفہ سے کہا کیا بات ہے کہ نماز میں رکوع کو جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت تم رفع یدین نہیں کرتے؟

امام ابوحنیفہ نے فرمایا اس لیے کہ رسول خدا ﷺ سے اس سلسلے میں صحت کے ساتھ کچھ بھی ثابت نہیں۔

امام اوزاعی نے کہا کہ کس طرح ثابت نہیں حالانکہ مجھ سے زہری نے ان سے سالم بن عبداللہ نے ان سے ان کے والد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول

اللہ ﷺ نماز شروع کرتے وقت، رکوع کرتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے۔

امام ابوحنیفہ نے امام اوزاعی سے کہا کہ مجھ سے حماد نے ان سے ابراہیم نخعی نے ان سے علقمہ واسود نے ان سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کسی جگہ رفع یدین نہیں کرتے تھے مگر نماز شروع کرتے وقت۔

امام اوزاعی نے کہا میں تم سے زہری، سالم، عبداللہ بن عمر کی روایت بیان کرتا ہوں تم مجھ سے حماد اور ابراہیم کی روایت بیان کرتے ہو؟۔

امام اعظم ابوحنیفہ نے پوری جلالت کے ساتھ فرمایا! آپ غور نہیں فرماتے کہ حماد، افقہ تھے زہری سے اور ابراہیم، افقہ تھے سالم سے اور اگر عبداللہ بن عمر صحابی نہ ہوتے تو میں کہتا کہ علقمہ ان سے افقہ ہیں اور اسود کے بہت فضائل ہیں اور عبداللہ بن مسعود تو پھر عبداللہ بن مسعود ہی ہیں۔ (رضی اللہ عنہ)

یہ سن کر امام اوزاعی بالکل خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دے سکے۔

..... ایک دن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کسی سے قیاس میں بحث فرما رہے تھے۔ وہاں ایک شخص بیٹھا تھا وہ چلا کر بولا کہ قیاس وغیرہ چھوڑ دو پہلا قیاس ابلیس نے کیا تھا۔ حضرت امام موصوف نے فرمایا کہ اے بندے! ہمارے قیاس کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرو۔

ابلیس نے اپنے قیاس سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو رد کیا تھا لہذا وہ مردود اور کافر ہو گیا اور ہمارا قیاس اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کے لیے ہے کیونکہ ہم مسئلہ کو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت اور صحابہ و تابعین کے اقوال کی طرف لے جا رہے ہیں بھلا ہم کس طرح ابلیس کے مساوی ہو سکتے ہیں؟۔

یہ سن کر وہ شخص تائب ہوا اور کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے دل کو منور کرے جس

طرح آپ نے میرے دل کو منور کر دیا۔

علامہ ابن قیم نے اعلام الموقعین جلد اول میں ”ابو حنیفہ یقدم الحدیث“ کے عنوان کے تحت ثابت کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ حدیث کو مقدم رکھتے تھے اور مزید اس پر یوں لکھا کہ

اصحاب ابو حنیفہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ابو حنیفہ کے مذہب میں ضعیف حدیث بھی قیاس اور رائے سے بہتر ہے۔

لہذا انہوں نے ضعیف حدیث کی وجہ سے سفر میں کھجور کی نبیذ سے وضو کرنے کو قیاس اور رائے پر مقدم رکھا ہے اور ایک ضعیف حدیث کی بناء پر دس درہم سے کم کی چوری میں ہاتھ کاٹنے سے روکا ہے اور ایک ضعیف حدیث کی وجہ سے اکثر مدت حیض کو دس دن قرار دیا ہے اور جمعہ کی نماز قائم کرنے کے لیے شہر کی شرط بھی اسی طرح کی حدیث سے رکھی ہے اور کنویں کے مسائل میں آثار غیر مرفوعہ کی وجہ سے قیاس محض کو چھوڑ دیا ہے۔

امام ابو حنیفہ، آثار صحابہ کو قیاس اور رائے پر مقدم رکھتے ہیں اور یہی امام احمد کا مسلک ہے اور سلف صالحین کے نزدیک حدیث ضعیف کی وہ اصطلاح نہیں جو متاخرین کی ہے۔ بلکہ جس کو متاخرین حسن کہتے ہیں سلف صالحین اس کو ضعیف کہہ جاتے ہیں۔

اختلاف فقہاء کی حکمت

واضح رہے کہ آئمہ کا مسائل فقہ میں باہمی اختلاف، اصول استنباط کے اختلاف کے تابع ہے۔ چونکہ ہر امام کے اصول استنباط الگ الگ ہیں جو اس کے فطری مذاق اور افتاد طبع سے سرزد ہوئے ہیں۔ اس لئے وہی رنگ اس کی پوری فقہ میں رچا ہوتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح شرايع میں انبیاء کا رنگ سمایا ہوا ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان جلالی تھی ان کی شریعت کے احکام میں بھی جلال و



شدت کا غلبہ تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان جمالی تھی تو ان کی شریعت میں جمال اور نرمی کا غلبہ تھا۔ حضور سرور کائنات ﷺ کی شان جامع شیون تھی تو شریعت محمدی کے ہر مسئلہ میں یہ جامعیت اور مظاہرہ عدل و رحمت بھی نمایاں ہے۔

اس اصول کو سمجھ لینے کے بعد یہ نکتہ ذہن نشین رہے کہ شرائع تکلیفیہ کی طرح شرائع وضعیہ (اجتہادی مسالک) بھی باوجود متحد الاصول ہونے کے جس امام کے دل و دماغ سے گزر کر وجود کا جامہ پہنتی ہیں، اسی کا ذوقی رنگ لیے ہوئے ہوتی ہیں اور اسی کے ذوق سے نکلے ہوئے اصول استنباط سے مستنبط ہوتی ہیں مثلاً

..... تعارض روایات کے وقت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ روایات متعارضہ میں عموماً قوت سند کے معیار سے ترجیح دیتے ہیں۔

..... حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اصول ”تاسی باسوة السلف“ ہے وہ متخالف روایات میں اہل مدینہ کے تعامل کو ترجیح دیتے ہیں۔

..... حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا اصولی معیار ایسے اختلافی مواقع پر رجحانات سلف کا تتبع ہے کہ کثرت سے صحابہ اور تابعین کے فتاویٰ کس طرف ہیں۔

..... حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذاق اور معیار اصول، ایک خاص جامعیت کے ساتھ ”تطبیق و توفیق بین الروایات“ ہے یعنی وہ ایک باب کی تمام متعارض و متخالف روایات کو بیکدم سامنے لا کر ان کے مجموعہ سے شارع علیہ السلام کی غرض و غایت کا پتہ چلاتے ہیں اور نور اجتہاد و فراست ایمانی سے یہ دیکھتے ہیں کہ آخر اس مسئلہ سے شارع کا منشاء کیا ہے؟ یہ منشاء جس روایت سے زیادہ واضح ہوتا ہے اسی کو اپنے مذہب کی اساس قرار دیتے ہیں اگرچہ وہ سنداً کچھ ضعیف ہی ہو اور بقیہ روایات کو بھی اس طرح مربوط کرتے چلے جاتے ہیں کہ وہ ساری روایات اپنے اپنے محل پر چسپاں نظر آنے لگتی ہیں اور واضح ہو جاتا ہے کہ تمام روایت میں مسئلہ ایک ہی ہے مگر کسی روایت میں اس کا

حکم ہے کسی میں اس کی حکمت کسی میں اس کی کیفیت ہے اور کسی میں اسکی کمیت، کسی میں اس کی اصلیت و لمیت ہے اور کسی میں اس کے احوال و عوارض۔

یوں سمجھیے کہ غرض روایات کو غرض شارع کے سلسلہ سے ترتیب وار جوڑ کر انہیں جمع کر دینا حضرت امام کا اصل اصول ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ کلام پیغمبر کا ہر ہر کلمہ اور فرمان شارع کا ہر ہر گوشہ تا بحدا مکان زیر اعمال آجائے اور زیر اہمال نہ رہے۔ حضرت امام کے اجتہادات میں یہی ذوق بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

آپ کے اس تفقہ کی بے شمار مثالیں سامنے لائی جاسکتی ہیں۔ سر دست نمونہ کے طور پر صرف ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ مثلاً صوم سفر کے سلسلہ میں مختلف احادیث وارد ہوئیں۔ کسی حدیث میں ہے کہ سفر میں افطار سے صوم افضل ہے۔ بعض روایات سے واضح ہوتا ہے کہ صوم سے افطار افضل ہے۔ بعض روایات سے صوم اور افطار میں تخییر معلوم ہوتی ہے۔

چنانچہ امام اوزاعی و امام احمد رحمۃ اللہ علیہما نے حدیث انس کو اختیار کرتے ہوئے کہا کہ سفر میں افطار افضل ہے تو انہوں نے افضلیت صوم اور تخییر کی نفی کر دی۔ بعض فقہاء افضلیت صوم کے قائل ہوئے تو انہوں نے افضلیت افطار اور تخییر کی نفی کر دی۔ بعض تخییر کے قائل ہوئے تو انہوں نے افضلیت افطار اور افضلیت صوم دونوں کی نفی کر دی لیکن

حضرت امام ابو حنیفہ نے ”اصول تطبیق و توفیق روایات“ کے تحت تینوں احادیث کو جمع فرما کر سب کو قابل عمل بنا دیا۔ آپ نے نور اجتہاد سے دیکھا کہ ان مختلف روایات سے شارع علیہ السلام کی غرض، مختلف احوال میں مختلف احکام دینا ہے نہ کہ ایک حکم سے دوسرے حکم کی نفی مقصود ہے۔ پس آپ نے حدیث تخییر کو ”مساوات فی الجواز“ پر محمول فرمایا کہ اس سے شارع کی غرض صوم و افطار

دونوں کو بلا کراہت جائز بتلانا ہے اور افضلیت صوم کی روایت کو اصل پر محمول فرمایا کہ بالذات صوم ہی اصل ہے کیونکہ ماہ رمضان میں افطار کسی صورت میں اصل نہیں ہو سکتا اور افضلیت افطار کی روایت کو عوارض پر محمول فرمایا کہ جب حالت پریشان کن ہو جائے اور روزہ رکھنے میں تعب (حد اعتدال سے گزرنے) کا خطرہ ہو تو پھر عارضی فضیلت افطار ہی میں ہے۔

آپ کے اس اجتہاد میں

تخیر ہوئی جواز میں

افضلیت صوم ہوئی اصلیت صوم اور وقت میں

افضلیت افطار ہوئی احوال صائم میں

اور ظاہر ہے کہ مسافر پر یہی تین احوال آ سکتے تھے تو شارع نے تینوں حالتوں کا حکم بیان فرمادیا۔

حضرت امام کے ذوق تشریعیہ کا کمال دیکھئے کہ آپ نے تمام حدیثوں کو ایک نقطہ پر جمع کر کے ان کا تعارض اٹھا دیا کہ تخیر بھی باقی رہی، افضلیت صوم بھی قائم رہی اور افضلیت افطار بھی ثابت رہی۔

حضرت امام کے اسی کمال اجتہاد و قیاس کو کشفی نظر سے دیکھ کر عارف باللہ، امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز پکاراٹھے کہ

”مجھے باقی ائمہ کی فقہ چھوٹے چھوٹے حوضوں اور تالابوں کی صورت میں دکھائی دیتی ہے اور امام اعظم کی فقہ دریائے مواج کی طرح نظر آتی ہے۔“

کون امام اعظم؟

آئیے! امت کے جلیل القدر آئمہ و فقہاء، اور محدثین سے پوچھیں کہ امام اعظم کون تھے۔؟



- امام شافعی نے فرمایا..... ”واللہ میں نے ان جیسا کوئی نہیں دیکھا۔“
- امام احمد بن حنبل نے فرمایا..... ”وہ زہد و تقویٰ میں ایک ایسے مقام پر فائز تھے جسے کوئی دوسرا حاصل نہیں کر سکتا۔“
- امام داؤد طائی کا فرمان ہے..... ”وہ روشن ستارے ہیں۔“
- امام سفیان ثوری نے اعلان فرمایا..... ”جو علم کی باتیں ان پر منکشف ہوتی ہیں ہم ان سے غافل ہیں“
- امام محدث علی بن عاصم نے کہا..... ”آپ کا علم، اہل زماں کے علم سے زیادہ ہے۔“
- داتا علی ہجویری کا ارشاد ہے..... ”وہ امام اماں اور مقتدائے سنیاں ہیں۔“
- امام شعرانی نے ثابت کیا کہ..... ”مذہبہ اول المذاهب“ (میزان الکبریٰ) ان کا مذہب پہلا مذہب ہے۔
- امام ذہبی نے فرمایا وہ..... ”الامام الاعظم اور فقیہ العراق ہیں“
- حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا..... ”اہل اسلام کی بڑی اکثریت ان کی تقلید کرتی ہے۔“
- خواجہ عطار پکارا ٹھے ۔

بو حنیفہ بد امام با صفا
آن سراج امتان مصطفیٰ
باد فضل حق قرین جان او
شاد باد ارواح شاگردان او

کون امام اعظم.....؟

مجتہدین ان کو سلام کہتے ہیں
ائمہ دین ان کو امام کہتے ہیں

امام شافعی ان کی قبر سے برکت لیتے رہے
 امام مالک ان کے در سے حکمت لیتے رہے
 امام زفر ان کی مدح خوانی کرتے رہے
 امام یوسف ان کی درباری کرتے رہے
 امام محمد کن کے علم کی نگہبانی کرتے رہے

کون امام اعظم.....؟

جن کے متبعین میں

نامور علمائے شریعت بھی ہیں اور مقتدر اولیائے طریقت بھی

جن کے مقلدین میں

داتا گنج بخش، جویری بھی ہیں اور خواجہ غریب نواز اجمیری بھی

جن کے پیروکاروں میں

بہاء الحق، زکریا ملتانی بھی ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی بھی۔

کون امام اعظم.....؟

جو امام الآئمہ بھی ہیں..... اور سراج الائمہ بھی

جو اعظم الفقہاء بھی ہیں..... اور اعلم العلماء بھی

جو امام المجتہدین بھی ہیں..... اور سلطان المحدثین بھی

الغرض

جو دعائے مرتضیٰ بھی ہیں اور تمنائے مصطفیٰ بھی

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات

تا ز بزم شوق یک دانائے راز آید بروں

وما علینا الا البلاغ المبین

قطب العالمین خواجہ خواجگان حضرت باواجی سید نور محمد قدس سرہ تاجدار آستانہ عالیہ چورہ شریف

چورہ شریف کا محل وقوع

چورہ شریف کی یہ مقدس بستی اسرار لاہوت کی یہ پر بہار وادی، مشاطہء حسن قدرت سے آراستہ سنگلاخ اور ہموار چٹانوں کے ابھرے ہوئے سینے پر ایک پرسکون بہتی ندی کے کنارے، خلوتوں کی امین سرزمین کے افق مبین پر ماہ تاباں کی طرح جلوہ نما ہے۔ جو راولپنڈی سے کوہاٹ کی جانب ۸۰ کلومیٹر اور کوہاٹ سے راولپنڈی کی جانب ۷۰ کلومیٹر اور اٹک سے ۵۰ کلومیٹر کے فاصلے پر (ضلع اٹک میں) واقع ہے۔ ریلوے اسٹیشن چورہ شریف سے دو میل کے فاصلے پر (ندی عبور کر کے) اولیاء کا یہ مسکن زائرین کے لئے تسکین قلب و نظر کا سامان مہیا کر رہا ہے اور شہروں کے حسن و جمال اور باغوں کے دلفریب نظارے اس کی سادگی اور بے ساختگی پر قربان ہو رہے ہیں۔

حسن بے پرواہ کو اپنی بے نقابی کے لئے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہراچھے کہ بن؟

بانی چورہ شریف

سرزمین چورہ شریف کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے فیضیاب فرمانے والے پہلے بزرگ، قطب العالمین، شمس العارفین، قدوة الکاملین، حجۃ اللہ علی الارضین غوث دوران، خواجہ خواجگان حضرت خواجہ سید نور محمد چوراہی (المعروف باواجی صاحب)



رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یہ مردم خیز خطہ ازل سے ہی امین انوار ولایت تھا۔ حضور قبلہء عالم باواجی صاحب قدس سرہ العزیز کو ایک روحانی بشارت کے ذریعے یہاں قیام فرما ہونے کا حکم ملا تھا چنانچہ آپ نے اپنے ایک مخلص مرید میاں فقیر محمد (جو اس مقام سے ایک میل کے فاصلہ پر سکونت پذیر تھا) کو بلا کر ایک مخصوص جگہ کی نشاندہی فرمائی اور وہاں ایک مسجد کی بنیاد رکھنے کا حکم دیا اور اپنے روضہ عالیہ اور اولاد امجاد کی قبروں کے لئے علیحدہ علیحدہ جگہ دکھائی، یہ پیشین گوئی آپ نے یہاں تشریف لانے سے گیارہ سال پیشتر فرمائی تھی جبکہ آپ ابھی تیزی شریف علاقہ تیراہ میں ہی قیام فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ نے یہاں اپنے وصال سے صرف ڈیڑھ سال پہلے تشریف لا کر اس مردم خیز مٹی کو بخارا اور سرہند کے محبت آمیز پانی میں گوندھ کر جلوہ ہائے فقر و مستی کا معمورہ اور تابش ہائے حسن ازلی کا چورہ بنا دیا۔

ع رہے لاکھوں برس ساقی تیرا آباد میخانہ

شیخ المشائخ عظیم البرکت اعلیٰ حضرت

حضرت خواجہ سید نور محمد چوراہی قدس سرہ

ولادت باسعادت

اسم گرامی خواجہ سید نور محمد (المعروف باواجی چوراہی) والد گرامی کا نام مبارک خواجہ سید محمد فیض اللہ (تیراہی) تاریخ ولادت ۹۷۱ھ مقام ولادت تیراہی شریف علاقہ تیراہ شریف آپ کی والدہ کا اسم گرامی بی بی صغریٰ تھا، جو قاضی عبداللہ (مفتی کوہاٹ) کی صاحبزادی تھیں۔ انتہائی نیک خصلت اور پارسا تھیں۔

بشارت

حضرت خواجہ فیض اللہ تیراہی رحمۃ اللہ علیہ کو استخارہ کے نتیجے میں اشارہ ہوا



کہ بی بی صغریٰ کے بطن سے پیدا ہونے والا پہلا فرزند حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا نائب اور کامل وارث ہوگا۔ اس کے ظاہری و باطنی علوم سے ایک عالم فیض یاب ہوگا۔

نیز آپ کی ولادت سے تین روز پہلے حضرت خواجہ فیض اللہ تیرا ہی کو عالم خواب میں بشارت ہوئی کہ تمہارا فرزند اسلام اور سلسلہ نقشبندیہ کے بے حد فروغ اور تقویت کا موجب ہوگا۔ پیدائش کے بعد حضرت خواجہ خضر علیہ السلام اور حضرت سید شاہ جمال اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سید محمد عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور تینوں حضرات نے حضرت خواجہ فیض اللہ کو فرزند ارجمند کی پیدائش پر مبارک باد پیش فرمائی۔ راقم الحروف بحوالہ جواہر نقشبندیہ شجرہ نسب مصدقہ اچ شریف پیش خدمت کر رہا ہے۔ قارئین اس پر قیاس آرائیوں سے اجتناب فرمائیں۔

شجرہ نسب سادات چورہ شریف

مصدقہ اچ شریف

پیر سید محمد فضل شاہ بن پیر سید حیدر شاہ بن پیر سید احمد نبی (المعروف زلفاں والی سرکار) بن پیر سید فقیر محمد بن سید نور محمد بن سید فیض اللہ بن سید خان محمد بن سید علی محمد بن سید شیخ سلیمان بن سید عبدالرحمن بن سید شیخ علی خاں شاہ بن سید ملوک شاہ بن سید جلال شاہ بن سید عزیز شاہ بن سید حبیب شاہ بن سید کاکب شاہ بن سید حسین شاہ بن سید ابوبکر شاہ بن سید حسن شاہ بن سید بہاؤ الدین شاہ بن سید سلیمان شاہ بن سید خواجہ شاہ بن سید ادیس شاہ بن سید ماندرو شاہ بن سید اعلان شاہ بن سید نور شاہ بن سید خواجہ سلیمان شاہ بن سید امیر زمان شاہ بن سید قاسم شاہ بن سید نظام شاہ بن سید جلال شاہ بن سید سایہ شاہ بن سید بہاؤ الدین شاہ بن سید شہاب الدین شاہ بن سید فتح شاہ بن



سید حضرت شاہ بن سید مبین شاہ بن سید شیخ شاہ بن سید ثابت شاہ بن سید موسیٰ شاہ بن سید قادر شاہ بن سید عثمان شاہ بن سید عبدالوہاب شاہ بن سید محی الدین شاہ بن سید عبدالقادر جیلانی بن سید ابی صالح شاہ بن سید موسیٰ شاہ بن عبداللہ شاہ جبلی بن سید یحییٰ شاہ بن سید محمد موروث شاہ بن سید داؤد شاہ بن سید موسیٰ شاہ بن سید عبداللہ الحوارث شاہ بن سید موسیٰ شاہ بن سید عبداللہ بن سید حسن المثنیٰ بن سید حسن بن حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہم

تنبیہ: خواجگان چورہ شریف کے حتمی شجرہ نسب کے بارے میں مورخین کے ذہنوں میں ابہام سا ہے۔ راقم کی نظر سے تین شجرہ نسب گذرے ۱۔ فاروقی ۲۔ علوی ۳۔ گیلانی ممکن ہے یہ خاندان اپنی عظمت و شرافت کے اعتبار سے متعدد شاخوں میں تقسیم ہو، تاہم اس امر میں کوئی شک نہیں کہ زمانہ بھر کے غوث اور قطب علماء اور صوفیاء اور نجیب الطرفین سادات کی خاصی تعداد اس کے خلفاء اور خدام میں شامل ہے۔ اس خاندان کا شرف کسی تعارف کا محتاج نہیں۔

تعلیم و تربیت

آپ مادر زاد ولی کامل تھے اور فطری طور پر علم لدنی سے بہرہ یاب تھے، تاہم ظاہری طور پر بھی زیور تعلیم سے آراستہ ہونے کے لئے آپ نے اپنے والد ماجد حضرت خواجہ محمد فیض اللہ تیراہی کے حضور ہی زانوئے تلمذتہ کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں علوم متداولہ درسیہ پر عبور حاصل کر لیا۔ اسی دوران آپ نے ایک نسخہ قلمی قرآن کریم مکمل تحریر فرمایا جو نہایت خوش خط اور خوبصورت ہے اور آپ کے ذوق علمی، نفاست طبعی، اور عربی رسم الخط پر مہارت کا آئینہ دار ہے اور آج بھی چورہ شریف میں حضرت پیر سردار شاہ مدظلہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ راقم الحروف نے نسخہ کی زیارت کا

شرف بھی حاصل کیا ہے۔ والحمد لله علی ذالک
بیعت: آپ نے اپنے والد گرامی سے ہی نسبت بیعت اخذ کی اور باقاعدہ سلوک
نقشبندیہ مجددیہ طے کیا اور اپنے والد ماجد سے ہی طریقت کے چہار خانوادوں کے
فیوض و برکات حاصل کئے۔

تیرھویں صدی کے مجدد طریقت

حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد چوراہی قدس سرہ کا خاندان علم و عرفاں کا بحر
بیکراں تھا اسی خاندان کے لازوال فیضان سے پنجاب میں سلسلہ نقشبندیہ کی نشاۃ ثانیہ
کا آغاز ہوا اور اس نسبت کی مجددانہ طریق پر ترویج و اشاعت ہوئی۔

حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد چوراہی رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلہ نقشبندیہ کے
قدیم طریق سلوک میں سلوک مجددیہ کو اس طرح اجمالاً درج کر دیا تھا۔ کہ فقط ایک ہی
توجہ کاملہ سے دونوں سلوک طے کروادیا کرتے تھے۔ آپ تھوڑے وقت میں زیادہ کام
کرنے کے لئے روحانی لشکروں کو اس طرح تیار فرماتے کہ سالکین خفیہ راہوں سے
چشم زدن میں منزل مقصود تک جا پہنچتے، آپ کا طریق سلوک حضرت عارف جامی
رحمۃ اللہ علیہ کے اس فرمان کا آئینہ دار تھا۔

نقشبنداں عجب قافلہ سالارانند

کہ بحر می روند پنہاں قافلہ را

حضرت خطیب الاسلام صاحبزادہ سید فیض الحسن رحمۃ اللہ علیہ (آلومہار
شریف) فرمایا کرتے تھے کہ حضرت قبلہ عالم سلوک نقشبندیہ اور سلوک مجددیہ کے
باہمی سین امتزاج کی نسبت جاذبہ قویہ کے موجد اور تیرھویں صدی ہجری کے مجدد
برحق تھے۔

آپ کی نسبت خاصہ میں صفا اور سکون کے ساتھ توجہ اتحادی اور توجہ انعکاسی



کارنگ پوری طرح نمایاں تھا اور آپ کے فیضان میں جذب کا پہلو غالب تھا یہی وجہ ہے کہ آپ کے فیض صحبت اور حلقہ تربیت سے لامکان کے شہباز اور طریقت کے آفتاب پیدا ہوئے۔

حضرت صاحبزادہ سید محمد کبیر علی شاہ صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک خصوصی محفل احباب میں عاشق رسول مولانا محمد صادق چشتی جہلمی نے یہ ایمان افروز بات سنائی کہ میں اپنے مرشد پاک حضرت خواجہ نظام الدین تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں حاضر تھا۔ بڑی انتظار کے بعد خلوت کی چند گھڑیاں میسر آئیں تو میں نے حضرت سے بڑی رازداری کے ساتھ سوال کیا۔

حضور اس دور میں علم مجددیت کس کے پاس ہے؟

تو آپ نے بے ساختہ فرمایا حضرت پیر پٹھان خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد مجددیت کا علم چورہ شریف کو منتقل ہوا تھا، ابھی تک انہی بزرگوں کے پاس ہے واپس نہیں آیا۔ خدا جانے کب تک ان کے پاس رہتا ہے۔

تلک ابائی فجئنی بمثلهم

از شادات قدسیہ

..... ایک دن ایک درویش نے عرض کیا کہ حضور یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ دوسرے لوگ صد ہا ریاضات و مجاہدات کر کے بھی اس قدر جوش عشق و محبت اور جذب و فیض حاصل نہیں کر پاتے جس قدر آپ کے غلام و خدام چند روز میں حاصل کر لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ:

”دوست یا اولاد اس شخص کی تنگ دست و محتاج ہوتی ہے جن کا باپ یا رفیق غریب و مفلس ہو اور جن کا باپ، رفیق مالدار ہو ان کو زیادہ تر خلوص و محبت کی ضرورت ہے، محنت کی چنداں حاجت نہیں۔“



۲۔ فرمایا کہ آدمی کو دو چیزیں درست اور دو چیزیں شکستہ چاہئیں۔ درست چیزیں یہ کہ (الف) دین درست (ب) یقین درست [شکستہ چیزیں یہ کہ] (ج) دست شکستہ (د) پاشکستہ۔

الف۔ دین درست سے مراد یہ ہے کہ قولاً فعلاً اعتقاداً شریعت کے موافق ہو۔

ب۔ یقین درست کے معنی مواعید الہی پر پورا پورا یقین ہے۔

ج۔ دست شکستہ کا مطلب یہ کہ اشارۃً یا صریحاً کسی سے کسی چیز کا طالب نہ ہو۔

د۔ پاشکستہ کا مطلب یہ کہ کسی کے پاس کسی غرض سے نہ جاوے یعنی محتاجی نہ کرے

۳۔ فقر و فاقہ کمال طریقہ ہے۔

۴۔ فقیر کے ”ف“ سے مراد ”فاقہ“ ”ق“ سے مراد ”قناعت“ اور ”ی“ سے

مراد ”یاد الہی“ ”ز“ سے مراد ریاضت ہے۔ اگر کوئی شخص یہ امور بجا لاوے

تو ”ف“ سے ”فضل الہی“ ”ق“ سے ”قرب مولا“ ”ی“ سے ”یاری خدا“ اور ”ز“ سے

”رحمت الہی“ مراد ہے۔ حاصل ہو ورنہ ”ف“ سے ”فضیحت“ ”ق“ سے ”قہر الہی“

”کی“ سے ”یاس“ اور ”ز“ سے ”رسوائی“ ملے۔

۵۔ طالب ذوق و شوق اور کشف و کرامت طالب خدا نہیں۔

۶۔ جس طرح طلب حلال مومنوں پر فرض ہے اسی طرح ترک حلال عارفوں پر

فرض ہے کیونکہ درویشوں کی فاقہ کی رات معراج کی رات ہے۔

۷۔ جو مخدوم بننا چاہتا ہے، اس کو چاہئے کہ پیر کی خدمت کرے کیونکہ

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

ہر کہ خود را دید او محروم شد

جس کسی نے خدمت کی وہ مخدوم بن گیا اور جس نے اپنے آپ کو دیکھا وہ محروم رہا۔

۸۔ رضائے پیر و مرشد سبب قبولیت خلق و خالق ہے۔ آزر دگنی پیر سبب نفرت



حق اور خلق ہے۔

۹..... پیر کی رضا سے وہ کچھ حاصل ہوتا ہے جو کسی مجاہدہ اور ریاضت سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

۱۰..... ہر روز پچیس ہزار مرتبہ اسم ذات کا ذکر ضروری ہے۔

۱۱..... فقیر دل کی مراد سے خالی ہونے کو کہتے ہیں نہ کہ ہاتھ کے خالی ہونے کو۔

۱۲..... لوگوں کے عیب کو نیکی کی طرف تاویل کرو اور اپنی اچھی باتوں کو عیب کی طرف تاویل کرو۔

۱۳..... میں تو ہر ایک کو نیک ہی جانتا ہوں۔ جیسا کہ شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

مرا پیر دانائے مرشد شہاب

دو انداز فرمود بر روئے آب

میرے دانا پیر و مرشد حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے دریا کے کنارے پر مجھے دو نصیحتیں فرمائی۔

یکے آں کہ بر خویش خود ہیں مباح

دوم آنکہ بر غیر بد ہیں مباح

پہلی یہ کہ تو خود پسند اور خود بین نہ بن۔ دوسری یہ کہ غیر کو بری نظر سے نہ دیکھ۔

۱۴..... طالبان حق کو چاہئے کہ ایک لمحہ جناب الہی سے غافل نہ ہوں تاکہ توجہ الی

اللہ بے مزاحمت اغیار ہو کہ اسی کو دوام حضور بھی کہتے ہیں اور کوئی مقصود سوائے اللہ تعالیٰ دل میں نہ رہے۔

۱۵..... جو شخص اللہ تعالیٰ سے دنیا طلب کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے آخرت سے محروم رکھتا

ہے کیونکہ دوستان الہی کے لئے دنیا راحت کی جگہ نہیں۔ راحت کی جگہ تو آخرت ہے۔

۱۶ ترک دنیا دل سے ہوتی ہے نہ کہ اسباب سے۔

۱۷ طالب مولا کو سوائے ذات باری کے کسی اور سے محبت نہیں ہونی چاہئے۔

۱۸ سب سے بڑا کام یہ ہے کہ شریعت پر استقامت رکھے۔

۱۹ ذکر اسم ذات سے جذبہ پیدا ہوتا ہے اور نفی اثبات سے سلوک۔

۲۰ جس قدر طالب میں شکست و عاجزی زیادہ ہوتی ہے اسی قدر فیض اس پر

زیادہ وارد ہوتا ہے۔

۲۱ سالک کو چاہئے کہ نیچی نظر رکھ کر چلا کرے۔

خوئے سگاں ہست بہر سو نگاہ

شیر سرافگندہ رود سوئے راہ

کتوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر طرف دیکھتے ہیں جب کہ شیر سر کو جھکا کر راستہ میں چلتا ہے۔

۲۲ زیادہ بولنا اور ہنسنا غفلت سے ہے۔

۲۳ سلوک حاصل کرنے کی چند شرطیں ہیں۔ استعداد کامل، پیر کامل اور فیض الہی

۲۴ ایک مراد ہوتے ہیں ایک مرید۔ مراد وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف کھینچے

اور مرید وہ ہے جو خود محنت و ریاضت کر کے مقام حاصل کرتے ہیں۔

۲۵ مدار کار و چیزوں پر ہے۔ اول، محبت پیر، دوم اتباع شریعت۔

۲۶ رستگاری عبادت میں نہیں گناہوں سے بچتے ہیں۔

۲۷ فقر بڑی دولت ہے یہ دولت جس قدر ہو سکے پوشیدہ رکھنی چاہئے۔

۲۸ خواہ دوست ہو یا دشمن سب سے اخلاق سے پیش آنا چاہیے۔

وفات حسرت آیات

آپ نے اپنے وصال کے ڈیڑھ سال پہلے بمقام چورہ شریف نقل مکانی



فرمائی اور یہیں ۱۲ شعبان ۱۲۸۴ھ کو رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

قطعہ تاریخ وصال

رفت نور محمد از دنیا کہ ہمہ عمر خود نگفتہ دروغ
مست مسکین کہ ہست خادم او سال تاریخ او بگفت ”فروغ“
آپ کے چاروں صاحبزادے خواجہ احمد گل، خواجہ فقیر محمد، خواجہ دین محمد اور
خواجہ شاہ محمد قدس اسرار ہم باکمال تھے۔ یہ ہر چہار حضرات آپ کی رحلت کے بعد
مسند خلافت پر بیٹھے۔ آپ کے انتقال کے وقت آپ کے پاس دوسرے صاحبزادے
حضرت خواجہ فقیر محمد رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے اور سر مبارک آپ کا ان کے زانو پر تھا اور
انہوں نے بدست خود تجہیز و تکفین کی اور مبارک ہاتھوں سے آپ کو لحد شریف میں
لٹایا اور آپ کا جو کچھ فیض باطنی اور خزانہ مخفی تھا وہ اسی وقت ان کو عطا کیا گیا۔

حضرت خواجہ سید نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء

صاحبزادے :

- 1..... حضرت خواجہ سید احمد گل
- 2..... حضرت سید فقیر محمد (المعروف باواجی چوراہی)
- 3..... حضرت خواجہ سید دین محمد (المعروف حضرت ملا جی)
- 4..... حضرت خواجہ سید شاہ محمد

خلفاء: حضرت عجب نور، حضرت اللہ نور، ہادی سید نامہ ارشاہ (نہتیاں شریف)،
خلیفہ حسن علی بھوت مار (افغانستان) (سال نزاد ایک)، خلیفہ میاں فقیر محمد (سکنہ چورہ
شریف)، خلیفہ میاں احمد فقیر (سکنہ چورہ شریف)، خلیفہ جان محمد (سان لٹ)،
مولوی فضل دین (موضع خونی چک متصل گجرات)، خلیفہ خان عالم (باولی شریف)



گجرات)، میاں صوبہ (کھاریاں ضلع گجرات)، خلیفہ خدا بخش بنی والا (سکنہ پوڑ پ سوال
 ضلع راولپنڈی) خلیفہ صاحبزادہ محمد بخش (باولی شریف)، خلیفہ احمد شاہ افغانی، خلیفہ
 ملاں بہادر گڑھی، سید مرتضیٰ شاہ (مکان شریف ضلع گورداسپور)، سید چمن شاہ (آلومہار
 شریف سیالکوٹ)، سید حبیب اللہ شاہ اترولی، محمد شریف فتح جنگ (ملا محمد نصیر ملک
 والا)، حافظ خواجہ الدین (راجو والا)، حافظ عبداللطیف (پشاور)، سید حبیب شاہ پونچھ،
 ملا مرید بھٹو، ملا بشیر بھٹو، قاضی میاں محمد پنڈی، حاجی سر خسرو (رجویہ ضلع جھنگ)،
 میاں محمود (لاٹانی والا)، میاں احمد کراچی، میاں عظیم (سوواں والا)، میاں محمود (نیوڑی
 والا)، حاجی صاحب (ریاسی)، عبید اللہ (کوٹ چھجی)، پیر صاحب کہیاں
 شریف۔ (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)





ترجمان فطرت، مجاہد اول تحریک ختم نبوت، قافلہ سالار کاروان حریت،

خطیب الاسلام
حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن قدس سرہ کی یاد میں

چند آنسو..... چند آہیں



یہ طلسمات کاخ و کو اور توہمات رنگ و بو، فانی اور تغیر پذیر ہیں۔ موت،
قدرت کا اٹل قانون ہے جس سے کسی کو مفر نہیں۔ کل نفس ذائقۃ الموت
لو كانت الدنيا تدوم لواحد لكان رسول الله فيها مخلد
وقت کروٹیں لیتا رہے گا انسان کتم عدم سے منصف شہود پر آتے رہیں گے
یہ کائنات چلتی رہے گی، تاروں کی محفل بجتی رہے گی، مظاہر فطرت ازل سے ابد کی
طرف بڑھتے رہیں گے، سورج اور چاند طلوع و غروب کے ضابطے کی پابندی کرتے
رہیں گے..... مگر

جو سورج بیس جمادی الاول ۱۴۰۴ء بمطابق ۲۳ فروری ۱۹۸۴ء بروز
جمعرات نصف النہار کے معابد ڈوبا کبھی طلوع نہ ہوگا جو چاند اس رات چھپا کبھی
منہ نہ دکھائے گا..... جو ستارہ اس گھڑی ڈوبا کبھی نہ ابھرے گا..... جو کائنات اس دن
اجڑی ہمیشہ ویران رہے گی..... مشائخ ایک روحانی پیشوا سے محروم ہو گئے علماء کی
آرزوؤں کا سہاگ اجڑ گیا..... میلاد النبی اور معراج النبی کی محفلیں سونی ہو گئیں



حاملان دین متین بے سہارا ہو گئے۔ منبر و محراب پر قیامت گزر گئی۔ تحریک آزادی کا قافلہ سالار چل بسا۔ تحریک ختم نبوت کا مجاہد اول رخصت ہو گیا۔ نظام مصطفیٰ کے نعرے میں وہ زور نہ رہا۔ حقوق اہلسنت کا محافظ جاتا رہا۔ برصغیر پاک و ہند میں نصف صدی تک خطابت کے لو، لوئے لالہ لٹانے والا۔ اہلسنت کے سینوں میں عشق رسالت کی شمع جلانے والا۔ روٹھے ہوئے رب کو منانے کے طریقے بتانے والا۔ آج خود دنیا سے روٹھ کر چلا گیا۔

آہ اب ہم اس کی یاد میں آہوں کا غبار ہیں یا آنسوؤں کی مالا۔
 ارباب منبر و محراب ایسا خطیب کہاں سے لائیں گے
 اصحاب سلوک و طریقت ایسا شیخ کہاں سے لائیں گے؟
 اب فرق باطلہ کی یورشوں اور پورشوں کی مدافعت کون کرے گا؟
 اب عقیدت مند، آنسوؤں کے چراغ جلا کر اپنے محبوب رہنما کی راہ دیکھا کریں گے۔

ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں
 بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لئے
 خطیب الاسلام حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن رحمۃ اللہ علیہ، ایک روح دلنواز
 ایک گلشن لازوال اور پیکر جمال و کمال تھے۔ آپ ایک شعلہ، خرمن سوز۔ ایک شرارہ
 آتش افروز تھے۔ وہ آسمان خطابت کا نیرتاباں۔ ہمت و جرأت کا کوہ گراں۔ محبت
 اور مروت کا تابندہ نشان۔ علوم طریقت کا بحر بے کراں۔ اور سادات کے
 قافلے کے صدی خواں تھے۔

سب کہاں چھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
 خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

آج اس مرد مومن کو مرحوم لکھتے ہوئے ہاتھ کانپ رہے ہیں جس نے اسلام، ختم نبوت اور مقام مصطفیٰ ﷺ کے تحفظ اور نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ جو سرزمین پنجاب میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی بزم سلوک و تصوف کی آخری شمع اور طریقت نقشبندیہ مجددیہ کی مسند کا آخری مسیحا تھا۔

۔ رو رہی ہے آج اک ٹوٹی ہوئی مینا اسے
کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیانے رہے

تعلیمی و خاندانی پس منظر

خطیب الاسلام حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن ضلع سیالکوٹ کے ایک مشہور قصبہ آلو مہار شریف میں ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نقوی سادات کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے اسلاف خراسان میں اعلیٰ ترین حکومتی عہدوں پر فائز تھے بعد میں آپ کے آباؤ اجداد ہجرت کر کے پہلے بھکر اور پھر آلو مہار شریف میں آباد ہو گئے۔

آپ نے ابتدائی دینی و دنیاوی تعلیم اپنے گھر میں ہی حاصل کی۔ اس کے بعد مرے کالج سیالکوٹ میں بی۔ اے تک تعلیم حاصل کی۔ دینی تعلیم اپنے وقت کے جید علماء مولانا عبد المجید سنبھلی اور مولانا لطف اللہ کیرت پوری علیہما الرحمہ سے مکمل کی اور اپنے والد ماجد حضرت قبلہ پیر سید محمد حسین شاہ (سالمک) رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ۱۹۳۳ء میں سجادہ نشین منتخب ہوئے۔

یہ وہ دور تھا کہ غلامی کی تاریکیاں چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ ہر صاحب ایمان کے لئے ایک ہی سوال تھا۔ آزادی یا غلامی؟ ایسے حالات میں پروقار جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے والے شہزادے سید فیض الحسن کے سامنے دو راستے تھے کہ یا تو وہ خانقاہ کے حجرے میں بیٹھ کر خاموشی کے ساتھ روحانی مشاغل یا وعظ و تلقین



کافر یضہ انجام دیں یا پھر آپ وقت کے تقاضوں پر لبیک کہتے ہوئے مرد حق بنکر رزم گاہ حق و باطل میں مردانہ وار کود پڑیں۔

پہلا راستہ پُر عافیت ضرور تھا مگر آپ کی پُر جلال شخصیت، باطل کے ساتھ مصلحت آمیز رویہ رکھنے پر کسی صورت تیار نہ تھی۔ چنانچہ صبح آزادی کی قسم کھاتے ہوئے آلو مہار شریف کے خاندان سادات کا یہ عظیم روحانی فرزند، مجاہدین آزادی کے صف شکن مجاہد کی حیثیت سے میدان عمل میں یوں داخل ہوا کہ اس کا نام شمع آزادی کے پروانوں کے لئے جہد و عمل کی علامت بن گیا اور یہ مرد مجاہد، استقامت و عزیمت کا کوہ گراں بنکر باطل قوتوں کو لاکارتا ہوا رسم شبیری ادا کرنے کا اعلان کرنے لگا۔ کیونکہ

دنیا میں ٹھکانے دو ہی تو ہیں آزاد منش انسانوں کے

یا تخت جگہ آزادی کی یا تختہ مقام آزادی کا

حسین یادیں

بجملہ تعالیٰ مجھے (راقم الحروف) یہ فخر حاصل ہے کہ زندگی کے تیس (۲۳) سال حضرت خطیب الاسلام صاحب زادہ فیض الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے قرب و حضوری میں گزرے۔ خلوت و جلوت اور سفر و حضر میں اکثر اوقات ان کی ہمہ گیر نگاہوں اور دل نشین اداؤں سے بہرہ یاب ہوا۔

حقیقت میں وہی سرمایہء عمر گرامی ہے

جو لمحات حسین ہم ان کی محفل میں گزار آئے

خطیب الاسلام

میں نے حضرت خطیب الاسلام کو گوجرانوالہ میں عید میلاد النبی ﷺ کے ایک جلسہ میں دیکھا اور سنا۔ آپ کا جمال دیدنی تھا اور خطاب شیندنی۔ ہزاروں



انسانوں کا اجتماع اور آپ پوری روانی کے ساتھ خطبہ پڑھتے ہوئے یوں گویا ہوئے۔
دیکھنا یہ ہے کہ مخلوق میں سب سے اول کون ہے؟

سورج کے جلال نے کہا..... میں اول
چاند کے جمال نے کہا..... میں اول
عرش کی رفعت نے کہا..... میں اول
فرش کی وسعت نے کہا..... میں اول
بلبل کے ترنم نے کہا..... میں اول
کلیوں کے تبسم نے کہا..... میں اول
جنت کی نزہت نے کہا..... میں اول
حوروں کی نکہت نے کہا..... میں اول
قوس قزح کی رنگینیوں نے کہا..... میں اول
نظام عالم کی بوکلمونیوں نے کہا..... میں اول

اور ایک کونے سے شرک ہیں، شرک چیں اور چیں بجبیں ملائے کہا..... میں اول
میں عالم حیرت میں کھو گیا۔ تصور کی دنیا میں کملی والے آقا کے حضور حاضر
ہوا عرض کی کہ اے محبوب کردگار، نور الانوار، سرالاسرار، احمد مختار اور اللہ کے یار صلی اللہ علیہ وسلم!
آپ ہی بتائیں کہ اول کون ہے؟..... تو

یکا یک حجاب اٹھنے لگے..... پردے ہٹنے لگے..... بادل چھٹنے لگے.....
بوئے نسیم مشک بار آنے لگی..... شمیم طرہ گیسوئے یار آنے لگی..... مدینے کے انوار
چمکنے لگے..... سنیوں کے رخسار دکنے لگے..... عاشقوں کے سینے دھڑکنے لگے.....
آنسوؤں کے ساغر چھلکنے لگے..... کہ مدینے کی فضاؤں سے زبان ترجمان قدرت کی
ایک صدائے دلنواز آئی:

اول ما خلق اللہ نوری



مرے کملی والے مولانا نے فرمایا سب سے اول تو میں ہوں۔
 قدرت نے کہا مرحبا... فطرت نے کہا ماشاء اللہ... حوروں نے کہا الحمد للہ اور سنیوں
 نے کہا سبحان اللہ۔ ترجمان حقیقت حضرت علامہ اقبال کی روح تڑپی اور کہا:
 نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
 وہی قرآن وہی فرقان وہی یس وہی طہ
 نعرہ ہائے تکبیر و رسالت بلند ہونے لگے۔ مجمع پر وجد کی کیفیت طاری
 ہو گئی۔ لوگوں کے چہرے خوشی سے متمنا نے لگے۔ شہر یار خطابت کی زبان پھر حرکت
 میں آئی اور بجلی کی تیزی سے یوں گویا ہوئی۔
 اور یہ حقیقت ہے جو مخلوق میں

سب سے اول ہوگا... وہ خدا کے قریب ہوگا
 جو قریب ہوگا... وہ کامل ہوگا
 جو کامل ہوگا... وہ اکمل ہوگا
 جو اکمل ہوگا... وہ اقرب ہوگا
 جو اقرب ہوگا... وہ مقصود کائنات ہوگا
 جو مقصود کائنات ہوگا... وہ سبب تکوین عالم ہوگا
 جو سبب تکوین عالم ہوگا... وہ باعث تخلیق آدم ہوگا
 جو باعث تخلیق آدم ہوگا... وہ نبی اول ہوگا
 جو نبی اول ہوگا... وہ قلم اول ہوگا
 جو قلم اول ہوگا... وہ لوح اول ہوگا
 جو لوح اول ہوگا... وہ عقل اول ہوگا
 جو عقل اول ہوگا... وہ نور اول ہوگا
 جو نور اول ہوگا... وہی مجتبیٰ ہوگا

اور جو مجتبیٰ ہوگا وہ محمد مصطفیٰ ہوگا

پس پھر کیا تھا..... میں دم بخود وساکت تھا۔ سینے میں عشق کا وفور تھا اور آنکھوں میں محبت کا نور تھا۔ گویا ایک جادو چل گیا اور میں اس دن سے حضرت خطیب الاسلام کا شیدا ہوا۔ مزید قرب کا موقع میسر آیا اور جب قریب سے دیکھا تو ان کی ہر ادا دل کو لبھا گئی آنکھوں کو بھا گئی اور ماحول کو جگمگا گئی۔

• نگاہ بلند، سخن دل نواز، جاں پر سوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کیلئے

شہر یار اقلیم خطابت

حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمۃ خانقاہ سے نکل کر میدان عمل میں کودے تو تحریک آزادی اور تحریک ختم نبوت کے ہیرو بن گئے۔ بارہا قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ ان کی پوری زندگی کا تجزیہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان کی کچھ زندگی جیل میں اور کچھ ریل میں گزر گئی۔

آپ گفتار اور کردار کے غازی اور برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ خطابت کی آخری کڑی تھے۔ آپ کی تقریر موجب کوشش و سلسبیل تھی۔ سلاست، متانت، فصاحت و بلاغت اور ظرافت کا سیل بے کراں..... استعارات، مترادفات، تمثیلات و اشارات کا یہ عالم کہ بڑے بڑے ادیب، خطیب اور اہل سخن تصویر حیرت بن جاتے۔ ان کے لئے ہر موضوع، ہاتھ کی چھڑی اور جیب کی گھڑی تھا۔ ان کے جملے دریائی لہروں کی مانند رواں دواں ہوتے۔ انہیں وقت ٹھہر کر اور ہوائیں رک کر سنتی تھیں۔ وہ بولتے تو موتی رولتے، کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی زبان اور عشق رسالت (علیٰ صاحبہا الصلوٰات والتسلیمات) میں ڈوبا ہوا بیان..... گویا:

ع بلبل چہک رہا ہے ریاض رسول میں

آپ بلاشبہ شہریارِ اقلیم خطابت تھے۔ تقریر کرتے تو لفظوں کے گلدستے مہکتے، معانی کے ساغر چھلکتے اور جوش و ولولہ کے سوتے ابلتے۔ آپ نے تحریک مسجد شہید گنج کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے اپنی خطابت کو ضربِ یدِ اللہ کی بانگپن کا نمونہ ثابت کر دیا تھا۔ شاتمِ رسولِ راجپال کے خلاف تحریک میں آپ کی پکار اور للکار نے مسلمانوں میں ایسا اعتماد اور اعتقاد پیدا کیا کہ علم الدین غازی نے راجپال کا خاتمہ کر کے ناموس رسالت (ﷺ) کے لئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا..... حتیٰ کہ آپ کی ذات، عاشقانِ رسول (ﷺ) کی نگاہوں کا مرکز اور اسلام کے جاہ و جلال کی علامت بن گئی۔

مجاہدِ اول تحریک ختم نبوت

حضرت خطیب الاسلام ”تحریک ختم نبوت“ (اول) ۱۹۵۳ء کے مجاہدِ اول تھے۔ عشقِ رسول آپ کو ورثے میں ملا تھا۔ شمع رسالت کا یہ پروانہ کسی خانہ ساز نبوت کا وجود کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ آپ کی زندگی کے تین اہم مقاصد تھے

- 1..... فرنگی سامراج کی مخالفت
 - 2..... عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت
 - 3..... پاکستان میں اسلامی نظام کی تنفیذ و اشاعت
- انگریز کے خلاف تحریک آزادی میں آپ کا نام حریت اور جہد و عمل کی علامت بن گیا اور فرنگی سامراج آپ کے آوازِ حق سے لرزاٹھا۔

قادیانیت کے سحرِ باطل کے خاتمے کیلئے آپ نے ربعِ صدی سے زیادہ عرصہ کام کیا۔ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کا آغاز آپ کی تقریر سے ہوا۔ اس تحریک میں پہلا قافلہ جو کراچی روانہ ہوا اور گرفتار ہو گیا اس کی قیادت آپ فرما رہے تھے۔ ختم نبوت کے نام پر مجموعی طور پر آپ نے ساڑھے تین سال قید کاٹی۔ جیل میں آپ پر تشدد کی انتہا کر دی گئی۔ آپ کو برف پر لٹایا گیا۔ آپ نے یہ سب کچھ تقاضائے

ایمان سمجھ کر قبول کیا اور راہ حق میں ہر افتاد کو سینے سے لگایا مگر افسوس تک نہ کی۔

اے رہ یار! ہم نے قدم قدم تجھے یادگار بنا دیا

جور کے تو کوہ گراں تھے ہم جو چلے تو جاں سے گزر گئے

یہ حقیقت ہے کہ بھٹو کے دور اقتدار ۱۹۷۵ء میں تحریک ختم نبوت (دوم)

آپ کے ایماء پر شروع ہوئی تھی جو بالآخر کامیابی سے ہم کنار ہوئی اور مرزائیوں کو آئینی طور پر دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیا گیا۔ تحریک ختم نبوت کی تاریخ جاننے والا ہر صاحب ہوش آدمی جانتا ہے کہ ختم نبوت کے لئے سب سے پہلے گرفتاری دینے والے بھی آپ ہیں اور تحریک ”سول نافرمانی“ کے پہلے ڈکٹیٹر بھی آپ ہی تھے۔ ۱۹۳۳ء میں مرزا محمود کی صدارت میں کشمیر کمیٹی بنی جس کے رکن حضرت علامہ اقبال بھی تھے۔ چنانچہ حضرت خطیب الاسلام نے علامہ اقبال کو صورت حال سمجھا کر کمیٹی سے علیحدہ ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ قادیان میں جلسہ عام کر کے مرزائیت کو آپ نے ہی للکارا تھا۔ جہاد ختم نبوت کے لئے پچاس ہزار رضا کاروں کی بھرتی کا اعلان بھی آپ نے فرمایا تھا۔ کئی رضا کاروں نے اپنے خون سے حلف نامے لکھ کر پیش کئے تھے۔ (تفصیلات کیلئے تحقیقاتی رپورٹ ملاحظہ فرمائیں)

ختم نبوت کے لئے آپ کی قربانیاں دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ آپ قرن اول کے مجاہدین جنگ یمامہ کے لشکر کے ایک سپاہی ہیں جو پچھڑ کر اس دور میں آ گئے ہیں۔

شیخ طریقت

آپ وہ مرد قلندر تھے جس کی نواؤں میں بوئے اسد اللہی تھی..... تو.....
اداؤں میں سکندر انہ جلال کی آمیزش بھی۔ ایک شیخ طریقت کی حیثیت سے دیکھا جائے تو آپ بحر معرفت کے شناور اور قلزم طریقت کے غواص تھے۔ وحدت الوجود اور وحدت الشہود و تصوف کا نازک ترین مسئلہ ہے لیکن اس مسئلے کو اس طرح حل فرماتے

کہ صوفیاء و مشائخ پر رقت طاری ہو جاتی۔

ایک مرتبہ میں نے سوال کیا کہ حضرت! اس مسئلے میں آپ کی واردات کیا ہیں؟ فرمانے لگے نقشبندی ہوں لیکن وحدت الوجودی ہوں۔ کچھ عرصہ کے بعد یہی مسئلہ زیر بحث آیا تو فرمانے لگے آج کل وحدت الشہود سے تسکین قلب و نظر کا سامان ہو رہا ہے اور یہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی روحانی توجہات کا نتیجہ ہے۔ آپ کا انداز فکر صوفیانہ تھا۔ تصوف و طریقت کے اسرار و رموز کے اس قدر ماہر تھے کہ علماء و مشائخ بھی آپ سے طریقت کے سیر و سلوک کا سبق سیکھتے تھے۔ ایک مرتبہ راقم الحروف نے سلوک مجددیہ کی تکمیل کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا

الحمد للہ! بندہ نے سلوک مجددیہ طے کر لیا ہے اور ولایت علیا کی نعمت سے بہرہ اندوز ہے۔ آج کل اسماء باری تعالیٰ میں سیر ہو رہی ہے۔ حضرت امام ربانی اور حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہما کبھی خواب میں اور کبھی مراقبے میں اور کبھی بیداری میں تشریف لا کر باطنی تربیت فرماتے ہیں۔ فالحمد للہ علی ذالک حضرت خطیب الاسلام ساری عمر ایک خطیب اور لیڈر کے روپ میں چھپے رہے۔ وہ درحقیقت ایک مستور الحال مرد فقیر تھے جن کی زندگی عشق رسالت سے تعبیر تھی۔ وہ ادراک بسیط کی منزلوں میں گم اور بارگاہ رسالت میں حاضری و حضوری کی نعمتوں سے سرفراز تھے۔ دوران سفر ریل اور کار میں بھی اکثر مراقب رہتے۔ پاس انفاس، ذکر اسم ذات اور نفی اثبات، ذکر قلبی و سری ان کا خصوصی شغل تھا۔

شیخ مجدد سے قلبی رابطہ

آپ کو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات پاک کے ساتھ بے حد عشق اور تعلق خاطر تھا۔ دربار عالیہ حضرت خواجہ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ محلہ مبارک شاہ بیرون کھیالی گیٹ گوجرانوالہ میں سالانہ عرس پاک



کے موقع پر شجرہ خواجگان نقشبندیہ پڑھا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ شجرہ پڑھنے والے سے سہواً حضرت امام ربانی کا اسم گرامی رہ گیا تو آپ کے چہرہ پر جلال نمایاں ہوا۔ آپ نے فرمایا دوبارہ پڑھو۔ اس نے پھر پڑھا تو آپ ابدیدہ ہو گئے اور فرمانے لگے یہی مصرعہ نو بار پڑھو۔ جب آخری بار اس نے وہی مصرعہ دہرایا تو آپ بہ چشم پریم دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ سارا مجمع کھڑا ہو گیا اور پانچ منٹ تک آہوں اور سسکیوں کا ماحول رہا۔ محفل عرس میں شامل ایک صاحب دل درویش نے بتایا کہ حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ محفل میں جلوہ افروز ہو گئے تھے۔

عاشق مدینہ

پہلی مرتبہ ۱۹۷۶ء میں اس عاجز (راقم الحروف) کو زیارت حرمین طیبین کی سعادت حاصل ہوئی۔ جب گوجرانوالہ سے روانگی ہوئی تو میں نے حضرت خطیب الاسلام سے پسندیدہ تحفہ لانے کیلئے پوچھا تو آپ نے رقت آمیز لہجے میں فرمایا ”جاتی دفعہ دربار رسالت مآب ﷺ میں اس عاجز کا ہدیہ صلوٰۃ و سلام عرض کر کے نظر کرم کا سوال پیش کرنا اور آتی دفعہ سیدہ پاک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تربت انور یا شہدائے احد کے احاطہ قبرستان سے تھوڑی سی مٹی یا کوئی سنگریزہ لیتے آنا۔ مرتے وقت کفن کے اندر سینے پر رکھنے کی وصیت کروں گا تا کہ نجات کا ذریعہ بن جائے۔“

چورہ شریف کا احترام

سرزمین چورہ شریف سے اباً عن جد آپ کی عقیدت مثالی تھی۔ ایک دفعہ چورہ شریف کی حاضری کے دوران فرمانے لگے ”مجھے ان فضاؤں میں ہر طرف انوار چمکتے نظر آ رہے ہیں۔“

ایک مرتبہ جب چورہ شریف کے صاحبزادگان کا آپس میں کچھ اختلاف ہو گیا تو عرس شریف کے موقع پر خطاب کے دوران آپ نے فرمایا ”اے مشائخ

وصاحب زادگان چورہ شریف! تمہاری رگوں میں قطب العالمین حضور قبلہ باواجی نور محمد چورہ ہی رحمۃ اللہ علیہ کا خون ہے۔ تم تو باواجی کی اولاد ہو۔ میں تو چورہ شریف کے کتوں کا احترام بھی لازم سمجھتا ہوں۔ لہذا میں آپ کے کسی معاملہ میں فریق نہیں بن سکتا۔

پھر فرمایا..... میں باواجی کی اولاد کا غلام ہوں۔ میرے جدا مجد چورہ شریف میں ننگے پاؤں پیدل حاضری دیا کرتے تھے۔ میں بادشاہوں سے کبھی نہیں ڈرا، سیاست دان میرے سامنے طفل مکتب ہیں، اہل زبان میرے حلقہ سخن میں زیر تربیت ہیں، حاکموں اور جابروں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لکارنا میرا ورثہ ہے، میں کبھی کسی میدان میں مرعوب نہیں ہوا لیکن جب کوئی بوریا نشین مرد فقیر دیکھتا ہوں تو نگاہیں جھک جاتی ہیں اور اس کا ادب و احترام دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔

سات ولیوں کی گود میں

خطیب الاسلام صاحبزادہ سید فیض الحسن اپنی نجی محفلوں میں بطور خاص فرمایا کرتے تھے کہ مجھے سات ولیوں کی گود میں بیٹھنے اور کھیلنے کا شرف حاصل ہوا ہے جن میں حضرت جدا مجد سیدنا خواجہ محمد امین المعروف حضرت ثانی اور والد ماجد حضرت خواجہ سید محمد حسین شاہ، حضرت خواجہ احمد نبی زلفاں والی سرکار (چورہ شریف) حضرت پیر سید جماعت علی شاہ لاٹانی علی پوری علیہم الرحمۃ والرضوان کے اسماء گرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ ایک بار آپ فرمانے لگے کہ حضرت پیر لاٹانی نے اس وقت مجھے گود میں بٹھا کر پیار کیا جب میں جوان تھا۔ آپ نے مجھے جن دعاؤں اور محبت آمیز کلمات سے نوازا وہ میری زندگی کا بیش بہا سرمایہ ہیں۔

ایک بار علی پور شریف میں عرس کے موقع پر خطابت کے لعل لٹاتے ہوئے فرمانے لگے سنیو! تمہیں علماء و مشائخ تو بہت ملیں گے لیکن کوئی فیض الحسن نہیں

ملے گا کیونکہ نہ اب کسی کو پیر لاٹانی ملے گا..... نہ ان کی گود ملے گی..... اور نہ کوئی مجھ جیسا گود میں بیٹھنے والا ملے گا۔

پیر لاٹانی کا فرمان

بعض لوگوں نے حضرت پیر لاٹانی رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت کی کہ حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ صاحب کو مجلس احرار سے علیحدہ ہو جانے کا حکم فرمائیں؟۔ حضرت پیر لاٹانی نے ان سے اظہار ناراضگی کے طور پر فرمایا.....

تمہیں کیا معلوم! فیض الحسن کون ہے؟ یہ جہاں رہے گا اپنی تہذیب اور اپنے ورثے کا وفادار رہے گا۔ اس کے فطری جوہر میں اس کے آباؤ اجداد کے فیض و تربیت کا پورا اثر موجود ہے۔ پھر آپ نے یہ شعر پڑھا۔

بچہ بط گرچہ شبینہ بود

آب دریاں تا بہ سینہ بود

آپ نے فرمایا کہ بطخ کے بچے کو تیرنا کوئی نہیں سکھاتا۔ وہ فطری طور پر تیرنا سیکھ کر آتا ہے۔

مسلکی خدمات

حضرت پیر لاٹانی رحمۃ اللہ علیہ نے مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صاحبزادہ فیض الحسن سے مسلک اہل سنت کے بڑے بڑے کام لے گا اور ان کے دم قدم سے اہل سنت کو بہت فائدے حاصل ہوں گے۔ چنانچہ حضرت پیر لاٹانی کا یہ فرمان ہو بہو پورا ہوا۔

..... حضرت خطیب الاسلام نے دس سال سے زیادہ عرصہ تک جمعیت علمائے پاکستان کی صدارت فرمائی۔

..... مسلکی تشخص اور اعتقادی تعین کی خاطر اپنوں اور بیگانوں کے ہاتھوں مسلسل تختہ مشق ستم بنتے رہے لیکن پاکستان میں تحفظ حقوق اہل سنت کی خاطر عملی

جدوجہد فرماتے رہے۔

..... سکندر مرزا کے دور سے لے کر صدر ضیاء الحق کے دور حکومت تک اس مرد خدا کو ہمیشہ استغناء، توکل اور فقر غیور کا پیکر پایا۔

..... سربراہان مملکت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جرات ایمانی اور دلیری کے ساتھ بات کرنے والا ایسا انسان اس دور میں نظر نہیں آتا۔

..... ایوبی دور میں آپ کو وزارت تعلیم کی پیش کش ہوئی مگر آپ نے ٹھکرا دی۔

..... صدر ضیاء نے بطور مذہبی مشیر صدر پاکستان نامزدگی کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ نے صاف انکار کرتے ہوئے فرمایا!

”ہم فقیروں کی اولاد ہیں، ہمیں مصلیٰ اور چٹائی زیبا ہے۔ اقتدار کی ہوس ہمارے دل کے کسی کونے میں موجود نہیں۔“

..... یہ حقیقت محتاج دلیل نہیں کہ پاکستان کی تاریخ میں سب سے پہلے نظام مصطفیٰ کا نعرہ آپ نے ہی بلند فرمایا تھا۔ بعد میں یہی نعرہ پوری قوم کے دلوں کی دھڑکن بن گیا۔ آپ کی سیاست پر ہمیشہ عشق رسول اور تحفظ مسلک کا غلبہ رہا۔ اے کاش! اگر جمعیت کی موجودہ قیادت اسی مشن پر قائم رہتی تو آج اہل سنت اس زبوں حالی کا شکار نہ ہوتے۔

..... آپ نے ہر میدان میں اہل سنت کے حقوق و مفادات کی جنگ لڑی۔ آپ نے حکومت وقت کو گالیاں دینے کی بجائے مشاورت اور نصیحت کا شعار اپنایا تھا۔ آپ کے اس موقف سے اپنوں کو بھی اختلاف رہا مگر حالات بدلنے اور سیاست کا مطلع صاف ہونے پر آپ کا موقف سو فیصد درست ثابت ہوا۔

..... ریڈیو پاکستان پر محفل میلاد اور دیگر بعض اسلامی تہواروں پر تعطیلات کا پروگرام آپ کی کوششوں سے ہوا۔

..... جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں امام اہل سنت علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمۃ کی تعیناتی اور بادشاہی مسجد لاہور میں سنی خطیب کے تقرر کے سلسلے میں آپ کی خدمات نمایاں ہیں۔

..... ادارہ تحقیقات اسلامیہ کے ڈائریکٹر ڈاکٹر فضل الرحمان نے لادینی نظریات کا پرچار کیا تو اس کے خلاف آواز بلند کی جس پر حکومت نے اسے معزول کر دیا۔
..... بادشاہی مسجد کے خطیب مولوی غلام مرشد نے قربانی کا انکار کیا تو آپ نے حکومت کو سات دن کی مہلت دی کہ اس کو برطرف کیا جائے ورنہ ہم راست اقدام کریں گے چنانچہ حکومت نے اسکو سات دن کے اندر اندر معطل کر دیا۔

..... ایوبی دور میں عورت کے سربراہ مملکت ہونے کا مسئلہ سامنے آیا۔ اکابر علمائے اہل سنت نے متفقہ طور پر فتویٰ صادر فرمایا کہ اسلام میں عورت سربراہ مملکت نہیں ہو سکتی۔ اس وقت مصلحت اندیش بعض علماء و مشائخ میدان عمل میں کودنے سے گریزاں تھے لیکن حضرت خطیب الاسلام نے عزیمت پر عمل کرتے ہوئے پاکستان کے دونوں (مشرقی اور مغربی) بازوؤں کے تمام نمایاں شہروں میں طوفانی دورے کئے۔ جلسے اور کانفرنسیں منعقد کیں۔ باطل نظریات کے حامیوں کو للکارا۔ عورت کی سربراہی کے قائلین کو مناظرے اور مباہلے کی دعوتیں دی لیکن وہ مقابلے میں نہ آ سکے۔ آپ نے اعلان فرمایا کہ جب تک فیض الحسن زندہ ہے۔۔۔ اس ملک پر عورت کی حکمرانی کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ آپ کی اس جرأت اور غیرت نے پاکستان کے مسلمانوں کی فکر میں انقلاب برپا کر دیا اور پورے ملک کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ آج پاکستانی قوم پھر اسی کش مکش سے دوچار ہے۔ لیکن اے کاش! اب کوئی فیض الحسن نظر نہیں آتا جو امت مسلمہ کو اس گرداب بلا سے بچا کر آسودہ ساحل کر دے۔



ضرورت جتنی جتنی بڑھ رہی ہے روز روشن کی
اندھیرا اور گہرا اور گہرا ہوتا جاتا ہے

سنی مؤرخین سے شکوہ!

ہمیں غیروں سے تو کوئی سروکار نہیں، اپنوں سے بجا طور پر شکوہ ہے کہ
انہوں نے بھی حضرت خطیب الاسلام کی سیرت کے روشن پہلوؤں سے اغماض کیا
ہے۔ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی اور محمد صادق قصوری کی تحریروں سے بخل کی بو آتی
ہے۔ انہیں کیا معلوم کہ

اس کا انداز نظر اپنے زمانے سے جدا

اس کے احوال سے محرم نہیں پیران طریق

جمعیت العلماء پاکستان کے دستور العمل میں جمعیت کی تاریخ سے آپ کا
نام تک بھی حذف کر دیا گیا ہے۔ یہ تاریخی خیانت ہے جب کہ اس دستور کے مرتب
(یادش بخیر) علامہ محمود احمد رضوی (مرحوم) ہیں جو حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ
کی زندگی میں کافی عرصہ جمعیت کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔
حضرت کے ان پر بے شمار احسانات بھی ہیں لیکن ان کے وصال کے بعد وہ تمام
تعلقات زینت طاق نسیاں بن گئے۔ فیاللعجب

جہڑے کہندے سی مراں گے نال تیرے

آیا وقت تے چھڈ گے یار ٹر گئے

بدلہ میریاں وفاواں دا دین بدلے

میری قبر تے سٹ کے ہار ٹر گئے

شاعر مشرق سے تعلق

ایک بار فرمانے لگے کہ میں شاعر مشرق حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی

خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ مرید ہندی کی حیثیت سے پیر رومی سے فکری راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں

لب بہ بند و گوش بند و چشم بند
گرنہ بنی سر حق بر من بخند

جب کہ آپ (علامہ اقبال) فرماتے ہیں

چشم و گوش و لب کشا اے ہوش مند
گر نہ بنی سر حق بر من بخند

اس لحاظ سے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اسرار حق دیکھنے کے لئے لب، کان اور آنکھیں بند کرنے کی تلقین کرتے ہیں جب کہ آپ لب، کان اور آنکھ کھلے رکھنے کو کہہ رہے ہیں۔ پیر رومی اور مرید ہندی کی فکر میں یہ تفاوت کیوں؟ میرے اس سوال پر علامہ اقبال فرمانے لگے کہ

”پیر اور مرید کا انداز فکر یکساں ہے۔ پیر رومی کہتے ہیں اپنے حواس کو اغیار کی طرف سے بند کر، جب کہ میرا مقصود یہ ہے کہ اپنے حواس کو خدا کی جانب کھول لے۔“
علامہ اقبال کے پنجابی کے الفاظ یوں تھے کہ:

”بند کر لے اغیار ولوں..... تے کھول لے یاروں“

علامہ اقبال آلومہار شریف میں

۱۹۶۸ء میں جب پہلی بار حضرت خطیب الاسلام کو عارضہ قلب لاحق ہوا تو آپ ماہر امراض قلب ڈاکٹر رؤف یوسف (لاہور) کے پاس ای سی جی کے لئے تشریف لے گئے۔ یہ عاجز (راقم الحروف) بھی وہاں پہنچا۔ دوران گفتگو ڈاکٹر رؤف صاحب نے بتایا کہ حضرت علامہ اقبال کے ساتھ میرے بہت گہرے تعلقات تھے۔ ایک دن میں نے پوچھا علامہ صاحب! میں کچھ عرصہ سے آپ کے مزاج میں نمایاں

تبدیلی دیکھ رہا ہوں۔

آپ کے اشعار و افکار عشق رسول ﷺ اور تصوف کے سانچے میں ڈھلتے جا رہے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

تو علامہ اقبال نے فرمایا بعض بزرگوں کی زیارت اور صحبت نے میرے دل میں روحانی انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ ان میں سے ایک بزرگ قطب الاقطاب حضرت خواجہ سید محمد امین شاہ آلو مہار شریف والے ہیں اور دوسرے بزرگ حضرت میاں شیر محمد شر قپوری ہیں۔

جب میں آلو مہار شریف میں حاضر ہوا تو حضرت خواجہ محمد امین شاہ علیہ الرحمہ نے مجھے اپنے ساتھ بٹھالیا اور نگاہ مست سے میری طرف دیکھا، سر اور پشت پر ہاتھ پھیرا اور زبان سے فرمایا..... بیٹا! تم بڑے خوش نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ تم سے ملت اسلامیہ کی خدمت کا کام لیں گے۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ روزانہ کثرت سے درود خضریٰ پڑھا کرو۔

علامہ اقبال نے کہا..... اچانک یوں محسوس ہونے لگا کہ میرے جسم سے بوجھ اتر رہا ہے۔ سینے میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا ہو رہی ہے اور اس کے بعد میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس دن سے میرا معمول ہے کہ روزانہ دس ہزار مرتبہ درود شریف پڑھتا ہوں۔ اسی فیضان کا اثر ہے کہ میرے سینے میں عشق رسول کا سمندر موجزن ہے اور میں الحمد للہ یقین کی حد تک اس امر کا قائل ہوں کہ واقعی اہل اللہ کی نظر کیمیا اثر ہوتی ہے اور ان کی توجہات کا فیضان، قلب و نظر میں انقلاب پیدا کر دیتا ہے۔ غالباً اسی فیضان کے مشاہداتی نتیجے کا اعتراف کرتے ہوئے علامہ اقبال نے کہا تھا:

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

خطیب الاسلام، ابوالکلام، حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن قدس سرہ الاحسن کی سیرت کا ایک باب



لقب خطیب الاسلام، کنیت ابوالکلام، ادب و انشاء کا امام، منکرین ختم نبوت کے لئے شمشیر بے نیام، عظمت اسلاف کی آواز، دنیائے طریقت کا شہباز، ناموس رسالت کا پاسدار، میدان خطابت کا شہسوار، نازش اولیائے آلومہار، گلشن مجددیت کی بہار، علم کا معدن، عشق کا بانگین، اسلام کا محسن، اقبال کا مرد مومن، مذہباً حنفی، مشرباً مجددی، خطیب عجیب، ادیب لیبیب، قائد سیاست، مجاہد ملت، شاعر دربار رسالت، قافلہ سالار تحریک خلافت، امیر شریعت، پیر طریقت ایسے نظر افروز اور دل آویز رنگا رنگ اوصاف حمیدہ سے تشکیل پانے والی حسین و جمیل، سرو قامت شخصیت کا نام نامی اسم گرامی خطیب الاسلام حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

خوش قسمتی سے حضرت خطیب الاسلام کو آلومہار شریف کی وہ مقدس سرزمین میسر آئی جو ہمیشہ سے اولیائے کرام کا مرکز و محور رہی ہے۔ آلومہار شریف شہر اقبال (سیالکوٹ) کے قرب و جوار میں ڈسکہ سے سیالکوٹ روڈ پر واقع ہے۔ بظاہر ایک چھوٹا سا قصبہ ہے مگر حقیقتاً بڑے بڑے شہروں کا جاہ و جلال اور حسن و جمال اس کی دیواروں میں پوشیدہ ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ایسے صاحبان کمال پیدا ہوئے جن کی ایمانی اور روحانی یادیں قلب گیتی میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو کر رہ گئی ہیں۔ اس قصبہ (آلومہار شریف) کی سرزمین کے ذروں نے زمانے کے اقطاب



وابدال کے قدم چومے ہیں۔ اس مے خانہ سے روحانیت اور رشد و ہدایت کے سوتے پھوٹے ہیں۔ یہاں بادہ نوشوں کو ساقی کی کوتاہ دستی کی کبھی شکایت نہ ہوئی۔

قبلہ صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ کو اسی پاک آستانے کی سجادہ نشینی کا شرف ۱۹۳۳ء میں حاصل ہوا۔ چونکہ آپ نے ولایت کی آغوش میں تربیت پائی تھی اس لیے خاندانی کمالات پورے طور پر ظاہر ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے اسلامیہ کالج لاہور اور مرے کالج سیالکوٹ سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ آپ نے آلو مہار شریف کے آستانہ کے بزرگ مدرسین مولانا عبدالمجید سنبھلی اور مولانا لطف اللہ کیرت پوری سے علوم دینیہ عربیہ حاصل کیے۔ طالب علمی کے زمانہ ہی سے آپ تقریر و خطابت کے دھنی تھے۔ علماء و صلحاء کی تعلیم و تربیت سونے پر سہاگے کا کام کر گئی۔ تاریخ شاہد ہے کہ برصغیر کے جن نامور خطیبوں نے اپنی مجاہدانہ خطابت کے ذریعے ایوان باطل کو لرزہ بر اندام کر دیا ان میں خطیب الاسلام صاحبزادہ سید فیض الحسن کا نام سرفہرست ہے۔ خانقاہ سے نکل کر میدان عمل میں کودے تو تحریک ختم نبوت کے ہیرو بن گئے۔ پورا ہندوستان آپ کی خطابت اور جادو بیانی کی زد میں تھا۔ کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی زبان اور عشق رسول ﷺ میں ڈوبا ہوا بیان سامعین کو مسحور و مسرور کر دیتا تھا۔

حضرت خطیب الاسلام نے خانقاہ سے نکل کر رسم شبیری ادا کرتے ہوئے کسی خطرے کی پرواہ نہ کی بلکہ آپ نے اس وقت انگریز راج کو لاکاراجب ہر طرف غلامی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے مسلط تھے اور حکمرانوں سے ٹکر لینا موت کو دعوت دینا تھا۔ حضرت خطیب الاسلام اپنی ایک خودنوشت سوانح میں رقم طراز ہیں کہ

”یہ خلافت اور کانگریس کی ہنگامہ خیز تحریکات کا دور تھا۔ میرا عنفوان شباب تھا اور تحریکات کے ہنگامے۔ اس دور میں مجلس احرار اسلام مسلمانوں میں حریت پسند جماعت سمجھی جاتی تھی۔ ”مجلس احرار اسلام“ نے تحفظ ختم نبوت کا بیڑا اٹھا رکھا تھا۔ سیاسی وجہ

سے کم لیکن دینی وجہ سے زیادہ خدمت ختم نبوت کے لئے میں نے احرار سے تعاون کیا۔
آپ ایک اور جگہ اس مضمون میں لکھتے ہیں کہ

”میں نے اپنے دور میں ترکوں پر فرنگی یلغار کا منظر دیکھا۔ مشترکہ ہندوستان میں اس کے خلاف اجتماعی رد عمل کا مطالعہ کیا اور اپنے دور طفولیت میں اس سے خاص اثر لیا، خلافت کی تحریک کو دیکھا اور طویل جمود کے بعد اسلامیان ہند کی ملی بہادری پر خدا کا شکر ادا کیا۔ انگریز کی اسلام دشمنی کے پیش نظر ”تحریک حریت وطن“ میں حصہ لینے کی خواہش پیدا ہوئی۔ میرے والد گرامی نے سرکاری اعزازات چھوڑے، میں نے بھی اس ہنگامہ خیز دور میں ہنگاموں کا ساتھ دیا لیکن ہندو کی متعصبانہ روش نے کانگریس سے دور ہی رکھا اور الحمد للہ میری زندگی میں ہی تحفظ ختم نبوت کا ایک عظیم مرحلہ کامیابی سے طے ہوا۔ تحریک فلسطین سے اسلام اور اسلامیان پاکستان کا بڑا دیرینہ رابطہ ہے اس سلسلہ میں بھی تحریک چلی اور مجھے کئی فلسطینی بھائیوں کے ساتھ جہاد حریت میں قید و بند کے رنگ میں حصہ لینے کا موقع ملا۔

جہاد کشمیر کیلئے پچیس ہزار رضا کاروں کا اعلان

جہاد کشمیر میں آپ نے ”انجمن مجاہدین کشمیر“ کے نام سے ایک تنظیم قائم فرمائی اور پچیس ہزار رضا کاروں کی بھرتی، ٹریننگ کا اہتمام کیا۔ مجاہدین کے قافلوں کی قیادت کرتے ہوئے آزادی کشمیر کے ہراول دستوں میں پیش پیش رہے۔ مجاہدین کشمیر کے لئے عطیات، سامان خورد و نوش اور اسلحہ کے لئے فنڈز مہیا کرنے میں آپ نے مثالی کردار ادا کیا۔

مجلس احرار کے جانباز مرزا اپنی تصنیف ”کاروان احرار“ جلد دوم میں رقمطراز ہیں:

”خانقاہ آلو مہار شریف کے سجادہ نشین صاحبزادہ سید فیض الحسن کردار اور

گفتار کے غازی تھے۔ وہ جب تک احرار سے وابستہ رہے برطانوی سامراج ان کے خلاف کئی بہانے تراشتا رہا لیکن ان کی جرات ایمانی نے دشمن کو ہر موڑ پر شکست دی۔ اس دوران ان کی منزل کے راستے میں علاوہ دیگر مصائب کے جیل خانہ بھی آیا لیکن قفس کی تیلیاں منزل کو او جھل نہ کر سکیں۔“

پنجاب کے روایتی پیروں سے الگ تھلگ انہوں نے اپنے لئے انفرادی مقام حاصل کیا حالانکہ مشاطہ و غطرت نے ان کے بناؤ سنگھار میں کہیں بخل سے کام نہیں لیا۔ مضبوط جسم، سروقہ، کھلے گندمی رنگ کے چہرے پر چشم آہونے ایسی بہار باندھ رکھی تھی کہ الامان والحفیظ۔

اکھیاں یار میرے دیاں توبہ معاذ اللہ

جیویں بھریاں پھرن دیوانیاں نیں

اس پر کردار کا یہ عالم کہ جس راہ سے گزر جاتے آہٹ تک نہ ہوتی تھی۔ انہی اوصاف کی بنا پر جماعت نے انہیں عسکری ذمہ داریاں سونپ دیں، جنہیں انہوں نے خوب نبھایا۔ الغرض خطیب الاسلام کی پوری زندگی حریت و آزادی اور ایثار و قربانی کی علامت تھی اگر دن بیچ و تاب رازی میں گزرتا تو رات سوز و ساز رومی میں بسر ہوئی۔ جمعیت علمائے پاکستان کے صدر اور جمعیت المشائخ کے ناظم اعلیٰ رہنے کے علاوہ قبل ازیں مجلس احرار پنجاب کے صدر بھی رہے لیکن دینی و قومی تنظیموں میں خاص مقام حاصل رہا خصوصاً قومی سیرت کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں جن کا اعتراف خود صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے بھی کیا تھا۔

آپ خطابت و سیاست ہی کے میدان کے غازی نہ تھے بلکہ شعر و ادب کے بھی رسیا تھے۔ وہ ایک بلند پایہ شاعر تھے مگر کبھی تشہیر گوارانہ کی خصوصاً نعت و منقبت ان کا خاص مشغلہ تھا۔ ان کے اشعار ظفر علی خان کی زبان، علامہ اقبال کے اسلوب بیان



اور حضرت امام احمد رضا بریلوی کے عشق رسول ﷺ اور پیر رومی کے وجدان کا حسین مرقع ہیں۔ جن کا ثبوت ان کا نعتیہ مجموعہ ”ارمغان فیض“ ہے جو عالمی ادارہ تنظیم الاسلام گوجرانوالہ کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔

آپ نے شہید گنج تحریک، شدھی تحریک اور شاتم رسول راجپال کے خلاف تحریک کے دوران یوں عملی کردار ادا کیا کہ عاشقان رسول ﷺ کی نگاہوں کا مرکز بن گئے۔ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کا آغاز ان کی ولولہ انگیز تقریر سے ہوا۔ وہ تحریک ختم نبوت کے قائد تھے۔ آپ نے قادیانیت کے سحر باطل کے خاتمے کے لئے علماء و مشائخ اور سیاسی اکابرین کے ساتھ مل کر نصف صدی سے زیادہ عرصہ کام کیا۔ بارہا قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ ان کی پوری زندگی کا تجزیہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان کی نصف زندگی جیل میں اور نصف زندگی ریل میں گزر گئی۔

آپ گفتار اور کردار کے غازی تھے۔ آپ برصغیر میں سلسلہء خطابت کی آخری کڑی تھے۔ آپ کی تقریر موجہ کوثر و سلسبیل تھی۔ روانی اور تسلسل، استعارات و مترادفات، تراکیب و تشبیہات کا یہ عالم کہ بڑے بڑے ادیب، خطیب اور اہل سخن تصویر حیرت بن جاتے۔ میدان خطابت میں آپ کی ٹکر کا خطیب اب چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل سکتا۔ آپ بلاشبہ شہریار اقلیم خطابت تھے، تقریر کرتے تو لفظوں کے گل کدے مہکتے، جذبات کے ساغر چھلکتے اور جوش و ولولہ کے سوتے ابلتے نظر آتے۔

آپ کا انداز فکر صوفیانہ تھا۔ تصوف و طریقت کے اسرار و رموز کے اس قدر ماہر تھے کہ خود علماء و مشائخ آپ سے طریقت کے سیر و سلوک کا سبق سیکھتے۔ ساری زندگی ہنگاموں میں گزری مگر گاہے گاہے پہلو بچا کر تشنگان تصوف کی روحانی تسکین کے لئے محفل ذکر و ذوق بھی بسا لیتے۔ آپ نے نظریہء پاکستان کی عملاً حفاظت کے لئے ہر مشکل ساعت میں ملک و ملت کی خدمت میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ ستمبر ۱۹۶۵ء

کی پاک بھارت جنگ میں عوام کے جذبہ ایمانی کو زندہ رکھنے اور اسلامیان وطن کے دلوں کو جذبہ جہاد سے گرم کرنے کی خاطر بے شمار اجتماعات سے خطاب فرمایا۔ ریڈیو پاکستان سے تقاریر نشر کیں جس پر حکومت کی طرف سے آپ کو تمغہ پاکستان دیا گیا۔

صدر جمعیت العلماء پاکستان

آپ کی بے پناہ دینی، تبلیغی و روحانی خدمات کے اعتراف کے طور پر کل پاکستان جمعیت علماء پاکستان کانفرنس میں آپ کو پہلے مغربی پاکستان کا صدر منتخب کیا گیا اور پھر غازی کشمیر مولانا ابوالحسنات قادری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد جمعیت کامرکزی صدر منتخب کیا گیا۔ یہ ذمہ داری آپ نے دس سال سے زیادہ عرصہ تک نبھائی۔ اسلام کی ابدی اقدار کی ترویج اور مسلک اہل سنت کی فلاح و بہبود کے لئے آپ کے بیشمار کارنامے ہمیشہ یاد رہیں گے۔

وصال پر ملال

آخر کار آپ پندرہ برس تک دل کے عارضے میں مبتلا رہنے کے بعد ۲۳ فروری ۱۹۸۴ء بروز جمعرات سرائے فانی سے عالم باقی کی طرف سدھارے۔ آپ کے آخری الفاظ کلمہ طیبہ و ذکر کے بعد یہ تھے۔

”روشنی آرہی ہے پردے ہٹا دو“

آپ کو آلو مہار شریف میں اپنے آباؤ اجداد کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

انا لله وانا اليه راجعون

آپ کے وصال پر حضرت مولانا محمد بخش مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ارتجالاً جو چند اشعار پیش کئے وہ نذر قارئین ہیں



اہل سنت کے امام و مقتداء

چل بے خلد آشیاں، فیض الحسن	رازداں، معجز بیاں، کوثر دہن
اہل سنت کے امام و مقتداء	باخدا مومن، محبت پنجتن
ملی و دینی، سیاسی رہنما	نازش ملت، فدا کار وطن
باکمال و نامور، ہر دل عزیز	مقتداء، ممدوح، شیخ و برہمن
ترجمان عالمان و عارفان	حق شناس و حق نگر، باطل شکن
قائد و غازی، سخی، مصلح، خطیب	آپ پر تھا خاص فضل ذوالہمن
ہو گیا خاموش وہ بیدار مغز	بجھ گیا، روشن چراغ انجمن

خطیب الاسلام حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ حقائق کے آئینے میں



پاکستان کی گولڈن جوبلی کے موقع پر تمام جماعتیں اور تنظیمیں اپنے اپنے قائدین کی تحریک پاکستان میں کوششوں اور کارناموں پر روشنی ڈال رہی ہیں لیکن یہ امر نہایت ہی قابل افسوس ہے کہ آجکل کے اکثر سنی مؤرخین اپنے اسلاف کے کارناموں سے بے خبر ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ کسی تعصب اور عناد کی وجہ سے بعض شخصیتوں کے سنہری کارناموں سے عوام الناس کو عمداً بے خبر رکھا جاتا ہے اور اسکی بنیاد، سنیوں کے اندر ذاتی اور گروہی اختلافات ہیں جنہوں نے ان کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہوا ہے۔ مگر ”کون سنتا ہے چمن میں عندلیب زار کی“

خطیب الاسلام حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ آلومہار شریف کی ذات، ایک عہد آفرین اور تاریخ ساز شخصیت ہے مگر حسد کی بنیاد پر کچھ اپنے اور کچھ بیگانے ہمیشہ زبان طعن دراز کرتے رہے اور مجلس احرار میں آپ کی شمولیت کو بھی غلط رنگ دیتے رہے، حالانکہ حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس احرار میں شمولیت نہ مسلکی بنیادوں پر تھی اور نہ ہی سیاسی بنیادوں پر بلکہ مجلس احرار میں آپ کی شمولیت تحفظ عقیدہ ختم نبوت کے لئے تھی، کیونکہ سنیوں کے پلیٹ فارم پر تحریک ختم نبوت



کے سلسلے میں اس وقت مکمل خاموشی تھی۔

خطیب الاسلام اور تحریک پاکستان

حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ وہ شخصیت ہیں جنہوں نے مجلس احرار میں رہ کر تحریک پاکستان میں حصہ لیا اور قیام پاکستان کی پرزور حمایت کی۔ یاد رہے کہ مجلس احرار میں دو گروپ تھے ایک عطاء اللہ شاہ بخاری گروپ (یہ گروپ قیام پاکستان کا مخالف تھا) اور دوسرا چوہدری افضل حق گروپ (جو کہ پاکستان کا حامی تھا) صاحبزادہ سید فیض الحسن تحریک پاکستان کے حامی گروپ سے متعلق تھے۔

حضرت خطیب الاسلام کے وصال پر مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک تحریری تعزیتی پیغام میں فرمایا:

”مرحوم نے تحریک آزادی اور تحریک ختم نبوت میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ آپ مجلس احرار میں رہتے ہوئے بھی قیام پاکستان کے زبردست حامی تھے۔ قیام پاکستان کے بعد بھی آپ نے شرعی نظام کے نفاذ کے لئے زبردست جدوجہد کی۔“ (شہر یار خطابت شائع کردہ عالمی ادارہ تنظیم الاسلام گوجرانوالہ)

اہل گوجرانوالہ گواہ ہیں کہ جب قائد اعظم تحریک پاکستان کے سلسلے میں گوجرانوالہ پہنچے تو سب سے پہلے اور سب سے زیادہ نمایاں طور پر ان کا استقبال کرنے والوں اور نظریہ پاکستان کی پر جوش حمایت کرنے والوں میں حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ کا نام سرفہرست آتا ہے اور گوجرانوالہ میں ان کے ساتھ ان کے خلفاء، مریدین، علماء کرام و مشائخ عظام میں درج ذیل حضرات بھی مسلم لیگ کی حمایت میں قیام پاکستان کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔

حضرت میاں محمد بڈھا صاحب (دادوالی شریف ضلع گوجرانوالہ)

حضرت مولانا محمد شریف (گھکھڑ)



شیخ القرآن حضرت علامہ محمد عبدالغفور ہزاروی (وزیر آباد)

حضرت مولانا مفتی بشیر حسین (گوجرانوالہ)

حضرت مولانا صابر حسین (گوجرانوالہ)

حضرت مولانا صوفی نظام الدین (گوجرانوالہ)

حضرت خواجہ صوفی محمد علی نقشبندی (گوجرانوالہ) (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)

مجلس احرار میں آپ کے کردار کے بارے میں روزنامہ ”امروز“ کا ادارہ

نویس لکھتا ہے۔

”صاحبزادہ سید فیض الحسن قیام پاکستان سے قبل اگرچہ مجلس احرار کے رکن تھے مگر حامیان پاکستان میں شامل تھے۔ ان کا موقف تھا کہ قیام پاکستان کا مطالبہ درست ہے اور اس کے حصول کے لئے ہر مسلمان کو جدوجہد کرنی چاہئے۔ وہ ہندوستان کے نیشنلسٹ مسلمانوں کے اس نظریے کے سخت خلاف تھے کہ پہلے انگریز کو ہندوستان سے نکالو، بعد میں پاکستان کا مطالبہ کرو۔ ان کا موقف تھا کہ انگریز اور ہندو دونوں کی بالادستی سے بیک وقت نجات حاصل کر لی جائے۔ انہوں نے اپنے اس نظریے کی پر جوش تبلیغ کی اور مخالفوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ ان کی علمی، دینی اور ملی خدمات کا اعتراف ہر مکتب فکر کے لوگوں نے کیا۔ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کا آغاز ان کی تقریر سے ہوا۔ انہوں نے شہید گنج تحریک، شدھی تحریک، اور شاتم رسول راجپال کے خلاف تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ مجموعی طور پر چار سال قید کاٹی۔ (روزنامہ امروز ۲۵ فروری ۱۹۸۴ء لاہور)

ایک اور ستم ظریفی

ماہنامہ ”القول السدید“ لاہور کی اشاعت جولائی ۱۹۹۷ء کے صفحہ ۷۸ پر

تحریر فرمایا گیا ہے:



”جب صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ صاحب مرحوم احرار پارٹی چھوڑ کر جمعیت کی طرف مائل ہوئے اور علامہ کاظمی صاحب سے مصافحہ کرنے لگے تو آپ نے مصافحہ نہ کیا اور صاف صاف کہہ دیا کہ آپ دیوبندیوں کو مسلمان سمجھتے ہیں اور میں تکفیر کرتا ہوں“

ہمارے خیال کے مطابق یہ سنی سنائی اور غیر مصدقہ بات ہے۔ پہلے اس قسم کا ایک مصدقہ واقعہ ملاحظہ فرمائیے!

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ (محدث اعظم پاکستان) کے بارے میں مشہور ہے اور راقم الحروف نے وہ واقعہ خود حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ تاجدار آلو مہار شریف کی زبانی سنا تھا اور قطب عالم حضرت پیر سید چراغ علی شاہ مراڑہ شریف کے عالی خاندان کے بعض مشائخ نے اس واقعہ کو اپنی مجلسوں میں بارہا بیان فرمایا ہے۔

”کہ فیصل آباد کے مضافات میں کسی جلسے پر حضرت شیخ الحدیث قبلہ اور حضرت خطیب الاسلام قبلہ کا ایک ہی اسٹیج پر خطاب تھا۔ حضرت خطیب الاسلام اپنی روایتی اخلاقی بلندی کے تحت خود ہی حضرت شیخ الحدیث کی ملاقات کے لئے اس کمرے کی طرف چل دیئے جس میں وہ تشریف فرما تھے۔ حضرت شیخ الحدیث کو جب آپ کے آنے کا پتہ چلا تو انہوں نے اپنے کمرے کے دروازے کو اندر سے بند کر دیا اور ملاقات نہ کی۔

بتایا گیا کہ حضرت شیخ الحدیث نے یہ معاملہ اس بنا پر کیا ہے کہ ان کے خیال میں علمائے دیوبند کی گستاخانہ عبارات کے بارے میں صاحبزادہ صاحب کا موقف واضح نہیں ہے۔

حضرت خطیب الاسلام نے فرمایا مناسب تو یہ تھا کہ حضرت مجھ سے وضاحت طلب فرمالیتے“

بہر حال یہ واقعہ جب قطب عالم پیر چراغ علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ تاجدار مراڑہ شریف کو معلوم ہوا تو آپ نے حضرت شیخ الحدیث کے ساتھ کسی قریبی ملاقات میں سخت ناراضگی اور افسوس کا اظہار فرمایا کہ

آپ جیسی باعظمت شخصیت سے یہ توقع ہرگز نہ تھی، شاید آپ نہیں جانتے کہ صاحبزادہ سید فیض الحسن کس شان کے مالک ہیں؟ اہلسنت کے عقائد تو لوگ ان کے آستانے کے خادموں سے سیکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں نے خود دیکھا کہ قطب حقانی حضرت سیدنا پیر سید جماعت علی شاہ لاٹانی علی پوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت صاحبزادہ صاحب کو (انکی جوانی کے عالم میں) اپنی گود میں بٹھاتے اور سینے سے لگا کر فرمایا کرتے کہ

”اس شہزادے کے وجود مسعود کی برکت سے اللہ تعالیٰ اہلسنت کو بہت فائدے پہنچائیں گے“

اسی پیشگوئی اور فراست ایمانی کی روشنی میں قطب مراڑوی نے مشائخ و علمائے اہل سنت کو مشورہ دیا تھا کہ صاحبزادہ صاحب کی قیادت میں جمع ہو جائیں۔ یہی وجہ تھی کہ جامعہ نعیمیہ لاہور میں جمعیت علماء پاکستان کے مرکزی اجلاس میں صاحبزادہ صاحب قبلہ کو مدعو کیا گیا اور آپ سے درخواست کی گئی کہ آپ جمعیت کی صدارت قبول فرمائیں۔ آپ خود مائل نہیں ہوئے بلکہ پوری جمعیت آپ کی طرف مائل ہوئی تھی۔

پھر وہ وقت بھی آیا کہ جب بعض علماء کرام اور مفتیان قوم (سردست نام لکھنا مناسب نہیں) محترمہ فاطمہ جناح اور مودودی صاحب کی حمایت میں اکٹھے ہوئے اور فتویٰ جاری کیا کہ ”عورت سربراہ مملکت ہو سکتی ہے۔“

تو اس نازک موڑ پر اہل سنت کے اکابر علماء و مشائخ نے جمع ہو کر اس فتوے کی

شدید مذمت کی اور مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ سید ابوالبرکات قادری رحمۃ اللہ علیہ نے شرعی فتویٰ جاری فرمایا کہ اسلام میں عورت سربراہ مملکت نہیں ہو سکتی لہذا ہم فیلڈ مارشل ایوب خان کی حمایت کا اعلان کرتے ہیں۔ اس فتویٰ کی پاکستان کے ہزاروں علماء و مشائخ نے تصدیق و تائید فرمائی اور سب نے مل کر حضرت خطیب الاسلام سے اپیل کی کہ ہمیں آپ کی سیاسی صدارت و قیادت پر مکمل اعتماد ہے۔ آپ اس وقت سیاسی دنگل میں کود کر اہلسنت کے سفینے کو کامیابی کے ساتھ ساحل مراد سے ہمکنار فرمائیں۔ آپ نے علماء کرام کے اعتماد کو منزل مقصود تک پہنچانے کا بیڑا اٹھایا۔ چنانچہ آپ کی قیادت میں امام اہلسنت حضرت علامہ کاظمی (ملتان)، حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی (گجرات) خطیب پاکستان علامہ حافظ محمد شفیع اوکاڑوی (کراچی) خطیب اہلسنت مولانا محمد شریف نوری (لاہور)، بین الاقوامی قاری مولانا قاری غلام رسول (لاہور)، حضرت صاحبزادہ محمد طیب (ہری پور ہزارہ)، حضرت مولانا محمد بخش مسلم بی اے (لاہور)، حضرت علامہ محمود احمد رضوی (لاہور)، حضرت مفتی مختار احمد نعیمی (گجرات)، راقم الحروف (ابوالبلیان محمد سعید احمد مجددی) اور دیگر کئی علماء و مشائخ نے مشرقی اور مغربی پاکستان کے دورے کئے۔ ڈھا کہ چائگام اور سلہٹ کے میدانوں سے لے کر نشتر پارک کراچی اور موچی دروازہ لاہور تک اور وہاں سے لے کر لیاقت باغ راولپنڈی اور یادگار چوک پشاور تک کانفرنسیں اور جلسے منعقد کئے، مودودی اور ان کے حامی علماء کو مباہلے اور مناظرے کے چیلنج دیئے لیکن محمدی کچھار کے شیروں کے مقابلے میں کوئی نہ آسکا۔ پورے ملک میں انقلاب آگیا لوگوں کے دل و دماغ بدل گئے، آنے والے انتخابات میں عوام نے ایوب خان کو صدر چن لیا اور عورت کے سربراہ مملکت ہونے کا فتنہ وقتی طور پر دب گیا اور اس طرح بفضلہ تعالیٰ حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ کی پر عزم قیادت نے مفتی اعظم پاکستان کے فتوے کی لاج بھی رکھ لی اور پاکستان کے سنیوں کی آبرو بھی بچالی اور یوں زمانے کی دو

مسلمہ شخصیات کی پیشگوئی بھی پوری ہوگئی۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را
اس عظیم انقلابی کامیابی پر حاسدین اور بھی سیخ پا ہو کر حضرت خطیب الاسلام کی کردار کشی کے درپے ہو گئے۔ جس پر آپ نے صرف یہ جواب دیا کہ ”میں نے مفتی اعظم پاکستان اور دیگر علماء و مشائخ کے حکم اور فتویٰ کی تعمیل کی ہے۔ اگر ایوب خان کی حمایت کے سلسلے میں میرا اقدام آپ کی نظروں میں غلط ہے تو یہ غلطی میری نہیں فتویٰ دینے والوں کی ہے آپ لوگ ان کی طرف رجوع کریں!“

ایوب خاں کی حمایت سیاسی عمل نہ تھا بلکہ حقوق اہلسنت کا تقاضا تھا

قارئین کرام پر یہ امر بھی واضح رہنا چاہئے کہ حضرت خطیب الاسلام نے اکابرین اہلسنت کی مشاورت سے دینی ضرورت کے تحت ایوب خان کی حمایت کی تھی اور بقول حضرت علامہ کاظمی اقل القبیحین کو اختیار کیا تھا تا کہ اس ملک کو آنے والے سیلاب بد مذہبی سے بچایا جائے۔ بعض کم فہموں نے اس حمایت کو سیاسی اور مفاداتی گٹھ جوڑ سمجھ لیا تھا اور آج تک غلط فہمیاں پھیلانے میں مصروف ہیں۔ (اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے) چونکہ صدر ایوب خان مرحوم کی حمایت محض سیاسی عمل نہ تھا بلکہ اہل سنت کی مذہبی ضرورت تھی، اسی بنیاد پر ایوب خان نے نفاذ نظام مصطفیٰ کا وعدہ کیا تھا، جو بعد میں وہ پورا نہ کر سکا اور علماء اس کی حمایت سے دستبردار ہوتے گئے مگر خطیب الاسلام نے حقوق اہل سنت کے سلسلے میں چند اہم کارنامے ضرور انجام دے لئے تھے مثلاً

..... سالانہ جشن میلاد اور سالانہ گیارہویں شریف کی تعطیلات منظور کروائیں

اور ان کو سرکاری سرپرستی دلائی۔

..... ریڈیو پاکستان پر محفل میلاد کا آغاز کرایا۔

..... شاہی مسجد لاہور سے ایک بد مذہب خطیب (منکر قربانی) کو الگ کرایا اور علامہ قیوم الہی عرفانی کو خطیب متعین کرایا۔

..... جامعہ اسلامیہ بہاولپور یونیورسٹی میں اہل سنت کی نمائندگی کے لئے حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی کو بطور شیخ الحدیث خدمات سپرد کروائیں۔

..... سیکولر ذہن رکھنے والے فضل الرحمان کو ڈائریکٹر مذہبی امور کے عہدہ سے الگ کرایا۔

..... فوج میں اہلسنت کے دینی مدارس کے علماء اور خطباء کی تعیناتی کے لئے کام کا آغاز کیا جو بعد میں قائد اہلسنت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی مدظلہ کے دور صدارت میں مکمل ہوا۔ وغیرہا

شیخ الاسلام کا اعتراف

آپ کی انہی خداداد صلاحیتوں کا اعتراف تھا کہ جب آپ کے بعد حضرت شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ جمعیت کے صدر منتخب ہوئے اور بہت جلد ہی ہمارے علماء نے ان کے ساتھ روایتی عدم تعاون اور سرد مہری کا رویہ اختیار کر لیا تو آپ نے جمعیت کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا۔ اس پر حضرت خطیب الاسلام نے استعفیٰ پر نظر ثانی کرنے کا مطالبہ کیا تو آپ نے اتحاد سٹیلز جی ٹی روڈ گوجرانوالہ میں ایک بڑے اجتماع سے خطاب کے دوران حضرت خطیب الاسلام کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا ”حضرت! یہ استعفیٰ میرا آخری فیصلہ ہے۔ اگر اس یتیم جماعت میں آپ جیسا ایک بھی رجل رشید ہوتا تو میں کبھی مستعفی نہ ہوتا۔“

خطیب الاسلام کے حامی علماء و مشائخ

یاد رہے کہ اس دور کے حاسدین کے طوفان بدتمیزی کے مقابلے میں جو شخصیات حضرت خطیب الاسلام کی قیادت پر تحریر اور تقریراً اظہار اعتماد فرماتی رہیں اور

عورت کے سربراہ مملکت ہونے کی مخالفت میں شرعی فتوے صادر فرماتی رہیں ان میں مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات قادری (لاہور)، حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی (گجرات)، غزالی دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی (ملتان)، فقیہ اعظم حضرت علامہ محمد نور اللہ نعیمی (بصیر پور)، فقیہ العصر حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری (کراچی)، مناظر اہلسنت حضرت مولانا محمد عمر اچھروی، مناظر اسلام مولانا محمد عنایت اللہ (سانگلہ ہل)، ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری (بھیرہ)، حضرت علامہ مفتی محمد عمر نعیمی (کراچی)، استاذ العلماء مفتی صاحبزادہ خاں (سندھ)، خطیب پاکستان علامہ حافظ محمد شفیع اوکاڑوی (کراچی)، شیخ المشائخ حضرت صاحبزادہ سید کبیر علی شاہ (چورہ شریف)، صدر المشائخ حضرت پیر فضل عثمان مجددی (کابلی)، فخر المشائخ خواجہ پیر عبدالمجید خضریٰ (پیر آف دیول شریف)، شارح بخاری علامہ محمود احمد رضوی (لاہور)، مفکر پاکستان مولانا محمد بخش مسلم بی ایف (لاہور)، شیخ الحدیث مولانا غلام فخر الدین گانگوی (میانوالی)، حضرت شیخ الحدیث صاحبزادہ سید محمد زبیر شاہ (چکوال)، حضرت صاحبزادہ فیض علی فیضی (راولپنڈی)، خطیب پاکستان مولانا محمد شریف نوری (لاہور)، پاسبان مسلک رضا مولانا ابوداؤد محمد صادق رضوی (گوجرانوالہ) کے اسماء گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں بلکہ ان دنوں ماہنامہ رضائے مصطفیٰ کی ایک اشاعت میں حضرت خطیب الاسلام کی قیادت و صدارت پر اعتماد کرنے والے چند اکابر علماء کرام کے نام لکھ کر حضرت مولانا ابوداؤد محمد صادق رضوی نے مخالفین کو چیلنج دیا تھا:

تلک ابائی فجئنی بمثلہم

یعنی ”یہ ہیں وہ میرے بزرگ (جو خطیب الاسلام کی قیادت پر اظہار اعتماد کر رہے ہیں) تمہارے پاس کوئی ان جیسا ہے تو پیش کرو!“

آمد م برسر مطلب

حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن ایک ایسے مرد مجاہد تھے جن کی لاکار سے

فرنگی ایوان لرزہ بر اندام رہے۔

..... وہ ایک ایسے روحانی مربی تھے کہ علماء و صوفیاء ان سے تصوف اور سلوک کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔

..... وہ ایک ایسے سیاسی مدبر تھے کہ زمانے کے سیاستدان ان کے آگے طفل مکتب نظر آتے تھے۔

..... وہ ایک ایسے لاثانی خطیب تھے کہ زمانے کے خطیب ان سے لب و لہجہ کی بھیک مانگتے تھے۔ وہ ایک ایسے محسن اہلسنت تھے کہ سنی قوم شاید اب صدیوں تک ان جیسا قائد اور لیڈر نہ پاسکے گی۔

اگر ایک وقت حضرت محدث اعظم پاکستان نے ان سے مصافحہ نہ کیا تو دوسرے وقت صورت حال واضح ہونے پر محدث اعظم پاکستان جب اپنے سالانہ جلسوں پر انہیں مدعو فرماتے تو اکثر اوقات حضرت خطیب الاسلام کے استقبال کیلئے آگے بڑھتے اور بصد شوق ان کے ہاتھ چومتے اور ان کے جوڑے خود اٹھا کر اپنے حجرے میں لے جاتے۔ کچھ اسی طرح کے تعلقات امام اہلسنت حضرت علامہ کاظمی اور خطیب الاسلام حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن کے درمیان بھی قائم رہے۔ دونوں ایک دوسرے کا احترام ملحوظ خاطر رکھتے اور بے لوث محبتوں کے تبادلے ہوتے رہتے۔ سنی علماء و مؤرخین کو چاہئے کہ اپنے بزرگوں کے باہمی تعلقات کو اخلاق و مروت اور احترام و محبت کے تقاضوں کے مطابق بیان کیا کریں۔ غیروں کو اور عوام کو یہ تاثر نہ دیا کریں کہ ہمارے بزرگوں کے درمیان نفرتوں اور ملامتوں کے حجاب قائم تھے اور وہ ہر وقت آپس میں لڑتے رہتے تھے۔

سنی جرائد و رسائل

تمام سنی جرائد و رسائل کی مجلس ہائے ادارت سے بڑے ادب کے ساتھ یہی

گزارش ہے کہ علماء اہل سنت کے باہمی فروغی اور ذاتی اختلافات کے سلسلے میں اظہار خیال کے وقت اعتدال کا سلسلہ ضرور قائم رکھا کریں اور ہماری اس درخواست کو بھی موضوع بحث نہ بنائیں اور مناظرہ کی شکل نہ دیں کیونکہ ہم سنی لوگ اتنے گھمبیر مسائل سے دوچار ہیں کہ ان کا تصور بھی قلب و جان کو غمگین بنا دیتا ہے، ہم جدال و فساد کے ہرگز متحمل نہیں!

ع خرد کی نامسلمانی سے فریاد

باقی رہا یہ معاملہ

کہ صاحبزادہ صاحب مرحوم احرار پارٹی چھوڑ کر جمعیت کی طرف مائل ہوئے تو علامہ کاظمی صاحب نے آپ سے مصافحہ نہ کیا۔

قارئین! توجہ فرمائیں! کہ حضرت صاحبزادہ صاحب جب احرار پارٹی چھوڑ کر جمعیت کی طرف مائل ہوئے تو احرار پارٹی کو چھوڑنا اس امر کی دلیل بن گیا کہ احرار کو اس کے اعتقادی اور دیگر ناپسندیدہ لوازمات سمیت چھوڑا تھا اور جمعیت کی طرف مائل ہونا جمعیت کے اعتقادی اور پسندیدہ لوازمات کی طرف مائل ہونا سمجھا جائے گا پھر مصافحہ کیوں نہ کیا.....؟

اولاً تو یہ واقعہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ اگر صحیح ثابت ہو بھی جائے تو تمام مندرجات ہرگز درست ثابت نہیں ہو سکتے۔ یہ الفاظ علامہ کاظمی کی عظمت شان کے خلاف معلوم ہوتے ہیں اور ان کی اخلاقی برتری کو دھچکا لگاتے ہیں کیونکہ جب صاحبزادہ صاحب سب کچھ چھوڑ کر آئے تھے تو علامہ کاظمی صاحب کو بھی سب کچھ چھوڑ کر مصافحہ کر لینا چاہئے تھا۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ مجلس احرار کسی مخصوص مسلک اور فرقے کی جماعت نہ تھی اس میں دیوبندی، سنی (بریلوی)، وہابی، شیعہ سبھی شامل تھے۔ اسکی مثال یونہی سمجھنی چاہئے جس طرح تحریک پاکستان، تحریک ختم نبوت، اور تحریک قومی

اتحاد میں بھی فرقوں کے علماء شامل تھے۔ اگر ان تحریکوں میں ہمارے علماء نے دیوبندیوں اور وہابیوں کے ساتھ مل جل کر حصہ لیا تھا اور ہمارے ان علماء کے عقائد میں آپ کو تردید نہیں ہو تو بالکل اسی طرح مجلس احرار کے ساتھ مل کر ختم نبوت کیلئے کام کرنے کے سلسلے میں حضرت صاحبزادہ صاحب کے عقائد کیوں مشکوک ہو گئے تھے؟ یہ حقیقت بھی مستحضر رہے کہ حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن اباعن جد مسلک اہل سنت پر تھے اور انہیں اپنے مسلک کی حقانیت اور اپنی طریقت کی صداقت پر کسی سے مہر لگوانے کی بھی ضرورت نہ تھی..... البتہ جمعیت علماء پاکستان کی صدارت سنبھالنے سے پہلے آپ نے مصلحتاً اپنے علماء کو اپنے عقائد کی صحت پر اعتماد میں لینے کے لئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق و فتاویٰ کے مطابق خدمات سرانجام دینے کے معاہدے پر دستخط ضرور فرمائے تھے اور یہ دستوری تقاضا بھی تھا اور باہمی اعتماد کی بحالی کے لئے ضروری بھی۔ والحمد للہ علی ذالک

ماہنامہ القول السدید میں حضرت علامہ کاظمی کی طرف منسوب آخری الفاظ سے بھی ہم اتفاق نہیں کر سکتے کہ حضرت علامہ کاظمی صاحب نے صاحبزادہ صاحب سے فرمایا ”آپ دیوبندیوں کو مسلمان سمجھتے ہیں اور میں تکفیر کرتا ہوں“

کیونکہ دونوں بزرگوں کی طرف منسوب کئے گئے الفاظ درجہ صحت پر پورے نہیں اترتے۔ نہ تو صاحبزادہ صاحب کی طرف سے (منسوب شدہ بات کا اس واقعہ سے پہلے) کوئی ثبوت یا انکار ثابت ہو سکتا ہے اور نہ ہی حضرت علامہ کاظمی نے کبھی مطلق طور پر تمام دیوبندیوں کی تکفیر فرمائی ہے اور نہ ہی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تمام دیوبندیوں کو من حیث الجماعت کافر قرار دیا ہے۔ علماء اہل سنت (بریلوی) کا متفقہ مسلک یہی ہے کہ دیوبندیوں کی گستاخانہ عبارات یقیناً کفریہ ہیں اور ان پر مطلع ہونے کے باوجود جو شخص بھی (خواہ کسے باشد) ان علماء اور انکی کفریہ عبارات کی تائید و تصدیق کرے گا، وہ بھی اسی حکم میں شامل ہوگا۔

تاجدار اقلیم فقر و ولایت، قطب الاولیاء

حضرت خواجہ صوفی محمد علی نقشبندی مجددی قلس سرہ الخفی



ہمارے مرشد و مربی، آقائے ولی نعمت، تاجدار اقلیم ولایت، حضرت خواجہ صوفی محمد علی قدس سرہ الخفی مادر زاد ولی اللہ تھے۔ آلو مہار شریف میں ولادت ہوئی آپ کے والد حضرت خواجہ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ولایت کی گود میں پرورش پائی۔ حضرت ثانی حضرت خواجہ سید محمد امین شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے جب مولود مسعود کی خبر سنی تو آپ بچے کو دیکھنے خود تشریف لائے، گود میں اٹھایا اور گڑتی دی اور اپنے ہاتھ مبارک والی تسبیح یعنی تسبی گلے میں ڈال کر بشارت سنائی کہ یہ بچہ فقیر اور ولی ہوگا۔ بچپن سے ہی آپ کے انداز نرالے تھے۔ عام بچوں سے الگ تھلگ مزاج رکھتے تھے۔ کھیل کود، گالی گلوچ سے طبعاً متنفر تھے۔ والدین نے تعلیم قرآن کے لئے حافظ صاحب کے پاس بٹھایا، صرف پہلا آدھا پارہ پڑھا باقی سارا قرآن خود حافظ صاحب کو سنا دیا۔ سکول میں داخل کیا پہلی کلاس پڑھی مگر علم کتابی اس نہ آیا۔ باطنی علم نے فقر کی سان پر چڑھایا تو دو ہی کاموں سے غرض رہی کبھی حضرت ثانی کے کندھوں پر سواری اور کبھی کھیتوں میں چھپ کر آہ وزاری۔

عشق لگا کھیڈاں کھیڈ دی نوں

کھیڈاں بھلداں بھلداں بھل گیاں

حضرت ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد حضرت ثالث خواجہ سید محمد

حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ (المعروف نانگے والے پیر) کی تربیت نے اور بھی رنگ دیا، حلقہء بیعت میں لیا تو سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ والدین نے حصول معاش کیلئے استاد محمد دین رنگساز کے پاس چھوڑا چند ماہ ان کے پاس گزارے، مگر قدرت نے انسانوں کو رنگ چڑھانے کا کام لینا تھا، جی نہ لگا، نقشہ نویسی کا فن طبع زاد ہوا بغیر کسی ماہر فن استاد کے اس میں دلچسپی لی شاید نقاش ازل نے دلوں پر ”اللہ ہو“ نقش کرنے کیلئے یہ ذوق ارزانی فرمایا تھا۔ ایک ایک کر کے ہر کام ادھورار ہا لیکن عشق کا جام پورا رہا۔ بستیوں اور آبادیوں سے جی اکتا گیا، خلوتوں کا ذوق غالب آیا، درد نے عشق کا جام پلایا، ہجر نے وصل کا پیغام سنایا، جنگلوں کی راہ لی۔ 28 برس تک تخلیہ، تصفیہ اور تزکیہ کی منزلیں طے کرتے رہے۔ عشاق فراق کے خوگر ہوتے ہیں۔ عشق، فراق کے آتش کدوں میں جوان ہوتا ہے کیونکہ ہجر و فراق میں عاشق کی شخصیت نکھرتی، سنورتی، ابھرتی اور پروان چڑھتی ہے۔

فراق..... آہوں کی مالا ہے لیکن امیدوں کا اجالا ہے
فراق..... درد بھوری ہے لیکن دلیل حضوری ہے
فراق..... غموں کی سوغات ہے لیکن جلووں کی بارات ہے
فراق..... ترک شاخ و گل ہے لیکن ادراک جزو و کل ہے
عشق والے..... فراق میں زہر کے جام پیتے ہیں..... لیکن روز مرتے اور روز جیتے ہیں..... اور ہر آن نئی جان اور نئی شان کے ساتھ ابھرتے ہیں۔

ہمارے حضرت رئیس العشاق تھے، زندگی میں جوانی کا دور امنگوں اور ترنگوں کا زمانہ ہوتا ہے۔ جوانی کبھی دیوانی اور کبھی مستانی ہو جاتی ہے۔ جوانی کی بہاریں کس کو مست نہیں بناتیں؟ ”در جوانی تو بہ کردن شیوہ پیغمبری“ جوانی کی سہانی رت میں دھت رہنے کے بجائے ذکر و فکر کے شراب الست سے سرمست رہنا ہی

نبیوں کی سنت اور ولیوں کی استقامت ہے۔

ہمارے حضرت کی زندگی عشق خدا و مصطفیٰ سے عبارت تھی۔ جذب و شوق کے عالم میں جنگلوں، صحراؤں، تاریک غاروں اور سر بفلک پہاڑوں تک آپ کے سوز جنوں کی داستانیں پھیلی ہوئی ہیں۔ لبوں پر نسیم شبی کے نالے اور قدموں پر خار مغیلاں کے چھالے۔ شب غم کے اندھیرے اور صبح وصل کے اجالے آپ کی زندگی کا حاصل تھے۔

جنگلوں میں یاد خدا آپ کی غذا تھی..... درود خضریٰ آپ کا وظیفہ تھا..... بھوک کے وقت ہاتھوں کی انگلیوں سے دودھ اور شہد کا مزہ پاتے..... ذکر کرتے تو شجر و حجر بھی یہی نغمہ گاتے..... درود پڑھتے تو جانور بھی سنتے..... تلاوت کرتے تو پرندے وجد کرتے۔ چالیس برس کی عمر ہوئی تو سر ہند شریف کی حاضری کا حکم ملا۔ حاضر ہوئے تو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے خلافت باطنی سے نوازا۔ جذب و سلوک کی تکمیل ہوئی۔ آلو مہار شریف واپس پہنچے تو مرشد پاک نے ظاہری خلافت عطا کی اور مخلوق خدا کی ہدایت کیلئے مسند ارشاد پر بٹھایا۔ آپ بظاہر امی تھے لیکن علم باطنی اور لدنی سے مشرف تھے۔ علماء کو بھی وعظ و نصیحت فرماتے۔ تبلیغ کا فریضہ ادا کرنے کیلئے جمعہ کا خطبہ بھی دے لیتے لیکن امامت و خطابت کو بطور پیشہ اختیار نہ فرمایا، گفتگو جیسے مصری کی ڈلیاں۔ مسند ارشاد کے حوالے سے آپ کے ارشادات جمال و جلال کا آمیزہ۔ تہجد سے فجر کی نماز تک دس سپارے تلاوت قرآن اور روزانہ پانچ ہزار مرتبہ درود خضریٰ اور چوبیس ہزار مرتبہ ذکر ”اسم ذات“ ان کی عادت ثانیہ تھی، اور اکات و انکشافات معمولات کا حصہ تھے۔ بارگاہ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰت کی حاضری اور حضوری کی سعادتوں سے مالا مال تھے۔ کئی بار مشاہدہ ہوا کہ آپ کی محفلوں میں انوار چمکتے، خوشبوئیں مہکتیں اور خوشگوار ہواؤں کے مشک بار جھونکے حاضرین کی مشام جان کو معطر کر جاتے۔ جب چاہتے ارواح صالحین سے رابطہ جوڑ لیتے۔ آپ کا طریق دعوت



اسماء کی بجائے مستی تھا۔ اسم اعظم شغل دائمی تھا۔ دو مرتبہ مردے زندہ کئے لیکن آپ کی توجہات نے کئی مردہ دلوں کو زندہ جاوید کر دیا تھا۔ آپ کی صحبت اکسیر کا درجہ رکھتی تھی۔ آپ کی صحبت میں بیٹھنے والے لوگ خداری اور خدا شناسی کے ذوق سے سرشار ہو جاتے۔ رحمہ لی سخاوت اور مہمان نوازی آپ کا اثاثہ تھا، حق گوئی آپ کا نصب العین تھا، غریب پروری، بندہ نوازی اور انسانی ہمدردی آپ کا جوہر تھا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے

علم کیا ہے؟ جاننا یعنی عرفان ذات

فقیری کیا ہے؟ درد و غم کا نام ہے

تصوف کیا ہے؟ عمدہ اخلاق اور اعلیٰ کردار کی تعلیم

درویشی کیا ہے؟ خدمت انسانیت

پیر کس کو کہتے ہیں؟ جو مرید کو خدا تک پہنچائے

مرید کس کو کہتے ہیں؟ جو پیر سے خدا کے سوا کچھ نہ چاہے

تربیت کے معاملے میں آپ سخت گیر تھے۔ جو آپ کی سختی برداشت کر لیتا وہ

کندن بن جاتا۔ اکثر مریدوں کو تصرفات کے ذریعے برائیوں سے روکتے اور مشکلات سے نجات دلاتے۔

غرضیکہ : آپ اسلاف کا نمونہ اور اخلاف کیلئے مشعل راہ تھے۔ اخلاق حسنہ اور

صفات محمودہ کا مجموعہ تھے۔ آپ سراپا کمالات اور مجسمہ کرامات تھے۔ وصال سے

تھوڑی دیر پہلے آپ کے لبوں پر حسبی اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم

النصیر کا وظیفہ تھا۔ وصال کے وقت ذکر اسم ذات اور نفی اثبات ورد زبان رہا اور

داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ کا عرس بمقام دربار عالیہ حضرت خواجہ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ محلہ

مبارک شاہ کلاں قبرستان بیرون کھیالی دروازہ ہر سال مورخہ ۲۲ نومبر کو منعقد ہوتا ہے۔

شیخ الحدیث حضرت

علامہ حافظ محمد عالم نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث حافظ محمد عالم (محدث سیالکوٹی) 20 اگست 1999ء کو وصال فرما گئے تھے۔ ان کے پہلے سالانہ عرس کے موقع پر چند سطور پر مشتمل یہ مقالہ نذر قارئین ہے۔

استاذ العلماء، سند الفضلاء، سرچشمہ ہدایت، حامی سنت، ماحی بدعت، جواہر الجوز، عشق رسالت سے معمور، شیخ الحدیث حضرت علامہ حافظ محمد عالم رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے معروف علماء و فضلاء میں سے تھے۔ اہل علم و عرفان میں ان کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ وہ ایک جامع الصفات انسان تھے۔ علم و عمل، دانش و فضل اور حکمت و عدل کا حسین نقشہ تھے۔ توحید الہی پر ایمان ان کی بندگی کا اثاثہ تھا اور عظمت رسالت پر ایقان ان کی زندگی کا خاکہ تھا۔ سادگی اور پرکاری ان کا مزاج تھا، بے خودی و ہشیاری ان کا معراج تھا۔ وہ فقر غیور کے ترجمان اور رزخ خودی کے نگہبان تھے۔ وہ پابند شریعت اور متبع سنت تھے۔ ہمت و جرأت کا پیکر تھے۔ اخلاص و ایثار کا مجسمہ تھے۔ حق گوئی و بے باکی ان کا شعار تھا۔ قرآن مجید کے عالم بھی تھے اور حافظ بھی۔ سنت کے عامل بھی تھے اور محافظ بھی۔ علم حدیث میں انہیں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ علوم متداولہ پر انکی گہری نظر تھی۔ وہ ایک بالغ نظر مفتی بھی تھے اور باریک بین فقیہ بھی، وہ صاحب فکر و رسا بھی تھے اور حامل فکر و رضا بھی۔ ان کے ایام، علم کی خدمت میں گزرتے اور راتیں، سوز و ساز رومی و جامی میں بسر ہو جاتیں۔



میں نے انہیں دور سے بھی دیکھا اور قریب سے بھی، وہ انسانی لباس میں ملکوتی صفات کے حامل تھے۔ ان کی ذات گونا گوں خوبیوں سے آراستہ تھی۔ وہ نصف صدی تک سیالکوٹ کے باسیوں میں علم و عرفان کے لؤلؤ لالہ لٹاتے رہے۔ ان کے حلقہ درس سے ہزاروں علماء، سینکڑوں صوفیاء اور بیسیوں مشائخ فیضیاب ہوئے۔ وہ رہتی دنیا تک زندہ رہیں گے کیونکہ ان کا نیک نام زندہ رہے گا۔

قارون ہلاک شد گرچہ چہل خانہ گنج داشت

نوشیرواں نہ مرد کہ نام نکو گذاشت

تحریک ختم نبوت، تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ، تحریک آزادی کشمیر میں آپ کی

لافانی خدمات ہمیشہ یاد رہیں گی۔

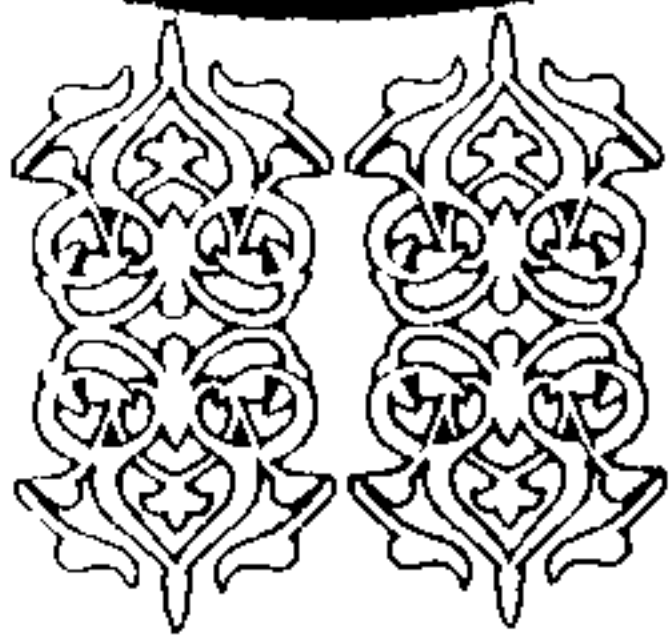
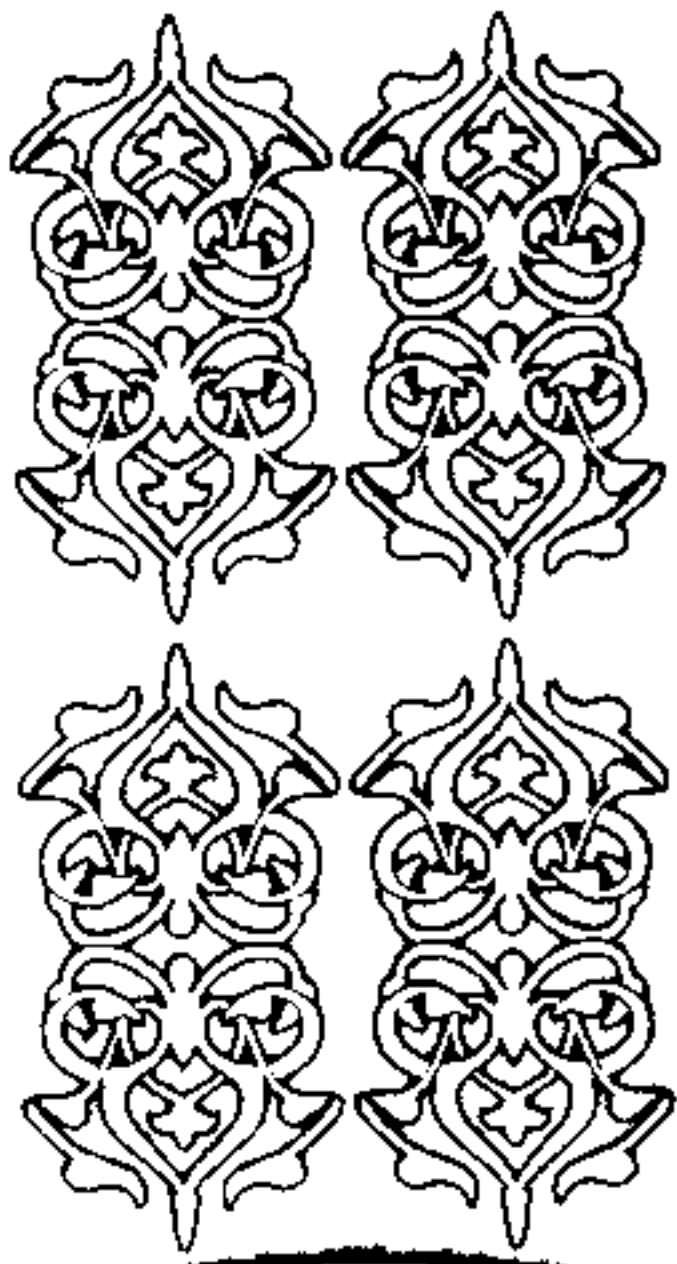
..... جمعیت علماء پاکستان، جمعیت علماء جموں و کشمیر، جماعت اہل سنت اور آل جموں و کشمیر سنی جہاد کونسل کے مرکزی رہنماؤں میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ حالیہ تحریک آزادی کشمیر میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور 2 مارچ 1992ء راولپنڈی میں ایک ہزار سے زائد علماء و مشائخ کو جمع کر کے جہاد کشمیر کنونشن منعقد کیا اور حالیہ جہاد کشمیر کے شرعی جہاد ہونے کا فتویٰ صادر فرمایا جس کی تمام علماء نے تائید فرمائی۔ اسی جہاد کشمیر کنونشن میں آل جموں و کشمیر سنی جہاد کونسل کی بنیاد رکھی پیرانہ سالی کے باوجود ملک بھر میں دورے کیئے۔ جہاد کشمیر کانفرنسیں، ریلیاں اور سیمینار منعقد کرائے، علماء کو دعوت جہادی، قوم میں روح جہاد پیدا کی اور اس کے ساتھ ساتھ مقبوضہ کشمیر سے ابھرنے والی جہادی تنظیم البرق مجاہدین کی سرپرستی بھی فرماتے رہے۔ یہ آپ کے جذبہ، خلوص کی برکت ہے کہ آج سنی جہاد کونسل اور البرق مجاہدین جہاد کشمیر میں اہل سنت کی تاریخ مرتب کر رہے ہیں اور عظیم قربانیاں دے کر کشمیر کی آزادی کے لیے مصروف عمل ہیں۔



رو رہی ہے آج اک ٹوٹی ہوئی مینا اسے
کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیانے رہے

آپ نے باقیات الصالحات میں اپنے صاحبزادگان والا شان اور ہزاروں
شاگرد علماء و فضلاء کے روپ میں چھوڑے ہیں جو اندرون و بیرون ملک تعلیمی و تبلیغی
خدمات انجام دے رہے ہیں۔ انکی مقبولیت کا اندازہ انکے جنازے سے ہوا کہ تقریباً
دولاکھ افراد ان کی نماز جنازہ میں شامل ہوئے، سیالکوٹ کی تاریخ میں اتنا بڑا جنازہ کبھی
نہ دیکھا گیا۔ وہ شہر سیالکوٹ کی آرزو بھی تھے اور دنیا کے علم و عمل کی آبرو بھی۔ وہ تخت
کے سکندر بھی تھے اور بخت کے قلندر بھی۔ وہ اہل علم کی ہر محفل کا چراغ بھی تھے
اور اہلسنت کی ہر انجمن کا دماغ بھی۔

ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں
بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لیے



ہمارا قومی بگاڑ اور اس کا علاج

گم کردہ راہ قافلہ

امت مسلمہ کی موجودہ صورتحال پر طائرانہ نظر ڈالیں تو یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ یہ امت قرآن میں بیان کردہ امت سے مختلف ہے۔ وہ قوم جس کو قرآن نے امت وسط اور ملت واحدہ کا لقب دیا وہ اپنی اصل منہاج سے ہٹ کر دائیں اور بائیں بازو میں بٹ چکی ہے اور وحدت فکر و نظر کی بجائے استعماری قوتوں کی پالیسی کے تحت مختلف دھڑوں میں تقسیم ہو کر رہ گئی ہے۔ وہ قوم جو دنیا کی قیادت و امامت کے لئے معرض وجود میں آئی تھی وہ آج قرآن اور مذہب سے رہنمائی حاصل کرنے کی بجائے یورپ کی غلامی پر رضا مند ہو گئی ہے جس کی بناء پر اس کی حیثیت ایک گم کردہ راہ قافلہ کی ہو چکی ہے۔ جس کے سامنے نہ کوئی نصب العین باقی رہ جاتا ہے اور نہ ہی کسی بلند منزل تک رسائی کا جذبہ پیش نظر ہوتا ہے۔

وائے قومے کشتہ تدبیر غیر
کار او تخریب خود، تعمیر غیر

پاکستان تو بن گیا

14 اگست 1947 کو دنیا کے نقشے پر ابھرنے والا پاکستان اپنی تاریخی حدود کے آئینے میں ان ہی حالات کے رد عمل کے طور پر معرض وجود میں آیا تھا اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ ہی اس کا جذبہ محرکہ تھا۔ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں امت مسلمہ کے ہزاروں علماء و مشائخ کی موجودگی میں حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری

اور حضرت محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہما نے اعلان کیا تھا کہ
 ”اگر مسلم لیگ، پاکستان کے مطالبہ سے دستبردار بھی ہو جائے تو اہل سنت
 کے علماء و مشائخ مطالبہ پاکستان سے ہرگز دستبردار نہ ہوں گے۔“
 پاکستان تو بجمہ تعالیٰ بن گیا، مگر پاکستان بنتے ہی اس کے وجود کے خلاف
 سازشوں کے جال بچھ گئے۔ بنانیوالے تو علماء حق بے لوث تھے، وہ روایتی بے غرضی کا
 مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے خالص دینی اور روحانی کاز کے لئے مسجدوں اور خانقاہوں
 میں جا بیٹھے لیکن ۔

نیرنگی سیاست دوراں تو دیکھئے
 منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

ہماری بے تدبیری

نظریہ پاکستان کے مخالفین، استعماری طاقتوں کے ایجنٹ، لادینی افکار و
 نظریات کے علمبرداروں اور مکار و عیار عناصر چپکے سے ہماری صفوں میں گھس آئے
 اور ہماری بے تدبیری، معاملہ نامہمی اور لاپرواہی کے باعث پاکستان کی بساط سیاست
 و حکومت پر قابض ہو گئے۔ تاریخ میں اکثر ایسا ہوتا رہا ہے کہ اسلام دشمن اور فریب کار
 لوگ ہمارے کندھوں پر سوار ہو کر، ہمارے نعروں کی گونج میں ہیرو بن بیٹھے، اسلام کا
 محض لبادہ اوڑھا اور اسلام اسلام کا ورد جاری رکھا اور دل میں اس کے خلاف سکیمیں
 بناتے رہے، جو نہی اقتدار کے نیچے مضبوط ہوئے، اسلام کا نقاب اتار کر اپنے حقیقی
 روپ میں سامنے آ گئے۔ ترکستان میں کمال اتاترک، پاکستان میں مجیب الرحمن،
 افغانستان میں ظاہر شاہ اور ایران میں شہنشاہ رضا شاہ پہلوی اور شام میں حافظ الاسد
 اور لیبیا میں کرنل قذافی اسی قبیلے کے افراد ہیں۔

پاکستان لادینی یلغار اور مغربی افکار کی لپیٹ میں

پاکستان کی عنان اقتدار زیادہ تر ان لوگوں کے ہاتھوں میں رہی جو تعلیم مغرب اور تہذیب فرنگ کے پروردہ نمک خوار تھے۔ ملک میں غیر اسلامی مذہب اور مسموم لٹریچر درآمد کیا گیا جس کے نتیجے میں پاکستانی قوم کے عقائد و خیالات، افکار و احساسات، سیاسیات و اقتصادیات کے سانچے بدلتے اور زندگی کے نئے نئے تصورات جنم لیتے رہے۔ بالآخر زندگی کا ہر گوشہ، افکار مغرب کی لپیٹ میں آ گیا۔ لادینیت کی یلغار ہوئی، فلسفہ و تاریخ کی مادی تعبیرات ہوئیں، مذہب و اخلاق کی معاشی توجیہات ہوئیں، دین اور سیاست، مسجد اور سکول، مولوی اور مسٹر کے مابین حد فاصل قائم کر دی گئی۔

انسانی مسائل فیکٹریوں، تجربہ گاہوں، کلبوں، ہوٹلوں اور اعداد و شمار کے دفتر وں میں حل ہونے لگے۔ روحانی خصوصیات رخصت ہوئیں، مادی ترقیات کا غلبہ ہوا، عورت اور دولت کے رجحانات عام ہوئے، مصنوعی حسن کی نمائش اور مست جوانی کی تسکین کے سامان ہوئے، ہوس کی حکمرانی ہوئی، بنگلہ و فرنیچر، کلب و پارک، شراب و کباب، رقص و سرود، کوٹھی و کار، سینما و تھیٹر، کیمرہ اور ٹیلیویشن، ریڈیو و ٹرانسسٹر، ریفریجریٹر و ایئر کنڈیشنر کی فراوانی ہوئی، عشرت خانوں میں پھولوں کی سیجیں بچھنے لگیں، کلبوں اور ہوٹلوں میں عزتیں اور عصمتیں بکنے لگیں، اسمبلیاں ہوس رانی کی زنجیریں بنیں، چہروں پر غارہ مئے ناب کی لطافتیں اور آنکھوں میں سرمہ برق پاش کی نزاکتیں رقص کرنے لگیں، مغنیات اور گلوکاروں کو انعامات اور تمغے دیئے گئے۔ اہل علم و ادب اور ارباب دانش کی تذلیل و توہین کی گئی، سکولوں اور کالجوں میں مغربی نظام تعلیم کے ذریعے مسلم قومیت کی خاموش نسل کشی کی گئی، نسلی اور لسانی فسادات کی راہ ہموار کی گئی، روس، اسرائیل اور بھارت کے ناپاک گٹھ جوڑ سے ان کے سازشی منصوبے آئے دن تازہ رخ بدلتے رہے، نظریہ پاکستان پر ضرب کاری لگانے کے



لئے بنگلہ دیش، سندھودیش، پختونستان کی اصطلاحات ایجاد ہوئیں۔ سرحدی گاندھی، مجیب الرحمان، جی ایم سید کی ضیافتیں اور عیادتیں ہوتی رہیں، سوشلزم، کمیونزم، سیکولرازم اور کمیونٹلزم جیسے ملحدانہ نظریات کو پذیرائی دی گئی، ختم نبوت کے بنیادی اسلامی عقیدے کے منکرین کو کلیدی آسامیوں پر تعینات کیا گیا جو کہ ملک توڑنے کی سازشوں کو عملی جامہ پہناتے رہے، ملوکیت اور جمہوریت کے غیر اسلامی نظریات کو مقدس دستاویز قرار دیا گیا، غیر اسلامی مغربی طرز انتخاب اپنایا گیا، اسمبلیاں تجارت کی منڈیاں بنیں، کرسی صدارت کو باپ دادا کی جاگیر سمجھ لیا گیا، اسلامی معیشت کی بجائے سرمایہ دارانہ نظام کو فروغ دیا گیا اور غریب عوام پر ظلم و ستم کے ذریعے عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار

سانہائے سادگی ہے کھا گیا مزدور مات

اور پاکستان دو ٹکڑے ہو گیا

فوجی جرنیلوں کو بھی سیاست اور حکومت کا شوق دامن گیر ہوا، مارشل لاء نافذ ہونے لگے، محلاتی سازشیں ہونے لگیں، فارمولے بنتے اور بدلتے رہے، معاہدے طے ہوتے اور ٹوٹتے رہے ”ادھر تم ادھر ہم“ کے نعرے بلند ہوئے، بالآخر 1971ء کی پاک بھارت جنگ میں 90 ہزار سے زائد پاکستانی فوجی بھارت کے سامنے ہتھیار ڈال کر تاریخی اور عبرت ناک ذلت و شکست سے دوچار ہوئے اور پاکستان دو ٹکڑے ہو گیا۔

آج کا پاکستان

باقی ماندہ پاکستان بھی معاندین کی ریشہ دوانیوں کا اڈہ بنا ہوا ہے۔ صیہونی اور مغربی استعمار، پاکستان کے مسلم معاشرے کو سیکولر بنانے اور اس کی اسلامی غیرت اور دینی حس کو ختم کر دینے پر تلا ہوا ہے۔ اب پاکستان کے دشمنوں کا اولین نشانہ صوبہ سندھ ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ پاکستان کو مجاہدین افغانستان و کشمیر کی مادی



واخلاقی امداد نہ کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے تاکہ مسلم امہ کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے۔
الغرض اس وقت پاکستان کو اندورنی و بیرونی طور پر لائیو اور لاقناہی مسائل درپیش
ہیں گویا پاکستان، مسالکستان بن چکا ہے، پاکستانی قوم ایک فیصلہ کن موڑ پر کھڑی ہے،
پورا معاشرہ سسکیاں لے رہا اور دم توڑ رہا ہے۔ شاید پاکستان کی تاریخ میں اتنا نازک
وقت اس سے پہلے نہ آیا ہو گا لیکن بد قسمتی کی انتہا ہے کہ ہمارے ملک کے

.....○ حکمران ہیں، جن کا شیطانوں سے سمجھوتہ ہو چکا ہے۔

.....○ سیاستدان ہیں، جن کا حکمرانوں سے سمجھوتہ ہو چکا ہے۔

.....○ سرمایہ دار ہیں، جن کی عیاشی کی داستانیں ضرب المثل ہیں۔

.....○ زمیندار ہیں، جن کے آہنی شکنجوں میں کاشتکار کراہ رہے ہیں۔

.....○ علماء ہیں، جن کے دماغ جواب دے چکے ہیں۔

.....○ مشائخ ہیں، جن کے دل سرد ہو چکے ہیں۔

.....○ طلباء ہیں، جن کے دیدے بے دید ہو چکے ہیں۔

.....○ وکلاء ہیں، جن کے شکم قارون خانے ہیں۔

.....○ ڈاکٹر ہیں، جو رحم اور ہمدردی کے جذبے سے عاری ہیں۔

.....○ پولیس افسران ہیں، جو انسان نما بھیڑیے معلوم ہوتے ہیں۔

.....○ صحافی اور اخباری نمائندے ہیں، جو قلم و کاغذ کی آبرو بیچتے ہیں اور بلیک میلر ہیں۔

.....○ مذہبی اور سیاسی طبقے ہیں، جو باہم دست و گریباں ہیں۔

.....○ دانشور ہیں، جو فکر و دانش کے قاتل اور تعلیم مغرب کے فریب خوردہ ہیں۔

.....○ تاجر ہیں، جو انسانوں کا خون پی رہے ہیں اور مردوں کی ہڈیاں تک چوس

رہے ہیں۔

.....○ نوکر شاہی، جو آدم خورد درندوں کی فوج ظفر موج ہے۔



-○ غریب عوام ہیں، جن کی روحمیں مردہ اور جسم افسردہ ہیں۔
-○ یتیم بچے اور بچیاں ہیں، جن کے آنسو خشک ہو چکے ہیں۔
-○ دوشیزائیں ہیں، جو حسرت و حرمان کی تصویریں ہیں۔
-○ بیٹیاں اور مائیں ہیں، جن کی عزت و آبرو کے نازک آگینوں کو بزم عیش کے کھلونے بنا دیا گیا ہے۔
-○ عدالتیں اور کچھریاں ہیں، جہاں رشوت کی حکمرانی ہے اور عدل و انصاف کند چھری سے ذبح ہو رہا ہے۔
-○ کالج اور یونیورسٹیاں ہیں، جہاں نوکروں، تنخواہ داروں، منشیوں اور کلرکوں کی کھیپ تیار ہو رہی ہے۔
-○ تحصیلیں اور تھانے ہیں، جہاں قیمتی جانوں کی بولیاں ہوتی ہیں اور عزت و آبرو کے سودے ہوتے ہیں۔
-○ حوالاتیں اور جیلیں ہیں، جہاں مجرموں کی پرورش و حفاظت ہوتی ہے۔
-○ مسجدیں اور مدرسے ہیں، جہاں سے اتحاد و محبت کی بجائے انتشار و نفرت کے نعرے بلند ہو رہے ہیں۔
-○ خانقاہیں اور آستانے ہیں، جہاں سے پاک دل صوفیوں کی بجائے دھمالے، گورکن اور کفن چور سر اٹھا رہے ہیں۔
-○ غرض یہ کہ پاکستانی قوم کے عقلی و فکری قوای مضحکہ خیز اور معطل ہیں، علمی اور عملی صلاحیتیں زنگ آلود ہیں، زندگی کے تمام شعبے مادیت کے شجرہ خبیثہ کے برگ و بار ہیں جو افراط و تفریط کی مسموم ہواؤں سے خزاں رسیدہ ہو چکے ہیں۔

سوال یہ ہے

کہ ان تمام خرابیوں کا اصل ذمہ دار کون ہے؟
ہمارے خیال میں اس تمام ضعف و بگاڑ اور جمود و تعطل کے ذمہ دار چار طبقے ہیں

- ۱..... حکمران
۲..... علماء و مشائخ
۳..... سیاسی قائدین و ارباب دانش
۴..... عوام

در حقیقت ذمہ داری میں تمام طبقے برابر کے شریک ہیں، جس کے پاس جتنی قدرت و استعداد ہے، اس پر اسی قدر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ صاحب اختیار حکام کی ذمہ داری بے اختیار عوام سے زیادہ ہے۔ عالم کی ذمہ داری جاہل سے زیادہ ہے۔ صاحب اختیار متمول کی ذمہ داری محتاج و نادار سے زیادہ ہے۔ کلکم مسئول عن رعیتہ“ فرمان نبوی اسی مفہوم پر دال ہے۔ چونکہ ذمہ داری بقدر اختیار و اقتدار ہوتی ہے اسی لئے قرآن نے صاحب ایمان حکمرانوں کی یہ صفت بیان فرمائی ہے

الذین ان مکنہم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ و امروا بالمعروف و نہوا عن المنکر

ترجمہ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔

حکمرانوں کی ذمہ داری

اس میں کوئی شک نہیں کہ حکمران، حالات اور معاملات کی شکست و ریخت کے سب سے زیادہ ذمہ دار ہوتے ہیں۔ جرائم کا خاتمہ اور عدل و انصاف کی بحالی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کے منصبی فرائض میں شامل ہیں۔

علماء و مشائخ کی ذمہ داری

علماء و مشائخ، انبیاء کرام کے وارث اور نائب ہوتے ہیں۔ جہاد بالقلم اور جہاد باللسان ان کا فریضہ ہے، لیکن حادثہ یہ ہوا کہ یہ دونوں گروہ اپنے اسلاف کی طرح مجاہدانہ رول اور روحانی کردار ادا کرنے سے عاجز و قاصر نظر آتے ہیں۔ علماء سوء کا ذکر عبث ہے۔ بہر حال عصر حاضر کے علماء و مشائخ پر دین حق کے غلبے اور روحانی تربیت کی بالادستی و ذمہ داری ایک امانت ہے جو ان پر واجب الادا ہے۔

نہ ادھر ادھر کی بات کر یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا
مجھے رہزنوں سے گلہ نہیں تری رہبری کا سوال ہے

سیاسی قائدین و ارباب دانش کی ذمہ داری

سیاسی لیڈر اور دانشور افراد کسی بھی ملک اور قوم کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہمارے سیاسی قائدین اور ارباب دانش کا المیہ یہ ہے کہ وہ تعلیم مغرب اور تہذیب یورپ کے فریب خوردہ ہیں۔ ان کی سیاست، مغربی جمہوریت کے دیواستبداد کی دریوزہ گر ہے اور ان کی دانش، عقل افرنگ کا چربہ ہے۔ وہ صرف اس قدر مسلمان ہیں کہ مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے، گو وہ بھی معاشرے کی زبوں حالی کے ذمہ دار ہیں مگر ان سے خیر کی توقع بہت کم ہے۔

وہ فریب خوردہ شاہین جو پلا ہو کر گسوں میں

اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسم شہبازی

رہا مسئلہ وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے ارباب بست و کشاد کا! تو وہ آپس

میں اس طرح برسر پیکار ہیں گویا پاکستان ان کے باپ کی میراث ہے۔

ترا پیشہ بھی سفاکی، مرا پیشہ بھی سفاکی

کہ ہم قذاق ہیں دونوں تو میدانی میں صحرائی

پاکستانی عوام

جہاں تک پاکستانی عوام کا تعلق ہے، وہ بھی ذمہ داریوں سے مستثنیٰ قرار نہیں

دیئے جاسکتے۔ ملکی استحکام اور قومی عزت و وقار میں ان کا کردار بنیادی حیثیت کا حامل

ہے وہ بھی دین و دنیا اور احکام شریعت کے سلسلے میں عند اللہ جوابدہ ہیں۔ حکمرانوں

اور سیاسی لیڈروں کی کارستانیوں میں وہ بھی حصہ دار ہیں، کیونکہ وہ بھی عوام کے منتخب

نمائندے ہیں۔ حکمران اور سیاستدان عوامی معاشرے کے آئینے ہوتے ہیں۔



بمطابق حدیث کما تکنون یولی علیکم ”جیسی روحیں ویسے فرشتے“ والا مقولہ یہیں درست بیٹھتا ہے۔

علاوہ ازیں فوج، پولیس اور بیوروکریسی بھی ہمارے بگاڑ کے ذمہ دار اور خرابی کے اہم کردار ہیں، جن پر تبصرے کی خاص ضرورت نہیں۔

تصویر کا دوسرا رخ

ہمارے الفاظ یقیناً سخت ہیں لیکن ہم مجبور ہیں، درد آشنا کی نظر درد پر ہوتی ہے نہ کہ طریقہ اظہار پر۔ سطور بالا میں جو خیالات ہم نے پیش کئے اور جن خرابیوں و خامیوں کی نشاندہی کی گئی ہے، اس کا یہ مطلب ہرگز یہ نہیں نکلتا کہ قوم کی اصلاح کی راہیں مسدود ہو چکی ہیں اور امید کے چراغ گل ہو گئے ہیں۔ اس عالم کون و فساد میں ہر بگاڑ کے ساتھ بناؤ، ہر تخریب کے ساتھ تعمیر ہوتی رہتی ہے۔ قوموں کا عروج و زوال اور تہذیبوں کا اتار چڑھاؤ قانون فطرت ہے۔ موجودہ پرپیچ حالات میں بھی اصلاح احوال کی بھرپور گنجائش موجود ہے۔ اس گہرے اندھیرے میں ابھی امید کی کرن باقی ہے، تلافی کے امکانات موجود ہیں، نشاۃ ثانیہ کے آثار نمایاں ہیں، گھبرانے اور مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، جب مرض کی تشخیص ہو جائے تو پھر علاج کی صورت بھی نکل ہی آتی ہے۔

نئی قوم اور نئی قیادت

ہم ان لوگوں میں سے نہیں جو معاشرے میں رونما ہونے والی تمام خرابیوں اور خامیوں کو ہمیشہ اغیار کے ذمے لگا دینے کے عادی ہیں، بلکہ ہمارے معاشرے میں جو کچھ ہو رہا ہے اس میں ہماری مرضی اور اختیار کو بھی دخل ہے۔ دوسروں کو موردِ اِلام ٹھہرانا اور خود کو بری الذمہ قرار دینا عذر لنگ ہے۔

یورپ کی غلامی پہ ہوا تو رضا مند
مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں



○ یہ امر مسلم ہے کہ ہمارے معاملات میں صیہونیوں، فرنگیوں، کمیونسٹوں اور الحاد پرستوں کا بھی ہاتھ ہے لیکن ہمارے داخلی عوارض بھی ہماری خرابی کے اسباب ہیں۔ ہماری رائے میں تعلیم، قانون، نشر و اشاعت، معیشت، معاشرت ہیں۔ سب سے پہلے ان پانچ شعبوں میں بنیادی اور انقلابی اصلاحات کی ضرورت ہے۔

○ ہمارا سب سے بڑا قومی خلا، مضبوط اور حوصلہ مند اسلامی قیادت کا فقدان ہے۔ ہمیں ایک ایسا ہمہ گیر عبقری مرد کامل درکار ہے جو گفتار و کردار میں اللہ کی برہان ہو، قاری نظر آئے مگر حقیقت میں قرآن ہو، سکندری اس کی ٹھوکر میں ہو، قلندری اس کے جوہر میں ہو، علم اس کا زیور ہو، حلم اس کی چادر ہو، دانش اس کی بستی ہو، عشق اس کی مستی ہو، حکمت کا لقمان ہو، بصیرت کا سلمان ہو، وہ خلوتوں میں صف بصف بھی ہو اور جلوتوں میں سر بکف بھی۔

○ وہ ایک ایسی انقلابی ٹیم کے ساتھ میدان میں نکلے جو وقت کے سانچوں میں ڈھلنے کی بجائے وقت کے سانچوں کو بدل کر رکھ دے تاکہ پاکستان کے نقشے پر ایک نئی قوم اور نئی قیادت ابھرے۔ یہودیوں نے ساری دنیا کے یہود کو ”ارض موعود“ کے نام پر متحد و فعال بنا دیا ہے، حالانکہ وہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے اور مختلف ممالک میں بٹے ہوئے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم بھی مسلم امہ کے نام پر (پوری دنیا میں عموماً اور پاکستان میں خصوصاً) ملت اسلامیہ میں ایک مسلسل حرکت اور منظم ہلچل پیدا نہ کر دیں۔

خزاں میں پھول کھلاؤ تو کوئی بات بنے

بہار آئے تو کانٹے بھی مسکراتے ہیں

ضرورت ہے کہ :

زبان و ادب سے لے کر فلسفہ و نفسیات تک، علوم عمرانیہ سے لے کر معاشیات و سیاسیات تک، پورے نظام تعلیم کو اسلامی فکر کے مطابق ایک نئے سانچے



میں ڈھالا جائے۔

..... قانون اسلامی کے حکیمانہ اصول و کلیات کی تدوین جدید کی جائے اور استنباط

جزئیات کے ذریعے احکام قرآن و سنت کی ابدیت و حقانیت کو ثابت کیا جائے۔

..... ذرائع نشر و اشاعت (ریڈیو، ٹی وی، انٹرنیٹ اخبارات و رسائل) کو منظم

منصوبہ بندی کے ساتھ دینی، تبلیغی اور فلاحی پروگراموں کے لئے استعمال کیا جائے

اور ان پر موسیقی اور ڈراموں کے آرٹسٹوں کی بجائے اہل علم و ادب کو مقرر کیا جائے یا

پھر ٹی وی اور فلم سازی کے اداروں کو بالکل بند کر دیا جائے اور فحاشی اور عریانی کی

اشاعت کا ذریعہ بننے والے اخبارات و رسائل پر قانونی پابندی لگادی جائے تاکہ قومی

خودکشی کے یہ آلات ختم ہو جائیں۔

..... موجودہ نظام معیشت میں سود، سٹہ، قمار اور اکتناز کی چاروں بنیادوں کو

منہدم کر دیا جائے اور علمائے دین و ماہرین معاشیات پر مشتمل ایک ایسا بورڈ تشکیل

دیا جائے جو معاشی زندگی کے پورے ڈھانچے کو بدلنے کے لئے عملی تجاویز مرتب

کرے تاکہ قوم، سرمایہ دارانہ نظام کی لعنتوں سے نجات حاصل کر سکے۔

..... اسلامی طرز معاشرت اپنایا جائے، مغربی طرز معاشرت اور تعیشتات کے تمام

سرچشموں پر قدغن لگادی جائے، رہن سہن کے پر تکلف، عیش پرستانہ اور مہنگے طریقے

ترک کر کے زندگی کے تمام شعبوں میں سادہ طرز معیشت اختیار کرنیکی ملک گیر تحریک

چلائی جائے، رشوت، چور بازاری، اسمگلنگ، ظلم و استحصا، خود غرضی، مفاد پرستی، مادہ پرستی

اور کرپشن جیسی تمام معاشرتی بدعنوانیوں کا مکمل سد باب کیا جائے۔ قومی زندگی میں ایثار

و مروت، اخوت و محبت، نفاق فی سبیل اللہ، سخاوت و استغناء، فکر آخرت اور خوف خدا کے

جذبات کو نئی زندگی دے کر حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور عدل کو واپس لوٹایا جائے۔

..... اس سلسلے میں تمام مکاتیب فکر کے جید علماء کرام کی طرف سے ۲۲ زکات پر

مشمتمل اسلامی معاشی اصلاحات اور ۱۹۵۲ء کے ۲۲ دستوری نکات سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

خطیب الاسلام کا نتیجہ خیز بیان

ہمیں یاد ہے کہ بتاریخ ۲۲ ستمبر ۱۹۸۰ء سابق صدر ضیاء الحق مرحوم نے اسلام آباد میں پانچ سو سے زائد علماء و مشائخ کو ”مشائخ کانفرنس“ کے نام پر مدعو کیا اور پاکستان میں نفاذ اسلام کے عمل کو تیز تر کرنے کیلئے تجاویز اور سفارشات طلب کیں۔ متعدد علماء و مشائخ کے بیانات ہوئے، اس کانفرنس میں خطیب الاسلام حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ (سابق صدر جمعیت العلماء پاکستان) کے فرمودات حرف آخر ثابت ہوئے۔ کانفرنس دو دن کے لئے بلائی گئی تھی، مگر آپ کے بعد مزید کسی بیان کی ضرورت محسوس نہ کرتے ہوئے صدر مرحوم نے پہلے روز ہی کانفرنس کے اختتام کا اعلان کر دیا۔

صدر مرحوم، وزیر داخلہ محمود ہارون، مسٹر اے کے بروہی کے تاثرات کے مطابق حضرت صاحبزادہ صاحب کے وقیع اور نتیجہ خیز ارشادات ہی پوری کانفرنس کا حاصل قرار پائے۔

حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمۃ کے بیان کا اجمالی خاکہ کچھ یوں تھا۔

یہ دور بلاشبہ مسلم قوم کی نشاۃ ثانیہ کے آغاز کا دور ہے۔

لیکن زندگی کے مراحل طے کرنے میں وہ سخت قسم کی ذہنی کشمکش سے دوچار ہے۔ نفاذ اسلام کے عمل میں معاشی اور معاشرتی اصلاحات خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔ حدود و تعزیرات اپنی جگہ پر حق ہیں مگر یہ سزا تو ہیں دوائیں، پرہیز تو ہیں غذا نہیں۔

معاشرہ ظلم و استحصا کی چکی میں پس رہا ہے، ہمارے حکمران و سیاستدان ہنگامی سیاسی مصالحتوں کے چکر میں مبتلا ہیں۔ مریض جاں بلب ہے، میں کہتا ہوں کہ

جب مزاج میں تلخی کے سبب مریض دوا پینے سے انکار کر دے اور ضد میں آ کر طبیب کی ہدایت کے برعکس خود ہی مرضی کی غذا استعمال کرنے لگے تو جو اس کا حشر ہو گا وہ کسی بھی اہل نظر سے مخفی نہیں۔ جب شاخ ہی پر دوسروں کا قبضہ ہو جائے گا تو اس پر آشیانہ کیسے برقرار رہ سکے گا؟

تجھے اے بلبل رنگیں نوا سو جھی ہے گانے کی

مجھے ہے فکر دامن گیر تیرے آشیانے کی

آپ نے فرمایا دو امر خاص طور پر فوری توجہ کے متقاضی ہیں اور انہی پر نفاذ اسلام کی گاڑی تیز رفتاری سے منزل کی طرف بڑھ سکتی ہے۔

۱..... معاشرتی جرائم (سوشل کرائمز) کا فوری طور پر قلع قمع کیا جائے۔

۲..... عدالتوں میں انصاف مفت اور فوری مہیا کیا جائے۔

اس کے بعد قوم از خود اسلامی اصلاحات پر عمل پیرا ہونے کے جذبے سے سرشار ہو جائے گی (انشاء اللہ) اور یہ حکیمانہ آپریشن ہی معاشرتی انار کی اور معاشی ناہمواری کا واحد علاج ہے۔

آپ نے صدر پاکستان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ صاحب صدر!

آج کارواں امت کو جس جام حیات کی تلاش ہے وہ آپ کے پاس موجود ہے۔ جرات رندانہ کی ضرورت ہے، ہمت کیجئے، خود بھی پیجئے اور اہل پاکستان کو بھی پلائیے، حکومت کی پرواہ نہ کیجئے یہ آنی جانی چیز ہے، اللہ جل و علا اور اسکے رسول برحق (ﷺ) کو راضی کر لیجئے کہ یہی دو جہاں کی حکمرانی بھی ہے اور کامرانی بھی۔

اسلامی طرز انتخاب

آپ نے فرمایا کہ آخر میں ہم ایک فیصلہ کن اصلاح کی نشاندہی بھی اپنا فرض سمجھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ:



”ہمارے ملک میں مغربی طرز انتخاب کی بجائے اسلامی طرز انتخاب رائج ہونا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ موجودہ طریقہ انتخاب مغربی جمہوریت کا شجرہ خبیثہ ہے جو انتہائی غلط اور بوگس ہونے کے ساتھ ساتھ سرمایہ دار طبقے کا کھیل ہے۔ جس میں ضمیر خریدے جاتے ہیں، آراء فروخت ہوتی ہیں اور غریبوں کا استحصال ہوتا ہے۔“

جمہوریت اک طرز حکومت ہے جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تو لا نہیں کرتے

نیز یہ کہ موجودہ طریق انتخاب میں اچھے اور برے، شریف اور رذیل، عالم اور جاہل، دانشور اور بے دانش، صالح اور طالح میں کوئی تمیز نہیں۔

عوامی مزاج کے مطابق الیکشن میں کامیابی کیلئے امیدوار کا دولت مند ہونے کے ساتھ ساتھ تھکانے کا ٹاؤٹ اور جھوٹے مقدمات میں ساتھ دینے والا ہونا ضروری ہے۔ ہمارے اکثر ممبران قومی و صوبائی اسمبلی پر انمیری فیل ہوتے ہیں جو اسلام کی اجد سے بھی واقف نہیں ہوتے اور اپنے صحیح دستخط کرنے کے بھی اہل نہیں ہوتے۔

ستم بالائے ستم ہے کہ

اسلامی نظریاتی کونسل میں شامل ممتاز اہل علم اور ماہرین قانون اسلامی کے متفقہ اسلامی، دستوری مسودات اور معاشی و تعلیمی اصلاحات کی فائلیں، ان پر انمیری فیل ممبران اسمبلی کے سامنے منظوری کیلئے پیش کی جاتی ہیں، جو ان مسودات کی عبارات سمجھنے سے بھی قاصر ہوتے ہیں۔ (فیاللعجب)

مختلف طبقات کے لئے نشستیں

اس سلسلے میں ہماری رائے یہ ہے۔ کہ موجودہ طریق انتخاب کو یکسر بدل دیا جائے اور معاشرے کے مختلف طبقات کی نمائندگی و قیادت کرنے والے اہل علم و فن اور اصحاب سیاست و بصیرت کے استحقاق و استعداد کی بنیاد پر قومی اور صوبائی اسمبلی کی نشستیں مخصوص کی جائیں مثلاً چند فیصد نشستیں علماء و مشائخ کے لئے چند فیصد وکلاء اور



انجینیرز کے لئے کچھ اقتصادی ماہرین اور مزدوروں و صنعت کاروں کے لئے تاکہ اسمبلی اسم باسمنی بنے اور ہر شعبے کو بھرپور نمائندگی ملے اور معاشرے میں ہمہ پہلو علمی، عملی، فکری اور سیاسی انقلاب رونما ہو سکے۔

بہر حال ملک عزیز پاکستان کی بقا و ارتقاء کا راز، اسلامی نظام کے مکمل نفاذ میں مضمر ہے اور موجودہ حالات میں یہ کام علمی، عملی، فکری، تعلیمی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی انقلاب کے بغیر ممکن نہیں۔

ضرورت کسی ایک شعبے میں اصلاح کی نہیں بلکہ پورے معاشرے کو یکسر بدل دینے کی ضرورت ہے۔

ہماری دیانتدارانہ رائے میں پاکستان ابھی تک حقیقی پاکستان نہیں بن سکا۔ آپ نے نافذ شدہ قوانین کے متعلق فرمایا کہ کنوئیں سے پانی تو نکالا جا رہا ہے، مگر کتا ابھی اندر ہی ہے۔ پہلے فرنگی نظام یہاں سے نکالو پھر شرعی قوانین نافذ کرو۔

ہم بدلنا چاہتے ہیں، نظم میخانہ تمام

آپ نے بدلا ہے لیکن صرف میخانے کا نام

ہمارا نعرہ..... انقلاب

ہمارا مشن..... انقلاب

ہماری دعوت..... انقلاب

یہی ”عالمی ادارہ تنظیم الاسلام“ کا پہلا اور آخری پیغام ہے۔

ع شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات



فضائل و برکات شب برأت

ماہ شعبان المعظم کا مختصر تعارف

اہل اسلام کے نزدیک سال کے بارہ مہینے ہیں۔ جن میں آٹھواں مہینہ شعبان المعظم ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ شعبان تشعب یعنی تفرق سے ماخوذ ہے چونکہ اس مہینہ میں لوگوں کے لیے خیر کثیر متفرق ہوتی ہے، بندوں کے لیے رزق روزہ داروں کے لیے خیر کثیر اور ہر ایک کے لیے ہر حکمت والا کام تقسیم کیا جاتا ہے اس لیے اس ماہ کو شعبان کہتے ہیں۔

شعبان کی تیسری تاریخ کو سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت ہوئی، چوتھی تاریخ کو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ متولد ہوئے، پندرہویں تاریخ کو لیلہ مبارکہ یعنی شب برأت ہے اور سولہویں تاریخ کو مسجد اقصیٰ سے خانہ کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم نازل ہوا۔ (عجائب مخلوقات)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”شعبان شہری و رمضان شہر اللہ“ (دیلی)

یعنی شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان اللہ کا مہینہ ہے۔

محبوب سبحانی، غوث صمدانی، شہباز لامکانی، حضرت شیخ السید عبدالقادر الجیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شعبان میں پانچ حروف ہیں۔ شین، عین، با، الف، نون۔ ش سے مراد شرف۔ ع سے مراد علو (بلندی)۔ با سے مراد بوار (بھلائی)۔ الف سے مراد الفت (محبت)۔ اور نون سے مراد نور (روشنی) ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ

ماہ شعبان میں اپنے بندوں کو یہ پانچوں چیزیں عطا فرماتا ہے۔ نیز فرمایا چونکہ یہ مہینہ حضور پر نور شافع یوم النشور علیہ افضل الصلوٰات والتسلیمات کا محبوب ہے اس لیے اس ماہ میں (عموماً اور شب برأت میں خصوصاً) کثرت سے درود شریف پڑھنا چاہیے تاکہ اس ماہ کی فضیلت اور درود پاک کی برکت سے بارگاہ الہی میں قرب خاص حاصل ہو جائے۔ ”فہو المراد“ (غنیۃ الطالبین)

ایک ایمان افروز روایت

روض الافکار میں ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ایک پہاڑ پر تشریف لے گئے وہاں ایک خوبصورت اور سفید رنگ کا پتھر دیکھا تو آپ کو بے حد پسند آیا۔ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ اے عیسیٰ (علیہ السلام)! کیا میں تجھ کو اس سے زیادہ عجیب چیز نہ دکھاؤں؟..... آپ نے عرض کیا بیشک ضرور۔ اتنے میں وہ پتھر پھٹ گیا اور اس کے اندر ایک نورانی صورت بزرگ نظر آئے جن کے ہاتھ میں سبز رنگ کا عصا تھا۔ وہاں ایک انگور کا درخت بھی موجود تھا اور وہ بزرگ انگور تناول فرما رہے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس بزرگ سے پوچھا کہ تم کو یہاں عبادت کرتے ہوئے کتنا عرصہ گزرا ہے؟..... اس نے کہا میں یہاں چار سو سال سے مصروف عبادت ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سن کر متعجب ہوئے اور بارگاہ الہی میں عرض کی کہ اے رب کریم! میرے خیال میں تو نے اس شخص سے افضل مخلوق پیدا نہیں کی ہوگی؟..... بارگاہ الہی سے جواب آیا کہ اے عیسیٰ! میرے محبوب آخر الزمان ﷺ کی امت میں سے جو شخص شعبان کی پندرہویں رات کو صرف دو رکعت نفل ادا کرے گا، اس کا ثواب اس بزرگ کی چار سو سالہ عبادت سے کہیں زیادہ ہوگا۔

فرمان خداوندی سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ کاش! میں بھی حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی امت میں ہوتا۔ (زبدۃ المجالس)

شب برات کے اشغال و اعمال اور اوراد و اذکار کا اجمالی بیان

قرآن مجید کی رو سے اللہ تعالیٰ کی ذات قادر مطلق اور مدبر الامور ہے۔ یہ کارخانہ بستی اسی ذات کے نظام قضا و قدر کے تحت قائم ہے۔ ساری کائنات اس کے مقرر کردہ نظام قدرت سے وابستہ ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ”وَمَا نَزَّلَهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُومٍ“ (الحجر، ۲۱) یعنی ہم دنیا کی ہر چیز کو ایک مقرر اندازے کے مطابق اتارتے ہیں۔

اس مقرر اندازے اور تقسیم کے لیے قدرت نے ایک خاص وقت معین کر رکھا ہے۔ یہ وقت مقررہ صرف ایک ہی شب ہے جس کو لیلۃ المبارکہ یا شب برات کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

قرآن مجید کی سورۃ دخان کی ابتدائی آیات اسی رات کی فضیلت میں نازل ہوئی ہیں۔
حَمْدٌ ۝ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۝ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَارَكَةٍ ۝ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ ۝ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ۝

ترجمہ: قسم اس روشن کتاب کی بے شک ہم نے اس کو برکت والی رات میں نازل کیا ہے۔ تحقیق ہم ڈر سنانے والے ہیں۔ اس میں ہر حکمت والا کام تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ وہ مبارک رات ماہ شعبان کے وسط میں ہے۔

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ شب برات کو لیلۃ المبارکہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس رات میں لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی برکتوں اور رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔

اسی طرح تابعین اہل شام، خالد بن معدان، مکحول، لقمان بن عامر رحمہم اللہ نے بھی لیلۃ المبارکہ سے نصف شعبان کی رات مراد لی ہے اور اس میں عبادات کا

التزام مستحب قرار دیا ہے۔ چنانچہ تفسیر قرطبی، کشاف زمخشیری، بیضاوی اور الفتوحات الہیہ شرح جلالین میں لکھا ہے کہ اس مبارک رات کے چار نام ہیں لیلة المبارکہ (مبارک رات) لیلة البرات (مغفرت و نجات والی رات) لیلة الصک (مقسوم اور بخت کی رات) لیلة الرحمة (رحمت کی رات)

..... امام ابو بکر طروش رحمة اللہ علیہ اپنی ”کتاب البدع“ میں لکھتے ہیں کہ نصف شعبان کی رات کا اجر لیلة القدر کے اجر کے برابر ہے۔

..... الحافظ ابن رجب اپنی کتاب ”لطائف المعارف“ میں لکھتے ہیں کہ علماء و اولیائے شام نصف شعبان کی رات کی بہت تعظیم کرتے اور اس میں بہت زیادہ عبادت و مجاہدہ کیا کرتے تھے۔ اہل شام سے اہل بصرہ نے شب برأت کی تعظیم کا سبق سیکھا ہے۔ لہذا اس رات مساجد میں اذکار و عبادت کے لیے جمع ہونا، قیام کرنا مستحسن ہے اور اسے بدعت کہنا سراسر نا انصافی ہے۔ کمانقل الکرمانی (رسالہ الجمعة الاسلامیہ ص ۵ المدینہ المنورہ)

محدث بیہقی نے (شعب الایمان ۳/۳۸۴ میں) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک طویل روایت بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک رات سرور عالم ﷺ حجرہ سے نکلے۔ سیدہ پاک نے گمان کیا کہ شاید آپ کسی اور ام المؤمنین کے حجرہ مبارکہ کو رشک جنت بنانے تشریف لے گئے ہیں۔ اس لیے آپ کی جستجو میں نکلیں۔ کیا دیکھتی ہیں کہ غمگسار امت آقا مسلمانوں کے قبرستان (جنت البقیع) میں مومن مردوں عورتوں اور شہداء کے لیے نہایت آہ و زاری کے ساتھ دعائے مغفرت فرما رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر آپ واپس لوٹ آئیں۔ جب آقائے نامدار ﷺ واپس تشریف لائے تو سیدہ کے استفسار پر آپ نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام نے مجھے آ کر کہا کہ آج نصف شعبان کی رات ہے جس میں قبیلہ بنو کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد کے برابر جہنم سے آپ کی امت کے لوگ آزاد کئے جاتے ہیں اور بخشش و



رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں مگر مشرک، کینہ پرور، قاطع رحم، (تکبر سے) کپڑے لٹکانے والے، جادوگر، والدین کے نافرمان، شرابی، زانی، سود خور کو بخشا نہیں جاتا اور نہ ہی آج کی رات اللہ تعالیٰ ان پر نظر رحمت فرماتا ہے۔ اس کے بعد سرور کائنات ﷺ نوافل میں مشغول ہو گئے۔ آپ نے اتنا طویل سجدہ کیا۔ سیدہ فرماتی ہیں کہ مجھے وہم گزرا کہ شاید آپ کی روح قبض کر لی گئی ہے۔ جب قریب جا کر تلوے کو ہاتھ لگایا تو آپ کی حرکت سے سکون نصیب ہوا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو تمام رات قیام و قعود کی حالت میں پایا یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ آپ کے پاؤں مبارک متورم ہو گئے تھے اور میں ان پر پھونک مارتی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ کیا تجھے معلوم ہے یہ رات کیسی ہے؟ اس رات میں آئندہ سال کی پیدائش و اموات لکھی جاتی ہیں، بندوں کے رزق کی تقسیم کی جاتی ہے، انسانوں کے اعمال آسمانوں پر اٹھائے جاتے ہیں اور ہر ایک کی قسمت کے فیصلے اسی شب کو ہوتے ہیں۔

..... حضور ﷺ نے فرمایا جس نے شعبان کی راتوں کو زندہ رکھا اس کا دل کبھی نہ مرے گا۔ زندہ رکھنے سے یہ مطلب ہے کہ رات کو جاگے اور قیام و ذکر خدا میں وہ رات گزارے۔ اس رات میں فیصلہ کیا جاتا ہے کہ کتنے لوگ اس سال مریں گے اور کتنے مریض شفا یاب ہوں گے۔ کتنے لڑکے یتیم ہوں گے اور کتنے ماں باپ اپنی اولاد سے جدا ہوں گے۔

..... حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سید عالم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نصف شعبان کی رات کو اللہ تعالیٰ تمام مخلوق پر نظر رحمت و مغفرت فرماتا ہے سوائے مشرک اور اس شخص کے جو مسلمانوں کو آپس میں لڑاتا ہے (ذاتی یا سیاسی جھوٹے پراپیگنڈے کرنے والے بھی اسی ضمن میں آتے ہیں) (طبرانی وابن حبان)

..... حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ حضرت سید دو عالم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا: ”اذا كانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها وصوموا نهارها“ یعنی نصف شعبان کی رات کو جاگو اور دن کو روزہ رکھو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس دن غروب آفتاب سے ہی آسمان دنیا پر نزول اجلال فرما کر اعلان فرماتا ہے:

”الا من مستغفر لي فاغفر له الا من مسترزق فارزقه“

ترجمہ: ہے کوئی بخشش مانگنے والا کہ میں اس کو بخش دوں ہے کوئی رزق چاہنے والا کہ اسے عطا کر دوں۔؟ (ابن ماجہ ص ۱۰۰ و مشکوٰۃ ص ۱۱۵)

..... ”عن ام سلمة رضي الله عنها قالت ما رایت النبی ﷺ يصوم شهرين متتابعين الا شعبان ورمضان“ (ترمذی ۱/۹۲)

ترجمہ: حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی پاک صاحب لولاک ﷺ کو دیکھا کہ آپ لگاتار دو مہینے روزے نہیں رکھتے مگر شعبان اور رمضان میں۔

..... ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص شعبان کی پہلی اور آخری جمعرات کو روزہ رکھے گا اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے کہ اس کو جنت میں داخل کرے۔

..... حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ شعبان میں زیادہ روزے کیوں رکھتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا یہ وہ مبارک اور سعید مہینہ ہے جس کی عظمتوں سے لوگ ناواقف ہیں۔ اس ماہ میں بندوں کے اعمال بارگاہ خداوندی میں پیش کئے جاتے ہیں اور میں مناسب سمجھتا ہوں کہ میرے اعمال جس وقت بارگاہ خداوندی میں پیش ہوں تو میں روزہ دار ہوں۔ نیز فرمایا کہ شعبان کی پندرہویں رات کو اللہ تعالیٰ مومنوں کے لیے اپنی رحمت کے تین سو دروازے کھول دیتا ہے۔ (ترمذی، الجالس، رقة الناجحین)

زیارت قبور و ایصال ثواب

اس رات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قبرستان تشریف لے جانا اور دعا فرمانا احادیث مبارکہ سے ظاہر و ثابت ہے لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ اس رات قبرستان میں جائیں اور رات کے سناٹے میں شہر خموشاں کے مکینوں اور اپنے آباؤ اجداد و دیگر متوسلین کی مغفرت کے لیے رورود دعائیں مانگیں، مقابر کے قریب بیٹھ کر سورۃ یسین کی تلاوت کریں نیز اپنے لئے بھی اور اپنے اموات کے لیے ختم و ایصال ثواب و دعائے مغفرت کا خصوصی اہتمام کریں۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس رات مسلمان اموات کی ارواح اپنے گھروں کی طرف رجوع کرتی ہیں اور اپنے گھر والوں سے کہتی ہیں ”هَلْ مِنْ أَحَدٍ يَذْكُرُنَا هَلْ مِنْ أَحَدٍ يَتَرَحَّمُ عَلَيْنَا هَلْ مِنْ أَحَدٍ يَذْكُرُ غُرْبَتَنَا“ (خزینۃ الروایات)

یعنی ہے کوئی جو ہمیں یاد کرے، ہے کوئی جو ہم پر رحم کھائے، ہے کوئی جو آج ہماری غربت کو یاد کرے۔؟

شب برأت کے نوافل اور دعائیں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ سے روایت کرتے ہیں جو شخص شعبان کی پندرہویں رات کو ایک سو رکعت نفل پڑھے اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ (الحمد شریف) اور سورۃ اخلاص (قل ہو اللہ) پانچ پانچ بار پڑھے تو اللہ تعالیٰ پانچ ہزار فرشتے آسمان سے نازل فرماتا ہے جن میں سے ہر فرشتے کے ساتھ ایک نورانی دفتر ہوتا ہے اور وہ فرشتے قیامت تک اس شخص کے اس رات میں پڑھے گئے ان نوافل کا ثواب لکھتے رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں بعض کتابوں میں مختلف تراکیب

سے نوافل منقول ہیں مثلاً

بلرہ رکعت نوافل: ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ ایک بار اور سورۃ اخلاص (قل هو اللہ) دس بار۔

ایک سو رکعت نوافل: ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ ایک بار سورۃ اخلاص دس بار

ایک سو رکعت نوافل: ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ و سورۃ اخلاص گیارہ گیارہ بار

دو رکعت نفل: ہر رکعت میں بعد سورۃ فاتحہ کے آیت الکرسی ایک بار سورۃ اخلاص

پندرہ بار۔ سلام کے بعد سورۃ یسین تین بار پڑھنے والا موت سے پہلے جنت میں اپنا گھر دیکھ لے گا۔

آٹھ رکعت نوافل ایک ہی سلام کے ساتھ: ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ ایک مرتبہ سورۃ اخلاص گیارہ مرتبہ۔ ہر دو رکعتوں پر پوری التحیات کے بعد اٹھ کر ثناء (سبحانک اللہم) پڑھے ان نوافل کو ادا کر کے حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کو ایصال ثواب کرنے والا قیامت کے دن آپ کی خصوصی شفاعت کا مستحق ہوگا۔

صلوۃ التسبیح

صلوۃ التسبیح ادا فرما کر بھی آپ اس رات کی بے پناہ برکتوں اور رحمتوں سے مالا مال ہو سکتے ہیں۔

چھ رکعت نوافل: نماز مغرب کے فوراً بعد دو رکعت نماز نفل عمر میں برکت کی نیت سے ادا کریں۔ سلام کے بعد اول آخر درود شریف ۳ بار سورۃ یسین ایک بار سورۃ اخلاص ۲۱ بار پڑھ کر مندرجہ ذیل دعا پورے خشوع و خضوع سے پڑھیں۔

○ اس کے بعد ۲ رکعت نماز نفل دفع مصائب کی نیت سے ادا کریں اور اول آخر تین تین بار درود شریف، سورۃ یسین ایک بار، سورۃ اخلاص ۲۱ بار اور مندرجہ ذیل دعا بخسور قلب پڑھیں۔

○ تیسری دفعہ دو رکعت نماز نفل مخلوق کا محتاج نہ ہونے کی نیت سے پڑھیں



اور اول آخر تین تین بار درود شریف 'سورة یسین' ایک بار 'سورة اخلاص' ۲۱ بار پڑھ کر دعائے مذکورہ خشیت کاملہ کے ساتھ پڑھیں اور الحاج وزاری کے ساتھ اپنے دینی و دنیاوی ظاہری و باطنی مقاصد خیر کے لیے حبیب خدا 'سرور کائنات ﷺ' کے توسل سے بارگاہ ایزدی میں دعا مانگیں دعایہ ہے۔

”اللَّهُمَّ يَا ذَا الْمَنِّ وَلَا يَمُنُّ عَلَيْهِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ يَا ذَا الطُّوْلِ
وَالْإِنْعَامِ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ ظَهَرَ الْأَلَا جِئْنَ وَجَارَ الْمُسْتَجِيرِينَ وَأَمَانَ
الْخَائِفِينَ اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ كَتَبْتَنِي عِنْدَكَ فِي أُمِّ الْكِتَابِ شَقِيًّا
أَوْ مُحْرُومًا أَوْ مَطْرُودًا أَوْ مُقْتَرًّا عَلَيَّ فِي الرِّزْقِ فَامْحَ اللَّهُمَّ بِفَضْلِكَ
شَقَاوَتِي وَحَرْمَانِي وَطَرْدِي وَاقْتِتَارِ رِزْقِي وَاثْبُتْنِي عِنْدَكَ فِي أُمِّ
الْكِتَابِ سَعِيدًا مَرْزُوقًا مُوَفَّقًا لِلْخَيْرَاتِ فَإِنَّكَ وَقَوْلُكَ الْحَقُّ فِي
كِتَابِكَ الْمُنَزَّلِ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّكَ الْمُرْسَلِ يَمُحُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ
وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ اللَّهُمَّ بِالتَّجَلِّي الْأَعْظَمِ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَهْرِ
شَعْبَانَ الْمُكْرَمِ الَّتِي يُفْرَقُ فِيهَا كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ وَيُزْمُ أَنْ تَكْشِفَ عَنَّا مِنْ
الْبَلَاءِ وَالْبَلَوَاءِ مَا نَعْلَمُ وَمَا لَا نَعْلَمُ وَمَا أَنْتَ بِهِ مِنَّا أَعْلَمُ إِنَّكَ أَنْتَ
الْأَعَزُّ الْأَكْرَمُ وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ
وَسَلَّمَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرور عالم ﷺ اس رات سجدہ میں بار بار یہ دعا پڑھتے تھے۔

”أَعُوذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ وَأَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَ
أَعُوذُ بِكَ مِنْكَ جَلَّ وَجْهُكَ لَا أَحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ
عَلَى نَفْسِكَ“

ترجمہ: اے اللہ میں تیرے عفو کی پناہ لیتا ہوں تیرے عذاب سے اور تیری رضا کی پناہ لیتا ہوں تیری ناراضگی سے اور تیری پناہ لیتا ہوں تجھ سے۔ بزرگ ہے ذات تیری جیسی تو نے اپنی ثناء کی ہے میں ایسی تیری ثناء نہیں کر سکتا۔

دعا البراءة

یہ دعا نہایت الحاح و زاری و اشکباری کے ساتھ کثرت سے مانگیں انتہائی مجرب ہے
 ”اللهم ان كنت كتبت اسمي شقيا في ديوان الاشقياء فامحه
 واكتبني في ديوان السعداء وان كنت كتبت اسمي سعيدا في ديوان
 السعداء فاثبتہ فانك قلت في كتاب كريم يمحو الله ما يشاء
 ويثبت وعنده ام الكتاب (درۃ الناصحين)

مذکورہ نوافل اور دعاؤں کے علاوہ درود شریف کی کثرت حضور اکرم ﷺ کے قرب روحانی اور فیضان باطنی کے حصول کا کامل ذریعہ ہے۔ اگر نوافل کی ترکیب اور دعاؤں کی ترتیب یاد نہ ہو تب بھی جس قدر نوافل اور دعائیں پڑھ سکتے ہوں غنیمت باعزیمت ہے۔

ضروری و قابل توجہ باتیں

اس رات ان گناہوں سے خصوصاً پہلے توبہ کر لینی چاہیے جن کی نحوست سے ایسے وسعتِ رحمت کے موقعہ پر ایک بد بخت محروم و بے نصیب رہتا ہے۔ توحید و رسالت کو اخلاص سے مانا جائے، ہر قسم کے گناہوں خصوصاً شراب نوشی، جوا بازی، زنا و الدین کی نافرمانی، قطع رحمی، غیبت، چغلی، سودی کاروبار، تکبر و غرور سے خالص توبہ کر لینی چاہیے۔ مسلمانوں کی آپس میں جو مخالفتیں اور زنجشیں ہیں انہیں ختم کر دینا چاہیے، جن کی بول چال بند ہے وہ ایک دوسرے کو راضی کر لیں۔ نصف شعبان سے قبل اپنے رشتہ داروں، ہمسایوں خصوصاً بزرگوں اور دیگر عامۃ المسلمین سے نہایت خوش خلقی اور محبت سے ملاقات

کی جائے۔ بعض مسلمان ایک دوسرے کے گھر جا کر عید کی طرح ملاقات کرتے، ناراض دوستوں کو راضی کرتے اور غفو تقصیرات کراتے ہیں۔ اگر جذبہ اخوت اسلامی کے تحت اسے صحیح طور پر اپنایا جائے تو بہت اچھا رواج ہے۔

آتش بازی

مذہبی نقطہ نظر سے شبِ برأت کی کل کائنات مذکور ہو چکی ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ افراد جو سال کے بعد ایک رات اپنے نفس کی اصلاح اور احتساب کے لیے صرف کریں۔

شبِ برأت کا اصل مقصد رات کی عبادت اور دن کا روزہ ہے۔ یہ روحانی نشوونما کے لیے ہے نہ کہ شیطانی و نفسانی خواہشات کے لیے۔

بہر حال اس سلسلے میں اعتدال کی راہ یہ ہے کہ اس رات کی ان تمام رسوم کو ترک کر دیں جو اسراف و تبذیر کے زمرے میں آتی ہیں اور اس مبارک رات کی مقصدیت کے برعکس ہیں۔

جہاں تک آتش بازی کا تعلق ہے یہ زرتشتی رسوم سے ہے جو ایرانی پارسیوں میں رائج تھی۔ جب ایران حلقہ بگوش اسلام ہوا تو یہ رسم ان میں باقی رہی جو بعد میں ہندو پاک میں بھی پھیل گئی۔

آتش بازی فضول خرچی بھی ہے اور خلاف شریعت بھی۔ اس لعنت سے خود بھی بچیں اور بچوں کو بھی بچائیں۔ کتنی تعجب کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رات کو آسمانوں سے رحمت کے پھول برساتا ہے اور بد نصیب لوگ آسمانوں کی طرف آگ کے انگارے اور شعلے پھینکتے ہیں۔

کیا ہی اچھا ہو کہ مسلمان ایسے مبارک اوقات میں صدقہ و خیرات کریں اور غریبوں مسکینوں کی خبر گیری کریں اور ہر قسم کے منکرات سے پرہیز کریں۔

اللہم ارزقنا ایہا

سفر حرمین

سفر میں انسان کو دو طرح کی کیفیات پیش آتی ہیں۔ ایک کیفیت کا تعلق حواس ظاہری سے ہوتا ہے، اور دوسری کا حواس باطنی سے۔ انسان کا ظاہر، سفر کی ظاہری کیفیت سے متاثر ہوتا ہے اور باطن، باطنی کیفیت سے بہرہ ور۔ سردی گرمی دھوپ اور سایہ جسم کو متاثر کرتے ہیں اور جذبات و احساسات، قلب و روح پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ احساس میں گرمی ہو تو موسم کی خنکی بھی محسوس نہیں ہوتی، دل ہی بجھ گیا ہو تو موسم کی خوشگوار بھی سکون نہیں دیتی۔ مسافر کو منزل سے جس قدر شغف ہوگا، جذبات بھی اسی نسبت سے جواں ہوں گے۔ جذبات کا سارا رنگ روپ، احساسات کی ساری دوڑ دھوپ، منزل کا فیضان کہلاتا ہے۔ تڑپ اور جذبہ، ذوق اور شوق، سوز اور ساز۔ یہ سب منزل کے عطیات ہیں اور اسی کے قاصد و پیامبر۔ سفر میں لذت و کیفیت کا حاصل ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ منزل اور مسافر دونوں میں گہرا ربط و ضبط موجود ہے۔ یہ آگاہی اور شناسائی ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔ محض منزل کی خبر پا کر اسیر عقل ہو کر رخت سفر باندھنا اور ہے لیکن حسن منزل کے شوق میں اسیر جمال ہو کر جادہ پیا ہونا کچھ عجیب کیفیت و لذت رکھتا ہے۔ جس کا مقصود حیات، جمال یار کے سوا کچھ نہ ہو، ایسے مسافر کو جمال ملتا ہے، وصال ملتا ہے، دید اور عید کی نعمتیں عطا ہوتی ہیں۔

حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ، کعبۃ اللہ کے حج و طواف کے لئے پہلی بار حاضر ہوئے تو فرمایا میں نے صرف پتھروں کا مکان دیکھا

ہے۔ دوسری مرتبہ حاضری کے شرف سے مشرف ہوئے تو فرمایا میں نے صرف کعبہ ہی دیکھا ہے۔ تیسری بار حسن منزل بے پردہ ہو کر آشکارا ہوا تو آپ بے ساختہ پکار اٹھے اب میں نے کعبہ والا بھی دیکھ لیا ہے (والحمد للہ علی ذالک)

منزل کے لئے جو سفر اختیار کیا جاتا ہے، آغاز سفر کے ساتھ ہی مسافر کے دل پر منزل کے پرتو پڑنے لگتے ہیں۔ منزل حسین ہو تو دل ابتداء ہی میں نوری اور حضوری کی کیفیات کو محسوس کرنے لگتا ہے۔ منزل ظلمانی ہو تو اس کی ظلمانی کیفیات بھی دل سے دور نہیں رہتیں۔ یہ کیفیت منزل کی مخبر بھی ہوتی ہے اور راہنما بھی!

روشنی پروانے کو شمع کی طرف پہنچانے کا ذریعہ ہی نہیں بنتی بلکہ شمع کے جمال کی لذتیں بھی عطا کرتی ہے۔ منزل پر پہنچ کر، شمع کے جمال سے متکلیف ہونے کے بعد پروانے کے جس رقص کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اس کی کیفیات، سفر کے دوران پروان چڑھتی ہیں۔ سفر ہی میں جذبات کو مہمیز، احساسات کو تمیز، امنگوں کو عروج اور ارمانوں کو نئی زندگی حاصل ہوتی ہے۔ سفر اور منزل کے مابین ایک گہرا ربط ہے۔ دونوں کی کیفیات میں بہت ہی قریبی رشتہ ہے۔ اگر ایک ابتدا ہے تو دوسری انتہا، ایک آغاز ہے تو دوسرا انجام، ایک اجمال ہے تو دوسری تفصیل، ایک عشق ہے تو دوسرا حسن، ایک طالب ہے تو دوسرا مطلوب، ایک قاصد ہے تو دوسرا مقصود۔ عازم حرمین طیبین کا سفر اس لئے پر کیف اور نشاط آمیز ہوتا ہے کہ اس کا دل منزل کے انوار و برکات سے معمور و مخمور ہوتا ہے۔ جمال محبوب کے پرتو اس کے قلب و روح کو محیط ہوتے ہیں جو اسے شکستہ خاطر اور مغموم نہیں ہونے دیتے۔

حرمین کا سفر تو اپنے مسافر کو ہر لمحہ تازہ و لولہ، ہر قدم نیاز و ذوق، اور ہر آن نئی جان دیتا ہے۔ جس خوش نصیب مسافر کی منزل مکہ اور مدینہ ہو، اس رہرو شوق کو ہمارا سلام ہو!



مکہ..... بیت الحرام کا شہر، مسجد حرام کا شہر، رکن و مقام کا شہر، طواف و استیلام کا شہر
 مکہ..... نزول قرآن کا شہر، حصول عرفان کا شہر، بیعت الرضوان کا شہر، ہر اک
 مسلمان کا شہر

مکہ..... جس کے وسط میں خانہ کعبہ ہے..... جہاں آخری پیغمبر کی آخری حجت
 قائم ہوئی..... جہاں لیل و نہار کی گردشیں تعظیماً ٹھہرتی ہیں..... جہاں افلاک کی
 بلندیاں احتراماً جھکتی ہیں..... جہاں عبادت و تلاوت کے چراغ ہر وقت روشن رہتے
 ہیں..... جہاں ذکر و فکر کی بستیاں آباد رہتی ہیں..... جہاں تہذیب حجازی نے جنم
 لیا..... اور دنیا بھر کی مسجدیں اس کی بیٹیاں کہلائیں۔

سلام ہو اس مقدس سرزمین پر جہاں کاروان شوق ابد تک کے لئے رواں دواں ہیں۔
 اور مدینہ..... مدینۃ الرسول جو سید الانبیاء (ﷺ) کی آرام گاہ ہے.....
 جو شہروں کا شہنشاہ ہے..... جو مخلوق کی امید گاہ اور محتاجوں کی جائے پناہ ہے۔

مدینہ..... عاشقوں اور پروانوں کا شہر

مدینہ..... محبتوں اور ارمانوں کا شہر

مدینہ..... درودوں اور سلاموں کا شہر

مدینہ..... جس کی بنیادیں صبح قیامت تک قائم و دائم ہیں

مدینہ..... جہاں قرن ہا قرن سے درود و سلام کے موتی نچھاور ہو رہے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ مکہ مکہ ہے مگر مدینہ بھی تو مدینہ ہے..... رحمتوں کا خزانہ ہے

مہبط وحی و سکینہ ہے۔

جب سے ہوا ہے حاصل ہمیں عشق کا قرینہ

اک آنکھ میں مکہ اک آنکھ میں مدینہ

مکہ میں عرفات ہے..... مدینہ میں نجات ہے

مکہ میں منیٰ ہے..... مدینہ میں قبا ہے

مکہ میں مروہ اور صفا ہے مدینہ میں مروّت اور وفا ہے
 مکہ میں بی بی خدیجہ ہیں مدینہ میں بی بی فاطمہ ہیں
 مکہ میں رکن یمانی ہے مدینہ میں فضل ربانی ہے
 مکہ میں حجر اسود ہے مدینہ میں جبل احد ہے
 مکہ میں طواف و استیلام ہے مدینہ میں صلوٰۃ و سلام ہے
 مکہ میں آب زمزم ہے مدینہ میں آب کوثر ہے
 مکہ میں لبیک اللہم لبیک ہے مدینہ میں یا نبی سلام علیک ہے
 مکہ میں غار حرا ہے مدینہ میں گنبد خضریٰ ہے
 مکے اور مدینے کا مسافر، جب ان ملی جلی کیفیات کی لذتیں حاصل کرتا ہے
 اور دیدہ و دل کو فرش راہ کیے کعبہ کے یلم و در اور طیبہ کے شام و سحر سے شاد کام ہوتا ہے
 اور جب اس کی نگاہیں کعبۃ اللہ اور گنبد خضراء کے جلوؤں سے مستنیر ہوتی ہیں تو وہ بے
 ساختہ پکار اٹھتا ہے۔

بہ مکہ بنی از توحید نورے
 بہ طیبہ از رسول اللہ ظہورے
 گر اس دو شہر ایماں را ندیدی
 چہ دیدی گر دریں دنیا رسیدی

بچپن میں جب کسی خوش نصیب کو سفر حرمین کے لئے تیاری کرتے دیکھتا، یا
 کسی قافلہ حجاج کو منزل شوق کی طرف رواں دواں پاتا، تو بے ساختہ جذبات کے
 سمندر میں تلاطم آ جاتا، آنکھیں دیدہ حسرت بن کر اشک فشاں ہو جاتیں، جلال کعبہ
 اور جمال طیبہ نگاہوں میں رچ بس جاتا اور دل میں حسرت چٹکیاں لیتی اور خیال آتا
 کہ کبھی میں بھی اس قابل

ع نہ پلے زر، غریبی گھر، میں ہاں بے پر، اڑاں کیونکر؟
 اور پھر اپنے دل پر غم کو ان کی رحمت کے آسرے یوں تسلی دے لیتا۔
 بڑی امید ہے سرکار قدموں میں بلائیں گے
 کرم کی جب نظر ہوگی مدینے ہم بھی جائیں گے
 اور کبھی یہ دعاورد زباں رہتی

خدا یا غیب سے سامان کر دے
 مدینے کا مجھے مہمان کر دے
 اسی کشمکش میں دن گذر جاتے، راتیں بیت جاتیں، عشق کی چنگاریاں سینے
 میں سلگتی رہتیں، کیونکہ یہ عشق، بحمدہ تعالیٰ ازل سے فطرت میں ودیعت تھا۔ پھر اس
 ازلی درد و سوز کو شیخ کامل، مرشد برحق، حضرت خواجہ صوفی محمد علی نقشبندی مجددی علیہ
 الرحمہ کے انفاس قدسیہ نے جلا بخش دی تھی اور پاک سیرت اساتذہ کی تعلیم و صحبت اور
 پاک طینت والدین کی تربیت اس پر مستزاد۔ یہی فطری سوز ہی شریک جان رہتا اور
 زبان پر درد و سلام کے نغمے طاری اور آنکھوں میں محبت کے آنسو جاری رہتے۔
 محبت میں تیری ہم کو فقط دو کام آتے ہیں
 جو رونے سے کبھی فرصت ہوئی خاموش ہو جانا

آیا ہے بلا وا مجھے دربار نبی سے

آخر ۱۹۷۱ء کی ایک سہانی رات، شب برأت بن کر میرا نصیبہ جگانے لگی
 اور مقدر چمکانے لگی، کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان پہ پہلی رات کا چاند تاباں ہے اور
 معا بعد یہ منظر کہ روضہ نبوی (علی صاحبہا الصلوٰات والتسلیمات) کے ارد گرد شمعیں
 فروزاں ہیں، لامحدود روشنیوں کا سماں اور یہ خوش نصیب (گنہ گار) بارگاہ رسالت
 (علی صاحبہا الصلوٰات) میں حاضر ہے اور درد و سلام کے گلہ سے پیش کر رہا ہے۔



یہ نصیب اللہ اکبر! لوٹنے کی جائے ہے!
 ایک عالم دین کو یہ خواب سنائی تو فوراً بولے زیارت حرمین طہمین کے لئے
 بشارت ملی ہے مبارک ہو! چنانچہ بخت نے انگڑائی لی، مقدر اوج ثریا پر پہنچا، آتش
 شوق تیز ہوئی، غیب سے سامان ہوا، درخواست کو پذیرائی ملی اور اسی سال پہلی بار سفر
 حج کے لئے روانگی ہوئی۔

شکر خدا کہ آج گھڑی اس سفر کی ہے
 جس پر نثار جان فلاح و ظفر کی ہے!
 اہل شہر نے جس شوق و عقیدت سے الوداع کہا وہ ان کے خلوص و محبت
 کا عجب نمونہ تھا اور اس حقیقت کا آئینہ دار کہ۔

محمد کی وساطت ہے محبت میری تیری ہے
 محبت اصل ہے ان کی نہ میری ہے نہ تیری ہے
 گوجرانوالہ سے بذریعہ ریل کراچی پہنچا جو پاکستان کے راہ نور دان شوق کی
 پہلی منزل ہے۔

راہ شوق..... کراچی سے جدہ

انسان پر جب خدا کا کرم ہوتا ہے تو اسے نیکی کی توفیق ملتی ہے۔ توفیق..... انعام
 ہے، توفیق..... بلاوا ہے، توفیق..... پیغام ہے۔ پیغام بھیج کر بلانے کے بعد کریم رو نہیں کیا
 کرتے، بلکہ انتظار کرتے ہیں، دروازے کھولتے ہیں، نوازشات اور ثمرات عطا کرتے
 ہیں۔ کیونکہ ارشاد قرآنی ہے۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (النمل)

”کہ ہم اپنی طرف آئیوالوں کے لئے کئی راہیں کھول دیتے ہیں“۔ پھر ان

کے لئے منزل نہ صرف قریب ہو جاتی ہے بلکہ منزل خود استقبال کرنے آ جاتی ہے۔

اے جذب دل گر وہ چاہیں ہر چیز مقابل آ جائے

منزل کی طرف دو گام چلوں اور سامنے منزل آ جائے

صرف منزل ہی لذتوں اور کیفیتوں سے ہمکنار نہیں کرتی بلکہ جادے بھی کیف و سرور بخشتے ہیں۔ میخوار کو میخانہ میں پہنچ کر ہی لذت نہیں ملتی بلکہ میخانے کی طرف لے جانے والا راستہ بھی اسے لذت آشنا بنا دیتا ہے۔ محبوب کی راہیں کیفیتوں اور مسرتوں سے خالی نہیں ہو سکتیں، بلکہ محبوب سے تعلق رکھنے والا ہر جادہ، ہر نشان، ہر قدم اور ہر مقام لذتوں، نعمتوں اور کیفیتوں کا گہوارہ بن جاتا ہے۔ اس کی گفتار میں مستی اور رفتار میں نشہء صہبا کی جلت رنگ معلوم ہوتی ہے۔

راہ کے موانعات و حوادث اس کے لئے مہمیز کا کام دیتے ہیں، صعوبتیں راحتوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں، کانٹے پھول بن جاتے ہیں، خار میں بہار اور نار میں گلزار کے مزے ملتے ہیں، وہ نوک خار مغیلاں سے آبلہ پائی کا درمان کرتے ہوئے یوں نغمہ سنخ نظر آتے ہیں۔

اے رہروان شوق یہاں سر کے بل چلو

طیبہ کے راستے میں تو ہر کانٹا بھی پھول ہے

کچھ ایسے ہی ملے جلے جذبات کا سیل رواں محیط قلب و جاں تھا اور یہ خوش نصیب منزل جانناں کی طرف کشاں کشاں رواں دواں تھا۔ دراصل محبوب کی بے پایاں عنایات رہبر راہ شوق تھیں ورنہ ایک بے زرا اور بے پر انسان یہ راستے طے کرنے کے لائق کہاں تھا؟

کسی کے ہاتھ نے مجھ کو سہارا دے دیا ورنہ

کہاں میں اور کہاں یہ راستے پیچیدہ پیچیدہ



جولائی ۱۹۷۶ء کی ایک سہانی صبح پیغام وصل لائی اور یہ آشفتم سر، کوئے
جاناں کی طرف کاسہ گدائی لئے روانہ ہوا۔ کراچی سے بذریعہ ہوائی جہاز جدہ تک کوئی
تقریباً چار گھنٹے کا سفر ہے۔

کراچی پاکستان کے رہروان شوق کی پہلی منزل ہے اور جدہ دنیا بھر کے رہ
نوردان ذوق کا آخری محل، جہاں عشق و محبت کے کارواں تازہ دم ہوتے اور لبیک
اللہم لبیک کی قلندرانہ صداؤں اور یانبی سلام علیک کی عاشقانہ نداؤں کے
ساتھ وجد و رقص کرتے ہوئے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی فضاؤں میں گم ہو جاتے ہیں۔

اللہم ارزقنا ایاہا

نوٹ: حضرت ابوالبلیان علیہ الرحمہ نے جب اس مبارک سفر نامے کا آغاز فرمایا تو انکا
ارادہ تھا کہ حرمین شریفین کی حاضری و زیارت کی ایک مبسوط اور دلکش تحریر منصفہ شہود پر
پر لائی جائے مگر آپ کی تبلیغی، جماعتی، جہادی، روحانی برق رفتار مصروفیات مسلسل
آڑے آتی رہیں اور یوں یہ مبارک سلسلہ آگے نہ بڑھ سکا۔ بالآخر آپ کا وصال
مبارک ہو گیا۔

حیف در چشم زدن کہ صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد



کسب معاش اور طلب حلال کی فضیلت

رسول اکرم نور مجسم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”عن المقدم بن معد یکر ب قال قال رسول الله ﷺ ما

اکل احد طعاما قط خيرا من ان یا کل من عمل یدیه وان نبی الله داؤد علیه السلام مکان یا کل عمل یدیه“ (رواہ البخاری) (مشکوٰۃ جلد دوم)

مقدم بن معد یکر ب سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی شخص نے کوئی کھانا اس سے بہتر نہیں کھایا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے کما کر کھائے اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے کما کر کھاتے تھے۔

اس حدیث میں سرور عالم ﷺ نے کسب معاش اور طلب حلال کی ترغیب اور فضیلت بیان فرمائی ہے اور اپنے ہاتھوں کی کمائی کو سب سے اچھا کھانا قرار دیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام بھی اپنے ہاتھوں سے روزی کما کر کھانا کھایا کرتے تھے چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام زرہ سازی کا کام کیا کرتے تھے۔

حضرت ادریس علیہ السلام خیاط (یعنی درزی پیشہ) تھے حضرت نوح علیہ السلام نجار (یعنی بڑھی) پیشہ تھے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بکریاں چرایا کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں (یعنی تمام انبیاء کرام محنت کر کے روزی کمایا کرتے تھے) صحابہ نے عرض کی ”کیا آپ نے بھی؟“ فرمایا ہاں میں نے بھی چند قیراط کے عوض مکہ والوں کی بکریاں چرائی ہیں۔



اسلام نے رزق حلال کے لئے کسب معاش کے جائز اور مناسب ذرائع اور وسائل اختیار کرنے پر خاصا زور دیا ہے اور حقیقت بھی ہے کہ انسان اگر اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو مخلوق سے بے نیاز رکھنے کے لیے کسب حلال سے ان کی کفالت کرے تو یہ اللہ کی راہ میں جہاد اور بہت سی عبادتوں سے افضل ہے۔

رسول مقبول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص سوال اور گداگری سے بچنے کے لئے یا اپنے عزیزوں اور ہمسایوں کے ساتھ بھلائی کرنے کے لیے حلال روزی کماتا ہے قیامت کے دن اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند سے زیادہ منور اور چمکتا ہوگا۔

ایک حدیث میں یوں فرمایا گیا کہ روزی کے دس حصے ہیں جن سے نو حصے صرف تجارت میں ہیں لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی کہ بیٹا کسب حلال نہ چھوڑنا کیونکہ جو شخص لوگوں کا محتاج ہو جاتا ہے اس کا دین تنگ عقل ضعیف اور مروت زائل ہو جاتی ہے لوگ اس کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے میں اپنی موت کو ایسی حالت میں زیادہ دوست رکھتا ہوں کہ اپنے اہل و عیال کے لیے بازار میں حلال روزی کماتا ہو امر جاؤں۔

روزی بہت طریقوں سے کمائی جاتی ہے۔ آمدنی کے ان گنت ذریعے ہوتے ہیں انسان کو آمدنی بڑھانے روزی کے وسائل میں اضافہ کرنے اور ناز و نعمت کی زندگی بسر کرنے کی بڑی حرص ہوتی ہے یہ حرص ناجائز نہیں جائز ہے غلط نہیں مستحسن ہے لیکن شرط یہ ہے کہ حد اعتدال سے باہر نہ نکلے وہ انگارے نہ کھائے خدا کا دیا ہوا رزق کھائے وہ آگ نہ چبائے خدا کی عطا کردہ نعمتیں تناول کرے جو کچھ کمائے وہ جائز اور صحیح ذریعہ سے کمائے چوری رشوت جعل سازی دھوکہ غبن اور جھوٹی قسموں کے ذریعے جو کچھ کماتا ہے وہ حلال نہیں حرام ہے اسلام کی نظر میں وہ آگ ہے جو آپ کھائے گا اس کا منہ جلے گا جو ہر کھائے گا وہ ضرور مرے گا ہو سکتا ہے فوراً نہ مرے کچھ دیر بعد مرے اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ آگ کی سوزش فوراً محسوس نہ ہو کچھ دیر بعد ہو

لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ ”محسوس نہ ہو“

سرور عالم ﷺ نے فرمایا جو شخص حرام ذریعے سے مال کماتا ہے اس میں برکت نہیں دی جاتی اسکا صدقہ قبول نہیں کیا جاتا اور اس کا کمایا ہوا مال اس کے لئے دوزخ کا ایندھن بنا دیا جاتا ہے۔ (کنز العمال) تجارت میں دیانت اور صداقت اسلام کا زریں اصول ہے خرید و فروخت میں قسمیں کھانا ایک مذموم فعل ہے قرآن پاک سورۃ آل عمران میں قسمیں کھا کر خرید و فروخت کی شدید مذمت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

”بے شک جو لوگ خدا کے عہد اور اپنی قسموں پر دنیا کا تھوڑا سا مال خریدتے ہیں آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں نہ اللہ ان سے بات کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا قیامت میں اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے“

ابن جریر میں ہے کہ یہ آیت ان تاجروں کے بارے میں نازل ہوئی جو جھوٹی قسمیں کھا کھا کر اپنا سامان بیچتے ہیں عموماً تاجر حضرات چیزوں کی قیمت اور مال کی اصل حقیقت بتانے میں ہیرا پھیری اور جھوٹ کے مرتکب ہوتے ہیں مال کی تعریف میں مبالغہ کرتے اور بے جا قسمیں کھاتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تاجروں کے لیے ”لا واللہ“ اور ”بلی اللہ“ کے الفاظ میں خرابی ہے یعنی خرید و فروخت میں قسمیں کھانا خرابی سے خالی نہیں ہے آپ نے فرمایا جھوٹی قسم مال بکوادیتی ہے لیکن نفع اور برکت گھٹا دیتی ہے حضرت قتادہ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا خرید و فروخت میں بہت قسمیں کھانے سے پرہیز کرو کیونکہ اس طرح پہلے کامیابی ہوتی ہے پھر بے برکتی ہو جاتی ہے جھوٹی قسم کھانا تو بہر حال گناہ کبیرہ ہے۔ اللہ کے نام کی سچی قسم بھی دنیاوی امور کے لئے بے ادبی سے خالی نہیں بے باکی کے ساتھ بلاوجہ قسمیں کھانا اسلامی شرافت کے خلاف اور ذلت و خواری و ندامت و شرمساری کے اسباب سے ہے۔

اسلام میں عورت کا مقام

فاران کی چوٹیوں سے آفتاب رسالت طلوع ہوا تو کائنات کے لئے آرائش آب و گل اور آسائش جان و دل کا سامان ہوا۔ خورشید رسالت کی جلوہ گری سے بزم عالم پر وہ بہار آئی۔ جس کی نسیم حیات پرور سے انسانیت کے مردہ جسم میں حیات ابدی کی لہر دوڑ گئی۔ ظلم و تعدی، وحشت و بربریت کا خاتمہ ہوا، دور جاہلیت کی انسانیت سوز باطل رسوم کا استحصال ہوا، زندگی کے ہر شعبے میں انقلاب آ گیا، اسلامی انقلاب، روحانی انقلاب، پر امن انقلاب، غرضیکہ بندے کا خدا سے رشتہ قائم ہو گیا، غلامی کی زنجیریں کٹ گئیں اور آزادی کی صبح نمودار ہوئی۔

رحمت عالم نور مجسم ﷺ نے جہاں انسانیت کے تمام شعبوں کی اصلاح فرمائی وہاں نسوانیت کو بھی ذلت و پستی کے گڑھوں سے نکال کر اس کو عزت و وقار کا دیدہ زیب تاج پہنا دیا اور طوفان زندگی کے سیلاب میں تھپیڑے کھانے والی صنف نازک کوماں، بیٹی، بہن اور بیوی کے مقدس رشتوں میں منسلک کر کے مردوں کی طرح ان کے حقوق و مفادات کو بھی ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔

کبھی الجنة تحت اقدام الامہات ”جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے“ کی نوید سنائی۔

کبھی حجۃ الوداع کے خطبہ کے موقع پر صراحت کے ساتھ مردوں کو آگاہ کیا

اتقوا اللہ فی النساء ”عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو“

..... کہیں ارشاد فرمایا: خیر متاع الدنيا المرأة الصالحة

”دنیا کی بہترین جنس اچھی اور نیک عورت ہے۔“

کہیں ازدواجی زندگی کے اعلیٰ معیار کا کھلے لفظوں میں یوں اعلان کیا:

خیر کم خیر کم لاهلہ وانا خیر کم لاهلی

”تم میں بہترین انسان وہ ہے جو اپنے اہل کے حق میں بہتر ہو اور میں اپنے

اہل کے حق میں بہتر ہوں۔“

فخر کو نین ﷺ نے بیوی کو زرخیز کنیر کی بجائے رفیقہ حیات کا مقام بخشا اور شمع محفل کی بجائے چراغ خانہ کے اعزاز سے نوازا۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ کسی بھی معاشرے کی تشکیل و تعمیر، عورت کی رہیں منت ہے۔ عورت ہی کی گود میں قوموں کی تقدیریں بنتی اور بگڑتی ہیں۔ اگر عورتیں، اسلامی تہذیب و تمدن کے زیور سے آراستہ ہو جائیں اور احکام خداوندی اور فرمان نبوی پر عمل کو حرز جاں بنالیں تو ہمارا بگڑا ہوا معاشرہ جنت کا نمونہ بن سکتا ہے۔

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ

اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

کاش! مسلمان عورتیں اپنے حقیقی مقام کو سمجھ سکیں اور اصلاح معاشرہ کے

سلسلے میں اپنا حقیقی کردار ادا کر سکیں۔

سچائی دی وڈیائی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین ۝

اسلام دے اندر اخلاقی خوبیاں وچوں سب نالوں وڈی خوبی داناں
سچائی اے سچائی اللہ تعالیٰ دیاں صفتاں وچوں وی اک وڈی صفت اے سورۃ نساء
دے وچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے :

”وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا“

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ نالوں گلاں وچہ زیادہ سچا کون اے

صدق تے سچائی پیغمبراں داسب توں پہلا وصف اے کیوں جے اونہا ندے
سارے دعوے تے دلیلاں سچائی دی وجہ دے نال ای قائم نیں ایسے ائی اللہ تعالیٰ نے
قرآن وچ جا بجا نبیاں نوں ایس صفت نال موصوف کر دیاں ہویاں ”صدیق تے
صادق الوعد“ آکھیا اے اسلام نے سچائی دی اہمیت انی ودھائی اے کہ صرف سچائی
اختیار کرن دا ای حکم نہیں دتا بلکہ سچیاں داساتھ دین دی وی تاکید کیتی اے ارشاد اے:

”و کونوا مع الصادقین“

ترجمہ: اے ایمان والیو! سچیاں دے نال رہیا کرو

قرآن مجید وچہ اللہ تعالیٰ نے سچیاں نال بخشش تے اجر عظیم دا وعدہ کیتا
اے تے جھوٹھیاں تے لعنت کیتی اے جیہڑا بندہ سچ بولن دا عادی ہو جاندا اے
اوہدے لئی نیک عمل کرناں تے گناہواں توں بچناں بڑا آسان ہو جاندا اے

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے تفسیر عزیزی وچ اک روایت نقل کیتی اے کہ اک بندہ سرکارِ دو عالم ﷺ دی خدمت وچ حاضر ہو یا تے عرض کیتی یا رسول اللہ ﷺ میرے وچ چار بریاں خلصتاں نیں اک ایہہ دے کہ میں بدکار آں، دو جی ایہہ کہ میں شراب پیناں تیجی ایہہ کہ میں چوری کرناں، چوتھی ایہہ کہ میں جھوٹ بولناں، اینہاں بریاں عادتوں وچوں میں اکوای بری عادت چھڈ سکناں ایہہ دسو میں تہاڈی خاطر کیہڑی بری عادت چھڈ دیواں آپ نے فرمان کیتا کہ جھوٹ نہ بولیا کر اس نے وعدہ کر لیا کہ میں آئندہ لئی کدی وی جھوٹ نہیں بولاں گا۔ جدوں رات پے گئی تے اوہنوں عادت یاد آن لگی شراب تے بدکاری دا ارادہ پکا بنا لیا او سے ویلے اوہنوں خیال آندا اے کہ صبح ویلے جدوں حضور ﷺ دی خدمت وچ حاضر ہوواں گا تے اوہناں پچھیا کہ رات نوں توں شراب پیتی تے بدکاری کیتی اے؟ میں اللہ دے نبی نوں کیہ جواب دیاں گا جے ہاں کیتی تے شرعی سزا پاواں گا جے آکھیاں میں تے عہد مٹے گا نالے چوٹھ ثابت ہووے گا ایہہ سوچ کے تے دوہاں گناہواں توں باز رہیا جدوں رات دا کجھ حصہ گزر گیا تے اوہدے دل وچ چوری کرن دا خیال پیدا ہو یا۔ تے پھر او سے خیال نے اوہنوں روک دتا کہ جے کل پچھ گچھ ہوئی تے کہیہ آکھاں گا اگر ہاں کیتی تے ہتھ کٹیا جائے گا جے نہ کیتی تے بد عہدی تے چوٹھ ہووے گا ایہہ خیال آوندیاں ای اوہ چوری دے جرم توں وی باز رہیا صبح ویلے دوز کے چھیتی نال بارگاہ نبوت ﷺ وچ حاضر ہو کے عرض کیتی یا رسول اللہ جھوٹ نہ بولن دی وجہ نال میریاں چارے بریاں خلصتاں چھٹ گئیاں نیں۔ اوہدی ایہہ گل سن کے تے اللہ دے نبی ﷺ نوں بڑی خوشی ہوئی تے اوہدے لئی دعا کیتی!

اس روایت توں سانوں ایہہ سبق ملدا اے کہ سچائی دی عادت انسان نوں

بہت ساریاں برائیاں توں بچا دیندی اے

سچا آدمی ایماندار و لیر تے دل دا صاف ہندا اے چوٹھا آدمی منافق، بزدل تے خوشامدی ہندا اے اوہدے قول و فعل تے لوکاں نوں اعتبار نہیں ہندا۔

اسلام وچ سچائی دا مفہوم صرف ایہہ ای نہیں کہ زبان نال گل سچی کیتی جائے بلکہ زبان نال نال عمل دی سچائی تے دل دی سچائی وی شامل اے۔

زبان دی سچائی ایہہ وے کہ انسان دے مونہہ وچوں اک حرف وی صداقت دے خلاف نہ نکلے وعدہ پورا کرناں تے قول و اقرار نوں نبھا ہناں زبان دی سچائی دا نشان اے۔

حدیث پاک وچہ آؤندا اے کہ اک شخص نے رسول عربی ﷺ دی خدمت وچ سوال پیش کیتا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا مسلمان نامراد ہو سکدا اے فرمایا ہو سکدا اے اوہنے پچھیا، بخیل وی ہو سکدا اے جو اب دتا ہو سکدا اے پھر دریافت کیتا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا مسلمان چوٹھا وی ہو سکدا اے فرمایا نہیں اک حدیث وچہ ارشاد اے کہ کسے وی بندے دا ایمان مکمل نہیں ہو سکدا جد تک اوہ چوٹھ نوں پوری طرح نہ چھڈ نہ دیوے ایتھوں تک کہ مذاق تے جھگڑے وچہ وی چوٹھ نہ بولے بھانویں اوہ حق تے ای کیوں نہ ہووے صحیح بخاری کتاب الایمان وچہ حدیث اے کہ منافق دیاں تن علامتاں نہیں پہلی، گفتگو کرن لگیاں چوٹھ بولے دوجی جدوں وعدہ کرے تے پورا نہ کرے تہی جدوں امین بنایا جاوے تے امانت وچہ خیانت کرے۔

دل دی سچائی داد و جاناں اخلاص اے زبان وچوں سچ دا ظہار وی کدی چوٹھ بن جاندا اے جدوں اوہ دل دی تہ وچوں نہ نکلے منافق لوگ حضور دی رسالت دا زبانی اقرار تے کرے سن لیکن اوہناں دا دل اس اقرار دے خلاف ہوندا اسی ایسے لئی اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

”واللہ یشہدان المنافقین لکذبون“



ترجمہ: اللہ گواہی دیندا اے کہ ایہہ منافق چوٹھے نیں۔

معلوم ہو یا کہ اصل سچائی ایہہ وے کہ زبان دل دی ترجمانی کرے، عمل دی سچائی ایہہ وے کہ بندے دانیک عمل اوہدے ضمیر دے مطابق ہووے یعنی اوہدا ظاہر تے باطن اک ہووے اوہدے عمل دا مقصود نمائش تے ریاکاری نہ ہووے بلکہ اللہ تعالیٰ دی رضا تے خوشنودی اوہدے پیش نظر ہووے زبان تے دل دی سچائی دے نال نال عمل دی سچائی وی بے حد ضروری اے، جہاندا عمل دلی کیفیت دا سچا ترجمان ہووے قرآن اوہناں نوں صدیق دے لقب نال یاد کردا اے تے صدیق اوہ ہندا اے جہڑا اپنے قول دی تصدیق اپنے عمل نال پیش کرے ایسے لئی نبوت توں بعد انسانیت دا سب توں وڈا رتبہ صدیقیت اے، اک حدیث وچ فرمایا گیا اے کہ انسان سچ بولد ابولدا صدیق بن جاندا اے، لیکن ایہہ یاد رہنا چاہیدا اے کہ صرف اک دو دفعہ سچ بول لین نال ایہہ مرتبہ نہیں ملدا ایہدے لئی مضبوطی نال صداقت تے قائم رہن دی لوڑ اے دعا اے کہ اللہ تعالیٰ سانوں سچائی دے مقدس اصولاں دی پاسداری کرن دی توفیق بخشے تے ساڈا پاکستانی معاشرہ صاف ستھرا تے سچا اسلامی معاشرہ کہلان دے قابل ہو جاوے۔ (اللہم آمین)

دورہ آسٹریلیا و ملائیشیا کی روئیداد

2 مارچ 1989ء بروز جمعرات بسلسلہ دعوت و تبلیغ کراچی سے بذریعہ ہوائی جہاز سڈنی (آسٹریلیا) کے لئے روانگی ہوئی۔ سڈنی آسٹریلیا کا ایک مشہور ترین بین الاقوامی شہر ہے جو تقریباً سو مربع میل تک پھیلا ہوا ہے۔ بین الاقوامی مشہور بندرگاہ بھی ہے۔ چاروں طرف سمندر کے حسین مناظر اور حسن قدرت کے دلفریب مظاہر سامان عبرت بھی ہیں اور سبق آموز بھی۔ سڈنی یورپ کا ایک ترقی یافتہ اور آوارہ شہر ہے جہاں انسانی قدریں دم توڑ رہی ہیں، شرافت اور غیرت ناپید ہیں۔ جہاں زندگی بے مقصد بھی ہے اور بے کیف بھی۔ رقص ابلیس کا ہو شر باہنگامہ ہے۔ دولت، عشرت، شراب و کباب، لہو و لعب، عیش و طرب غرضیکہ قلب و نظر کی ذلت و رسوائی کا ہر سامان موجود ہے۔ اگر نہیں! تو ایمان و یقین، جبر و قناعت اور شرم و حیا کا نام و نشان نہیں۔ (والعیاذ باللہ تعالیٰ)

لکھنے کی کلک حسرت دنیا کی ہسٹری میں

اندھیرا ہو رہا ہے بجلی کی روشنی میں

لیکن تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ اس سرزمین پر مسجدوں کی تعمیر کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا ہے اور تبلیغ دین کے نام پر قافلہ ہائے عشق و جنون کے قدموں کی چاپ بھی سنائی دے رہی ہے۔ اگر آسٹریلیا میں موجود تین لاکھ سے زائد مسلمان (جو یہاں کی تیسری قوم ہیں) صدق ہو بکرا اور فقر حیدر سے سرشار ہو کر (تو کلا علی اللہ) عشق کے دریا میں کود پڑیں اور اسلام کے سچے شیدائی بن کر دعوت الی اللہ کا بیڑا اٹھائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ یہاں اسلام کا پرچم بلند نہ ہو۔

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل

اس شہر کے خوگر کو پھر وسعت صحرا دے

سڈنی (آسٹریلیا) میں تبلیغی دورے کے لئے جناب فضیلۃ الشیخ بنہاں دلاتی نے سپانس کیا۔ اس کے خصوصی محرک جناب صوفی رانا طارق جاوید ہیں، جو پیکر خلوص بھی ہیں اور سراپا محبت بھی، ان کا حسن اخلاق اور ذوق استقبال ہمیشہ یاد رہے گا۔

شب معراج

مورخہ 5 مارچ شب معراج کو جامع مسجد روٹی ہل (جوا بھی زیر تعمیر ہے) میں ”مقام عبدیت اور معراج مصطفیٰ ﷺ“ کے موضوع پر مبسوط خطاب ہوا۔ حاضرین بے حد محظوظ ہوئے۔ مسجد کے خطیب اور اراکین انتظامیہ نے محبت اور خلوص کا مظاہرہ کیا۔ آخر میں صوفی طارق جاوید صاحب اور ان کے رفقاء نے حاضرین و سامعین کی پر تکلف ضیافت فرمائی۔

سڈنی میں ”پاکستانی ایسوسی ایشن“ کے اراکین نے بھی گرجموشی سے استقبال کیا اور مختلف مقامات پر محافل کا انعقاد کیا۔ جس میں ”اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب کا تقابلی جائزہ“ کے حوالے سے دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رہا۔

خطبہ جمعہ

آسٹریلیا میں لبنانی مسلمانوں کے مذہبی لیڈر فضیلۃ الشیخ حضرت علامہ تاج الدین الہلالی مدظلہ العالی نے بندہ کو خصوصی طور پر خوش آمدید کہا۔ قیام گاہ پر تشریف لائے اور سڈنی کی سب سے بڑی اور خوبصورت جامع مسجد ”الکмба“ (Lakmba) میں خطبہ جمعہ کے لئے دعوت دی۔ اس مسجد کی خصوصیت یہ ہے کہ آج تک اس میں کسی غیر عرب نے خطبہ جمعہ نہیں دیا۔ یہ اعزاز پاکستان کے ایک بے مایہ مسافر (راقم) کے حصے میں آیا کہ 10 مارچ کو اس مسجد میں سوا ایک بجے سے لے کر ۲ بجے تک (پون گھنٹہ) عربی زبان میں خطبہ دیا۔ تقریباً تین چار ہزار کے اجتماع سے الوہیت اور

رسالت کے مابین ارتباط، محبت رسول (ﷺ) اور جہاد بالنفس کے موضوعات پر خطاب کیا۔ زیادہ مجمع لبنانی عربوں پر مشتمل تھا، پاکستان یا ہندوستان کے چند افراد نظر آ رہے تھے۔ جمعہ کے بعد اکثر اہل علم و فضل اور عرب شیوخ سے ملاقات ہوئی۔ حضرت علامہ الہدالی نے پر تکلف دعوت کا اہتمام کر رکھا تھا۔ اہل عرب کی روایتی مہمان نوازی کا پورا خیال رکھا گیا تھا۔ بعد ازاں ماشاء اللہ کئی اہل علم و ذوق حضرات سے مختلف موضوعات پر علمی مذاکرات ہوتے رہے اور تاریخی معلومات کا تبادلہ ہوتا رہا۔ متعدد عربی، پاکستانی اور اہل فوجی (Fiji) حضرات خصوصی محافل تبلیغ و ذکر کا انعقاد کرتے رہے جس میں شیخ نبھن دلاتی (لبنانی)، شیخ سلیمان بدوی (شافعی)، چوہدری عیش محمد مجددی، شبیر احمد، عبدالحمید عاجز، حضرت صوفی اسرار الحق مجددی، چوہدری احمد دین شہزاد مجددی، حاجی امتیاز احمد، محمد اشرف وغیرہ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ ان حضرات کی محبت اور مہمان نوازی کا قابل رشک مظاہرہ ہمیشہ پیش نظر رہے گا۔

فرعون کے مجسمہ کی نمائش

دوران قیام معلوم ہوا کہ آج کل فرعون کا مجسمہ قاہرہ سے سڈنی میں نمائش کے لئے لایا گیا ہے۔ ہم بھی چوہدری عیش محمد مجددی اور عزیزم محمد فیاض کے ہمراہ قرآنی صداقت کا تاریخی ثبوت دیکھنے کے لئے سڈنی کے عجائب گھر پہنچے۔ مخلوق ہزاروں کی تعداد میں جمع تھی۔ تقریباً ایک میل لمبی قطار تھی۔ ہم کافی دیر شدت انتظار سے دو چار رہنے کے بعد واپس آ گئے۔ یہ آخری دن تھا اور فرعون کی مومی شام آٹھ بجے دوسرے شہر Melbourne میں منتقل ہونے والی تھی۔ اہل سڈنی کا زبردست ہجوم تھا، لیکن نظم و ضبط کا یہ عالم کہ آواز بھی بلند نہ ہوتی تھی۔ ہر ایک اپنی باری کے انتظار میں مطمئن کھڑا تھا۔ یہ منظر دیکھے ہوئے مجھے اپنی پاکستانی قوم کی بد نظمی اور افراتفری یاد آئی اور ایک ٹھنڈی آہ بھر کر دل میں کہا کہ اے کاش! مسلمان بھی دین اسلام کے مثالی نظم و ضبط کا نمونہ پیش کر کے اقوام عالم میں اپنا وقار بلند کر سکیں۔



خدایا ایں امتے را یار بادا کہ مرگ اوز جان بے حضور است

ملائیشیا میں مختصر قیام

تقریباً چودہ دن قیام کے بعد ۱۶ مارچ جمعرات کو سڈنی ایئر پورٹ سے ملائیشیا کے دارالحکومت ”کوالالمپور“ کے لئے پرواز ہوئی۔ یہاں کے احباب ایئر پورٹ پر استقبال کے لئے موجود تھے۔ سلطان محمد مجددی جو کافی عرصہ سے وہاں قیام پذیر ہیں خصوصی میزبان تھے۔ وہ ایک فقیر منش اور صاحب ذوق انسان ہیں جن کے حسن اخلاق نے بے حد متاثر کیا۔ انہی کے مکان میں قیام رہا۔

خطبہ جمعہ

دوسرے دن ۱۷ مارچ شہر کی خاصی معروف مسجد (جامع مسجد پاکستانی) میں جمعہ کے موقع پر ”اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول“ کے موضوع پر اردو میں خطاب کا موقع ملا۔ امام مسجد نے ملائی زبان میں ترجمہ پیش کیا۔ حاضرین کے چہروں پر خوشی اور اطمینان کے آثار نظر آرہے تھے۔ دوسرے روز جامع مسجد ”مالابار“ میں درس قرآن ہوا۔ محبت رسول (ﷺ) کے موضوع پر خطاب کیا، سامعین ایک نئے ذوق میں محو نظر آرہے تھے۔

ملائیشیا کے لوگ

مذہب کے دلدادہ اور سادگی پسند معلوم ہوتے ہیں۔ مختلف مذاہب و نظریات کی حامل کئی قومیں یہاں آباد ہیں۔ لیکن افسوس کہ مسلمانوں کی مذہبی قیادت نہ ہونے کے برابر ہے۔ علماء سرکاری ہیں، مشائخ کا وجود غنقا ہے، حکومت مسلمان ہے، لیکن کوئی قابل ذکر اسلامی یونیورسٹی موجود نہیں۔ یہاں کے مذہبی لوگ دینی تعلیم حاصل کرنے قاہرہ (مصر) یا ہندوپاک کا رخ کرتے ہیں۔ دوسری قوموں کے اختلاط کی وجہ سے بے پردگی اور آزادی کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ ”کوالالمپور“ یورپ کا نقشہ ہے۔ سنا ہے کہ حکومت ۱۲ ربیع الاول کو سرکاری طور پر عید میلاد النبی (ﷺ) کا بے مثال اہتمام کرتی



ہے۔ یہ سن کر حیرت ہوئی کہ پاکستان کے سنی علماء و مشائخ ملائیشیاء میں تبلیغ اسلام کے لئے زحمت گوارا نہیں فرماتے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ یہاں کے لوگوں کی اکثریت سحر و آسب کے چکروں میں مبتلا ہے۔ طریقت کے حامل اکا دکا روحانی خانوادے بھی موجود ہیں، لیکن ”خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گور کن“ کے مصداق عوام کی روحانی تربیت کا کوئی انتظام نہیں۔ وہاں کے دوستوں سے پروگرام مرتب کر کے عالمی ادارہ تنظیم الاسلام کے زیر اہتمام ایک تبلیغی وفد بھیجنے کا ارادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین

”کو الالمپور“ میں جن احباب سے ملاقاتیں ہوئیں اور ان کی روحانی تربیت کے لئے کچھ موقع ملا ان میں سلطان محمد مجددی، عزیز الرحمان، خلیل الرحمن، محمد نذیر، محمد یاسین مجددی، مولانا ابوبکر مجددی، محمد حنیف (عننبہ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان تمام احباب نے بے پناہ محبت اور والہانہ عقیدت کا مظاہرہ کیا۔ ان کی محبت بھری ادائیں بھی ہمیشہ یاد رہیں گی۔

پاکستان واپسی

تین دن یہاں قیام کے بعد پاکستان میں دینی مصروفیات، مرکزی جامع مسجد نقشبند یہ گوجرانوالہ میں شب براءت کے سالانہ اجتماع کے انعقاد اور عرس آلومہار شریف اور سالانہ جلسہ دارالعلوم نقشبند یہ امینیہ، دربار عالیہ حضرت خواجہ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تقریبات کے پیش نظر جلدی واپس لوٹنا پڑا۔

19 مارچ رات ساڑھے گیارہ بجے بذریعہ ماس ایئر لائن (براہستہ دہلی) ملائیشیا سے روانگی ہوئی اور 20 مارچ صبح 5 بجے کراچی پہنچا۔ اسی روز بذریعہ نائٹ کوچ کراچی سے پرواز کر کے (3 بجے پچھلی رات) لاہور پہنچا۔ وہاں سے ادارہ کے احباب کی معیت میں گوجرانوالہ کے لئے روانہ ہوئے۔ اور 21 مارچ صبح فجر کی نماز مرکزی جامع مسجد نقشبند یہ ماڈل ٹاؤن میں ادا ہوئی اور بخیر و عافیت واپسی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

والحمد لله على ذالك

<



مقالات ابوالبیان

رشحات قلم

ابوالحسن محمد امجدی